E-Mail: mujallah@proton.me
Telegram: @Mujallah_T

فہرست مضامین مجلہ طالبان (شمارہ خصوصی)

1	اداریہ: تعارف تحریک طالبان پاکستان	3
2	درس قرآن	18
3	انسان کی پیدائش کا مقصد	85
4	ہم کون ہیں؟	87
5	پاکستان میں مسلح قیام اکابر علماء دیوبند و مشائخ عظام کی امیدوں کی تکمیل ہے	91
6	اذن امام، اولو الامر، بغاوت اور شہید	97
7	کفار کے ساتھ تعلقات، اقسام و احکام	112
8	پاکستان کو کس نظام کی ضرورت ہے؟	120
9	کیا دستورِ پاکستان اسلامی ہے؟	122
10	ٹی ٹی پی کے موقف کی جانب گامزن، مولانا فضل الرحمان سے عمران خان تک	134
11	کیوں نہ ماریں علماء کو؟	135
12	مدارس کا کردار و درپیش خطرات و مشکلات	137
13	پاکستان میں تحریک طالبان پاکستان ہی کی قیادت میں جہاد کی ضرورت کیوں ہے؟	155
14	پاکستانی فوج کب، کیسے اور کس مقصد کے لیے وجود میں آئی؟	158
15	ڈیورنڈ لائن تک پہنچنے کیلئے فوج نے قبائل میں کیا کیا؟	163
16	فوج اور مقبوضہ ریاستی زمین	166
17	ایک نظر عمر میڈیا پر	169
18	تحریک طالبان پاکستان کے ایک مجاہد کی ہمسفر کی رلا دینے والی کہانی	171

اداریہ

تعارف تحریک طالبان پاکستان

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب ولم یجعل لہ عوجا، والصلوۃ والسلام علی من قال: رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی واجعلنی من لدنک سلطانا نصیرا،

اما بعد! فَأَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَلَوْ لَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِى الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ - وَ اتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ (ھود: ۱۱۶)

ترجمہ: سو کیوں نہ ہوئے ان جماعتوں میں جو تم سے پہلے تھیں ایسے لوگ جن میں اثر خیر رہا ہو کہ منع کرتے رہتے بگاڑ کرنے سے ملک میں مگر تھوڑے کہ جن کو ہم نے بچالیا ان میں سے اور چلے وہ لوگ جو ظالم تھے وہی راہ جس میں عیش سے رہے تھے اور تھے گناہ گار۔

تحریک طالبان پاکستان کے قیام کا پس منظر:

گیارستمبر کے واقعات کے بعد امریکہ نے پچاس کے لگ بھگ ممالک کے فوجی لشکروں کو ایک ہی صف میں کھڑا کیا جنمیں ریاست پاکستان حربی کفار کے صف اول کا معاون رہا، یہ تمام شیطانی لشکریں دھشتگردی کے خاتمے کے نام سے امارت اسلامیہ افغانستان (جو دنیا کی واحد اسلامی حکومت تھی) پر بھوکے بھیڑیوں کی طرح حملہ آور ہوئیں، انسانی تاریخ میں اتنی بڑی لشکر کشی کی مثال نہیں ملتی۔ اس لشکر کشی میں ریاست پاکستان نے امریکہ اور اسکے متحدین کا بھرپور تعاون کیا اور پاکستان کے زمینی، فضائی اور بحری سب راستے امریکہ کی خدمت میں پیش کیے، پاکستان کے بحری راستوں سے امریکہ اور نیٹو کی جنگی سازوسامان پاکستانی سیکیورٹی اداروں کی کڑی نگرانی اور حصار میں چمن اور طورخم کے راستوں سے افغان منتقل ہوتا رہا، پاکستان کے فضائی اڈوں سے امریکی جیٹ طیاروں نے مختصر عرصے لگ بھگ اٹھاون ہزار مرتبہ نہتے افغانوں پر بمباری کی خاطر اڑان بھری، نتیجتاً امارت اسلامیہ افغانستان سقوط سے دوچار ہوا، اور افغانستان کے عوام وخواص (عرب وعجم، مہاجرین ومجاہدین) امریکہ اور اس کے متحدین کے بے تحاشا مظالم اور اندھی بمباریوں کی باعث قبائلی علاقوں کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔

یہ بات یاد رہے کہ قبائلی پٹی اوراس سرزمین پر آباد آزاد اور خود مختار جہاد پرور اقوام کی غیرت وشجاعت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے، گزشتہ سوسالہ تاریخ میں تین سوپرپاور کہلانے والی قوتیں (برطانوی استعمار، روس اوراس کے متحدین، امریکہ

اور اس کے متحدین) انہی اقوام کی بے مثال قربانیوں اور مجاہدین اسلام کی نصرت کی بدولت شکست فاش سے دوچار ہوئیں، انہی غیور اور مہمان نواز قبائلی اقوام نے کھلے دل کے ساتھ حسب سابق افغانستان کے مہاجرین کا بھی خیر مقدم اور استقبال کیا اور ایثار و قربانی کی ایک ناقابل فراموش تاریخ رقم کر دی۔ افغان مہاجرین کی حالت زار اور قبائلی عوام کی فراخ دلی اور کرم نوازی نے یقیناً صحابہ کرام کی قربانیوں کی یاد کو تازہ کر دی، » **اللھم ارض عن الانصار والمھاجرین المتأخرین کمارضیت عن اصحاب السابقین الاولین من الانصار والمھاجرین ۔ آمین۔**«

الغرض قبائلی اقوام نے مہاجرین کو اخلاص کے ساتھ اپنے گھروں، حجروں، مساجد و مدارس اور بازاروں میں دل کھول کر جگہیں دیں۔ مگر قبائلی عوام کی جانب سے افغان مہاجرین کے ساتھ یہ ایثار و قربانی اور ہمدردی ریاست پاکستان، امریکہ اور نیٹو کو راست نہیں آئی۔

چنانچہ پاکستانی اداروں نے امریکہ کے حکم اور منشاء کے مطابق قبائلی عوام کے سامنے دو مطالبے رکھ دیئے:

(۱) مہاجرین کو ہمارے حوالے کر دیں

(۲) اپنے علاقوں سے ان کو نکال دیں، بصورت دیگر ہم آپ اور مہاجرین دونوں کے خلاف بلا امتیاز فوجی آپریشنز کریں گے۔

قبائلی اقوام نے اپنے مہاجر مہمانوں کے متعلق ریاست پاکستان کے ساتھ مختلف مواقع پر گفت وشنید کی، کئی بار ریاست کے ساتھ مذاکرات کیے، مگر مجال ہے کہ ریاست پاکستان امریکی منشاء کے خلاف کوئی قدم اٹھائے، ہر مرتبہ مذکرات کو پاکستانی اداروں نے غدر کے ساتھ تہس نہس کیا۔

ریاست پاکستان کے مسلسل غدر وخیانت کے بعد بالآخر قبائلی اقوام نے غیرت ایمانی کا مظاہرہ کرکے ریاست پاکستان کے غیر معقول اور غیر مشروع تمام مطالبات کو یکسر مسترد کر دیا، اور « **المسلم اخوالمسلم لایخذلہ ولا یسلمہ**» (الحدیث) کے پیش نظر ریاست پاکستان کے ناجائز مطالبات کو ماننے سے انکار کیا، جسکی وجہ سے پاکستانی اور امریکی فوج نے مشترکہ طور پر قبائلی اقوام کے خلاف بھی زمینی اور فضائی آپریشن کا آغاز کر دیا۔ بارڈر کے اُس پار افغان مجاہدین اور عوام کے خلاف آپریشن » اینا کاونڈا « اور اِس پار مہاجرین کو پناہ دینے والے غیور قبائل کے خلاف آپریشن « المیزان » کا آغاز کر دیا گیا، اس ضمن میں بقول میجر عامر قبائلی مجاہدین اورافغان مہاجرین کی جاسوسی کے لیے میر انشاہ اور پشاور میں سی آئی اے کے دفاتر کھول دیئے گئے، پاکستانی خفیہ اداروں کے زمداران نہتے عوام اور مہاجرین کو دہشتگرد قرار دے کر امریکہ سے ڈالر وصول کرتے تھے، یوں مشترکہ معلومات کی بنیاد پر انصار اور مہاجرین کو ایک طرف قبائلی سرزمین پر ڈرون حملوں سے نشانہ بناتے تھے، تو دوسری جانب پاکستان کے خفیہ ادارے نہتے مہاجرین وانصار کو گرفتار کرکے چند ڈالرز کے عوض امریکہ کے حوالے کیا کرتے تھے، پرویز مشرف نے تو بے شرمی کی تمام حدیں پار کرتے ہوئے اپنی کتاب «In the Line of Fire" میں صراحت کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ اس نے چھ سو « مجاہدین » امریکیوں کے حوالے کیے، جس کے بدلے سی آئی اے (CIA) کی طرف سے اس کو لاکھوں ڈالرز ملے۔

حتی کہ قوم کی عزت وناموس ڈاکٹر عافیہ صدیقی فک اللہ اسرھا کو کراچی سے اغوا کرکے صلیبیوں کے حوالے کیا گیا، بقول Clive Stafford Smith: پاکستانی فوج نے عافیہ صدیقی (فک اللہ اسرھا) کے عوض امریکہ سے $۵۵۰۰۰ پچپن ہزار

ہزار ڈالرز وصول کئے ہیں، اور آج بھی ان کی رہائی میں سب سے بڑی رکاوٹ پاکستانی جرنیل ہیں۔

مزید برآں امریکہ کی مفادات کی خاطر نہتے قبائل پر پاکستانی جیٹ طیاروں، ہیلی کاپٹروں اور توپخانوں کا بے دریغ استعمال کیا گیا ،پاکستان کے متعدد ائیر پورٹوں سے قبائلی عوام پر امریکی ڈرون حملوں کے لیے کھلی چھوٹ دی گئی، اور آج تک امریکہ پاکستان کے فضائی حدود اور ائیر پورٹ قبائلی عوام اور امارت اسلامیہ افغانستان کے خلاف استعمال کرتا آرہا ہے، چنانچہ ظلم وستم کا یہ سلسلہ مزید بڑھتا گیا جسکی زد میں پورا ملک اور بالخصوص خیبر پختونخوا آگیا۔ المیزان سے لے کر رد الفساد اوغضب للحق تک ہزاروں چھوٹے اور بڑے آپریشنز نہتے مسلمانون کو کچلنے کی خاطر لانچ کیے گئے۔ ان تمام مظالم کے بعد ملک کے مختلف علاقوں سے تعلق رکھنے والے غیور پاکستانی عوام (جن میں پشتون، بلوچ، پنجابی، سرائیکی اور سندھی وغیرہ سب شامل تھے) نے علمائے کرام کے شرعی فتاویٰ کی روشنی میں افغانستان کی طرح پاکستان میں بھی امریکی معاون سیکیورٹی اداروں کے خلاف دفاعی جہاد کا آغاز کیا اور یوں پاکستانی مجاہدین کو دونوں محاذوں (بقول امیر تحریک طالبان پاکستان مولانا فضل اللہ خراسانی تقبلہ اللہ؛ غزوۃ الروم اور غزوۃ الہند) پر مبارک جہاد کی سعادت نصیب ہوئی، **والحمدللّٰہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات**۔

سو ایک محاذ پر الحمد للہ امریکہ اور اس کے لاؤلشکر کو ذلت آمیز شکست ہوئی، اور دوسرے محاذ پر بھی الحمد للہ مجاہدین فتح کی دہلیز پر پہنچ گئے ہیں۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

واللّٰہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لایعلمون

تحریک طالبان پاکستان کا جہاد، دفاعی جہاد ہے:

الغرض ان آپریشنز کے بعد خیبر پختونخوا کے عوام کے پاس دفاعی جہاد کے علاوہ کیا چارہ رہتا؟ جب تحریک طالبان پاکستان (جو اس وقت منتشر حالت میں تھی) کی جانب سے دفاعی کاروائیوں کا آغاز کیا گیا اور اس میں کئی پاکستانی فوجی مارے گئے، تو ایک فوجی افیسر (کرنل محمود الحسن) ریاست پاکستان اور طالبان کی جنگ میں دونوں جانب مسلمانوں کی جانی اور مالی نقصانات کو دیکھ کر پریشان ہوا تو اپنی پریشانی کو اس نے ایک استفتاء کی شکل میں پاکستان کے علمائے کرام کے سامنے رکھ دیا۔

کرنل محمود الحسن کے استفتاء کے جواب میں پاکستان کے پانچ سو سے زائد جید علمائے کرام، مؤقر دینی اداروں کے مفتیانِ عظام، اور کبار شیوخ (مثلاً مفتی نظام الدین شامزئی شہید، شیخ الحدیث ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب، شیخ الحدیث مولانا عبد الرزاق اسکندر صاحب، پیر سید مختارالدین شاہ صاحب، مفتی سیف اللہ مروت حقانی، مفتی حمید اللہ جان صاحب، قاضی عبد الرشید صاحب وغیرہم رحمہم اللہ و حفظہم اللہ) نے پاکستانی فوج کے خلاف فرضیت جہاد کا ایک جامع فتوی بنام « وانا آپریشن کے بارے میں پاکستانی علمائے کرام کا متفقہ فتویٰ » اپنے دستخطوں کے ساتھ صادر فرمایا۔ اس فتویٰ میں پاکستانی فوج پر قطاع الطریق، حربی کفار کے معاونین اور راہزنوں اور باغیوں کے احکام صادر کیے گئے۔

چنانچہ کوہاٹ کے مفتیان کرام نے اس فتوی میں یہ صراحت کر دی ہے؛ کہ شریعت کی رو سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے (پاکستانی) فوجی اللہ تعالی اور اسکے رسول کے باغی ہیں، اور ان کا مرنا حرام موت مرنا ہے اور ان کا حکم قطاع الطریق؛ یعنی راہزن اور ڈاکو کا ہے، نماز جنازہ کیلیے جو حکم راہزن اور ڈاکو کا ہے وہی ان کا ہے۔

مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمہ اللہ اس فتوی میں فرماتے ہیں:

اگر کسی فوجی کو ایک مسلمان کے قتل اور پھانسی یا کورٹ مارشل کے درمیان فیصلہ کرنا پڑ جائے تو اللہ تعالی کے قانون میں اس کیلیے اخروی لحاظ سے آسان، سہولت دہ اور جائز یہی ہے کہ وہ اپنے لیے کورٹ مارشل اور تختہ دار کا راستہ اختیار کرلے۔

مفتی سیف اللہ حقانی رحمہ اللہ اس فتوی میں فرماتے ہیں؛ پاکستانی فوج معین الکافر فوج ہے۔

باسمہ تعالی، فقہ کی معتبر اور مشہور کتب در مختار اور رد المحتار میں ہے؛ کہ عصبی کی نماز جنازہ نہیں پڑھائی جائے گی، اور عصبی کی تعریف رد المحتار میں یوں کی گئی ہے، والعصبی من یعین قومہ (ای المسلم) علی الظلم والذی یغضب لعضبہ، لہذا؛ مسلمان کے مقابلے میں معین الکافر پر بطریق اولی بماز جنازہ نہیں پڑھائی جائے گی۔

اور مزے کی بات یہ ہے کہ شیخ الحدیث ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس فتوی میں علمائے کرام کی جرأت کو دیکھتے ہوئے یہ جملہ بھی اپنے دستخط کے ساتھ شامل کر دیا ہے «لقد اصاب المفتيون الكلام في هذه الفتوى والحق احق أن يتبع وجزاهم الله على بذه الجرأة الايمانية. جو آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔

شیخ الحدیث صاحب کے الفاظ کا عام فہم مقصد یہ ہے کہ مفتیان کرام نے اس فتوی میں پاکستانی فوج کے متعلق جو کلام فرمایا ہے وہ حق اور صواب پر مبنی ہے، اور حق (مذکورہ فتوی) اس قابل ہے کہ (پاکستانی عوام کی طرف سے) اس پر عمل کیا جائے ،اور اللہ تعالی فتوی دینے والے مفتیان کرام کو اس ایمانی جراءت پر جزائے خیر عطاء فرمائے، آمین۔

الغرض اس فتوی میں پاکستانی فوج کو معین الکفار کہا گیا ہے، اور معین الکفار کا حکم فقہائے کرام نے یہ قرار دیا ہے کہ وہ اصلی کفار سے زیادہ مضر ہیں، لہذا؛ جس طرح اصلی کفار کے خلاف جہاد فرض ہو جاتا ہے اسی طرح ان کے معاونین کا بھی یہی حکم ہے اور جس طرح وہ مباح الدم ہیں اسی طرح ان کا مسلمان معاون بھی مباح الدم ہے۔ اس کی تفصیل بعد میں باحوالہ آنے والی ہے۔ ان شاء اللہ تعالی۔

تحریک طالبان پاکستان کے مقدس جہاد کا یہ ایک امتیاز ہے کہ ہزاروں علمائے کرام اور مفتیان عظام کی تائید اور توثیق اس جہاد کو حاصل ہے جسکی مثال دیگر جہادی تحریکوں کی تاریخ میں کم ملتی ہے۔

جہاد پاکستان کے متعلق پختونخوا کے معروف علمی، اور روحانی شخصیت جامعہ دارالعلوم حقانیہ کے روح رواں مرجع خلائق، فقیہ العصر فرید الدھر عارف باللہ مفتی محمد فرید » رحمہ اللہ » نے شیخ نصیب خان شہید رحمہ اللہ کی وساطت سے وزیرستان کے ایک وفد کے استفسار پر تحریری طور علامہ طرابلسی رحمہ اللہ کا عبارت درج کروا کر جراتمندانہ فتوی دیا تھا۔

اور (الفتاوى الكاملية) سے علامہ طرابلسی رحمہ اللہ کا یہ عبارت نقل فرمایا: لما قال العلامة محمد كامل الطرابلسي : سئلت عن بلدة استولى عليها الكفار وتمكنوا منها فانضم إليهم بعض القبائل والعشائر وصاروا يقاتلون معهم المسلمين وينهبون مالهم وينصحون الكفار ويعينونهم علي اذي المسلمين فكانوا اشد ضررا على المسلمين من الكفار فما حكم فيهم و هذا حالهم فالجواب إني لم اقف علي حكم هولاء في كتب مذهبنا معاشر الحنفية ولكن وقفت عن حكمهم في كتب السادة المالكية إلي أن قال والظاهر أن حكم هولاء حكم اهل الحرب في قتلهم واخذ أموالهم و أما أولادهم فلا يقتلون ولا يكون فيئا وانما أبيح قتل الباغين منهم لكونهم رداً

لعدو الحرب ومعينين لهم بأنفسهم و حكم الردء إذا لم يقاتل مع العدو وحكم المقاتل فأحرى إذا قاتل.(الفتاوى الكاملية ص ۲۵۰ كتاب الجنايات)

جب علامہ محمد کامل الطرابلسی سے پوچھا گیا: « ایک ایسے شہر کے بارے میں جس پر کافروں نے قبضہ کر لیا اور کافر وہاں مکمل طور پر قابض ہو گئے، پھر کچھ قبائل اور خاندان ان کافروں کے ساتھ مل گئے اور مسلمانوں کے خلاف ان کے ساتھ مل کر لڑنے لگے، مسلمانوں کا مال لوٹنے لگے، کافروں کو مشورے دینے لگے اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے میں ان کی مدد کرنے لگے، یہاں تک کہ یہ لوگ مسلمانوں کے لیے خود کافروں سے بھی زیادہ نقصان دہ ثابت ہوئے۔ تو ایسے لوگوں کا کیا حکم ہے جب ان کا حال یہ ہو؟ »

تو جواب یہ دیا: « میں نے ان لوگوں کے بارے میں ہمارے حنفی مذہب کی کتابوں میں کوئی حکم نہیں پایا، لیکن مالکی علماء کی کتابوں میں ان کا حکم دیکھا ہے۔ یہاں تک کہ انہوں نے کہا: ظاہر یہ ہے کہ ان لوگوں کا حکم اہلِ حرب والا ہے۔ ان کو قتل کیا جائے گا اور ان کے اموال لیے جائیں گے۔ البتہ ان کی اولاد کو قتل نہیں کیا جائے گا اور نہ ہی وہ مالِ فئ شمار ہوں گے۔ ان باغیوں کا قتل صرف اس لیے جائز ہے کہ یہ دشمن کی پشت پناہی کرنے والے، جنگ میں مددگار اور خود اپنی ذات سے ان کے معاون ہیں۔ اور پشت پناہ کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ دشمن کے ساتھ مل کر نہ بھی لڑے تب بھی، تو لڑنے والے کا حکم تو بدرجہ اولیٰ یہی ہو گا جب وہ خود لڑے۔ »

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ تحریری فتویٰ پاکستانی فوج ایک چھاپے کے دوران دیگر ذخیرہ کے ساتھ اپنے ساتھ لیکر چلی گئی، لیکن اس فتویٰ کا تذکرہ فتاوی فریدیہ کے مرتب اور حضرت اقدس کے خلیفہ مولانا عبد الوھاب منگلوری صاحب نے حضرت اقدس کے سوانح حیات تجلیات فریدی میں فرمایا ہے۔

بہر حال! کوئی باشعور مسلمان اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ ریاست پاکستان مسلمانوں کے خلاف جنگ میں نیٹو اور امریکہ (حربی کفار) کی صف اول کا اتحادی تھا اور ہے، نیز طول تاریخ میں پاکستانی فوج اقوام متحدہ کے امن فورسز کا اہم حصہ چلا آرہا ہے جو مختلف محاذوں پر امریکیوں کے مفادات اور مسلمانوں کی دشمنی میں اپنا کردار ثابت کر چکا ہے۔

مثلاً: ۱۹۴۷ کو یعنی پاکستان وجود میں آنے کے وقت دس لاکھ مسلمانوں کا قتل عام، ایک کروڑ مسلمانوں کو ہجرتوں پر مجبور کرنا، ایک لاکھ خواتین کو عصمت دریاں کرنا، وغیرہ، ۱۹۷۱ حمود الرحمن کمیشن کا مطالعہ کیا جائے کہ پاکستانی افواج نے کئی لاکھ بنگالی مسلمانوں کا خون بہایا ہے، ۱۹۹۳ میں صومالی مزاحمت کاروں اور مجاہدین کی سرکوبی کے لیے یہی پاکستانی فوج استعمال ہوئی، اور امریکی فوج کو بچانے کی خاطر درجنوں پاکستانی فوجیوں نے قربانیاں پیش کی ہیں، ۲۰۱۲ کو دبئی ائیر شو جہاں فضائی ٹیکنالوجی متعارف کرائی جاتی ہے میں اسوقت کے ائیر چیف نے فخر سے کہا تھا کہ ہم نے امریکہ سے اتحاد کے بعد قبائلی علاقوں میں جیٹ طیاروں سے ۱۵ ہزار بم گرائے ہیں، یہ وہ زمانہ تھا کہ ابھی تک نہ ضرب عضب آپریشن کا اعلان ہوا تھا، نہ ہی رد الفساد اور استحکام پاکستان جیسے آپریشنز کا، اندازہ لگایا جائے کہ ضرب عضب میں اس فوج نے لاکھوں آبادیوں کو ویرانیوں میں بدل ڈالا ہے۔ مزید برآں حالیہ مہینوں میں پاکستانی فوج ٹرمپ کے تشکیل کردہ "غزہ بورڈ آف پیس" کا بھی مستقل اور اعلانیہ رکن بن چکا ہے، گویا پاکستانی افواج نے کئی عشروں تک نصاری کی معاونت میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا، اور اب یہود جیسے دجالی لشکر کے صف میں بھی پاکستانی فوج صف اول کا کردار ادا کرنے کمربستہ ہے۔

فقہی نصوص کے تناظر میں کفار کے معاونین کا حکم:

چنانچہ چاروں فقہی مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ جب کوئی مسلمان (چاہے فرد کی شکل میں ہو یا جماعت اور حکومت کی شکل میں) اگر حربی کفار کی صفوں میں مسلمانوں کے مقابلہ میں اپنی اختیار سے شمولیت اختیار کرے، تو ایسے مسلمان کے خلاف جہاد اور قتال حربی کفار کی طرح فرض ہو جاتا ہے، اور اِس قسم کا مسلمان اصلی کفار سے زیادہ مضر اور مباح الدم قرار دیا جاتا ہے، کفار کی صف میں اس مسلمان فوجی کا مرنا حرام موت مرنا ہے، اس صف میں ان کی تنخواہ حرام ہے، اور ان کے اموال اور جنازے کا حکم باغیوں، قطاع الطریق اور راہزنوں کا ہے، اور ایسے حکمرانوں کو مسلمانوں پر حکومت کرنے کا حق قطعا حاصل نہیں ہے۔

امام سرخسی رحمہ اللہ شرح سیر کبیر میں فرماتے ہیں:

لِأَنَّ مُبَاشَرَةَ الْقِتَالِ فِيْ مَنَعَةِ الْمُشْرِكِيْنَ (أَيْ عَسْكَرِهِمْ وَجَمَاعَتِهِمْ) مُبِيْحٌ لِّدَمِهِمْ، وَإِنْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ.

اسی طرح البنایۃ شرح الھدایۃ میں کفار کی صف میں شامل مسلمان کے قتل کے جواز کے بعد یوں لکھا ہے:

هَذَا حَالُ مَنْ كَثَّرَ سَوَادَهُمْ وَلَمْ يَتَزَيَّ بِزِيِّهِمْ، وَلَمْ يَتَخَلَّقْ بِأَخْلَاقِهِمْ، فَكَيْفَ حَالُ الْمُتَزَيِّا بِزِيِّهِمْ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ دَارِ الْحَرْبِ وَدَارِ الْإِسْلَامِ فِيْ إِبَاحَةِ قَتْلِ الْمُسْلِمِ الَّذِيْ كَانَ وَاقِفًا فِيْ صَفِّ الْمُشْرِكِيْنَ، سَوَاءً كَانَ عَنْ طَوْعٍ أَوْ عَنْ إِكْرَاهٍ، إِذَا قَاتَلَ الْمُسْلِمِيْنَ.

اور اس مسئلے پر مولانا عبد العلی مرحوم نے فقہائے کرام کی سات صریح فقہی نصوص نقل کئے ہیں۔ (ملاحظہ ہو « مختصر احکام القتال ص ۱۱)

فقہی نصوص ذکر کرنے کے بعد افغانستان کا مفتی اعظم مولانا عبد العلی دیوبندی رحمہ اللہ ان عبارات کا خلاصہ یوں نقل فرماتے ہیں:

اعلم أنه قد علم من الحوالات الفقهية و التفسيرية أن من نصر الكافرين في قتال المسلمين بالنفس أو الأ سلحة و الرأي و التدبير أو الجلب و التحريض أو الافتاء، فحكم هذا المسلم كحكم الكافرين في القتل باتفاق الفقهاء، و كذالك من طلب النصرة من الكافرين في قتال المسلمين بالأسلحة أو النفس أو المال أجرة أو وديعة أو قرضاً أو هديةً أو تجهيزاتٍ أخرى، فحكمه كحكم الكافرين باتفاق الفقهاء، كما مر ذكره في كتب الفقهاء.

ترجمہ: جان لو کہ فقہی اور تفسیری حوالہ جات سے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ جو شخص کافروں کی مدد کرے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں، اپنی جان سے یا ہتھیاروں سے، رائے و تدبیر سے، یا سامان پہنچانے اور لوگوں کو ابھارنے سے، یا فتویٰ دینے سے، تو فقہاء کے اتفاق سے اس مسلمان کا حکم قتل کے معاملے میں کافروں جیسا ہے۔

اسی طرح جو شخص کافروں سے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں مدد طلب کرے، ہتھیاروں سے یا جان سے یا مال سے، خواہ وہ اجرت کے طور پر ہو یا امانت، قرض، تحفہ یا کسی اور ساز و سامان کی صورت میں ہو، تو فقہاء کے اتفاق سے اس کا حکم بھی کافروں جیسا ہے، جیسا کہ فقہاء کی کتابوں میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ ریاست پاکستان کے رکھوالوں کا حکم باغیوں کا ہے، اور جو انکے مقابلے میں جنگ کر رہے ہیں یا مارے جا رہے ہیں وہ غازی اور شہید ہیں۔

پاکستان کے جہاد کی فرضیت کی وجوہات وہی ہیں جو افغان جہاد کی تھیں:

الغرض جن وجوہات کی بناء پر افغانستان کی سرزمین پر امریکہ اور اس کے اتحادی قوتوں (بشمول افغان ملی اردو) کے خلاف جہاد فرض عین ہو چکا تھا، اور دنیا کے کسی ایک حقانی اور ربانی عالم نے اس فرضیت سے اختلاف نہیں کیا ہے، پاکستانی فوج کے خلاف بھی اسی بناء پر جہاد فرض ہو چکا ہے، اگرچہ ریاست پاکستان کے خلاف جہاد کی مزید کئی وجوہات اور بھی ہیں، جس کا یہاں موقع نہیں ہے۔

ایک اہم وضاحت:

کیا کفار کی معاونت کیوجہ سے پاکستانی فوج اسلام سے خارج سمجھا جائے گا؟ جیسا کہ بہت سارے لوگ تحریک طالبان پاکستان کے خلاف یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں؟۔

سو جاننا چاہئے کہ مسئلہ مظاہرۃ الکفار علی المسلمین (یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کی صفوں میں شامل مسلمان) کی تکفیر کے متعلق تحریکِ طالبان پاکستان کا موقف نہایت ہی واضح ہے۔

مسئلہ کی وضاحت سے قبل یہ بات جاننا از حد ضروری ہے کہ تحریکِ طالبان پاکستان جمہور اہل سنت والجماعت کے معتدل منہج پر قائم سنی حنفی جماعت ہے جس میں غالب اکثریت دیوبندیوں کی ہیں، تحریک طالبان پاکستان کے انتظامی ڈھانچے کی کیلدی عہدے اور زمداریاں الحمدللہ علمائے کرام کے پاس ہیں، بالخصوص رہبری شوری جو پالیسی ساز اور تحریک کا بنیادی ادارہ ہے، اسی طرح دار الافتاء جو تمام شرعی امور میں راہنمائی فراہم کرتی ہے اور دار القضاء جن کے پاس شرعی فیصلوں کا قوت نافذہ ہوتا ہے، ہکذا سیاسی، اعلامی، استخباراتی وغیرہ ادارہ اجات اور مختلف وزارتیں اور ریاستیں مثلاً ریاست دعوت وارشاد، ریاست معارف، ریاست فلاح وبہبود، ریاست اقتصاد، ریاست احتساب، وزارت دفاع یہ سب اس امر کے پابند ہیں کہ وہ تمام ہدایات، معاملات، اور فیصلے مذہب حنفی کے مطابق کرنے کے پابند ہوں گے۔

پس مذکورہ مسئلہ « مظاہرۃ الکفار علی المسلمین » میں تحریک طالبان پاکستان کا مؤقف وہی ہے جو جمہور اہلسنت اور فقہائے احناف کا ہے، کہ اس مسئلہ میں تحریک طالبان پاکستان مطلقاً تکفیر نہیں کرتی، بلکہ اہلسنت کے اصول کے مطابق اس میں تفصیل سے کام لیتے ہیں۔

اور اس مسئلہ میں بھی حکم کا مدار خبث اعتقاد پر چھوڑتے ہیں، لہذا، اگر کوئی فوجی سالم اعتقاد کے ساتھ دنیوی اغراض کی خاطر شامل ہوا ہے، یا وہ اپنے بڑے افسر کے احکام سے مجبور ہو کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں شمولیت اختیار کرتا ہے، تو اس کی قطعاً ہم تکفیر نہیں کرتے، تاہم حربی کفار کی صفوں میں شمولیت کیوجہ سے مباح الدم ضرور ہے، اور اس مسئلہ کے متعلق تحریک کے دار الافتاء سے جید علمائے کرام کی تحقیق سے ایک جامع تحقیق « موقف السلف الصالح حول المظاهرة علي المسلمين » سامنے آئی ہے جسمیں اس مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر بسط کیساتھ روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ تحریکِ طالبان پاکستان خوارج کی طرح کبائر پر کسی مسلمان کی تکفیر نہیں کرتی، مذکورہ تحقیقی رسالہ ہماری ویب سائٹ پر موجود ہے۔

ریاست پاکستان اور پاک فوج کی شرعی حیثیت:

جاننا چاہیے کہ ریاست پاکستان کے اسلامی اور غیر اسلامی ہونے کے متعلق تحریک طالبان پاکستان نے کوئی نیا فلسفہ اور نئے احکامات نہیں گھڑے ہیں، بلکہ تحریک طالبان پاکستان کا موقف اس حوالے سے وہی ہے جو پاکستان کے جید اور علمائے حق کا موقف ہے، جسکی تفصیل ہم ذیل کی سطور میں کریں گے، ان شاء اللہ تعالی۔

مفتی نظام الدین شامزئی صاحب اپنے فتوے میں لکھتے ہیں:

اسلامی ممالک کے جتنے حکمران اس صلیبی جنگ میں امریکہ کا ساتھ دے رہے ہیں اور اپنی زمین، وسائل اور معلومات ان کو فراہم کر رہے ہیں وہ مسلمان پر حکمرانی کے حق سے محروم ہو چکے ہیں، تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ ان حکمرانوں کو اقتدار سے محروم کریں، چاہے اس کے لیے جو بھی طریقہ استعمال کیا جائے۔

اسی طرح مفتی نظام الدین شامزئی صاحب اپنے ایک بیان میں فرماتے ہیں:

اور یہ جو منافق ہم پر مسلط ہیں سب سے پہلے ان کے خلاف اٹھ کر مسلح جہاد کرنا ہو گا، میں قلم کا جہاد نہیں کہہ رہا ہوں، میں زبان کا جہاد نہیں کہہ رہا ہوں، بہت کر چکے ہم، بہت کر چکے قلم کا جہاد، بہت کر چکے زبان کا جہاد، اب اِن کا علاج سوائے اس کے کچھ نہیں، اگر مسلمان نوجوانوں میں قوت ہے تو اٹھ کر ان کا گلہ دبا دیں، یہ سروں کی فصل پک چکی ہے، اور یہ گرنے کے لیے تیار ہے۔ (ماخوذ از ویڈیو بیان مفتی نظام الدین شامزئی رحمہ اللہ)

چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر ریاست سے مراد ملک و وطن ہو تو یہ بات تو یقینی ہے کہ پاکستان مسلمانوں کا ملک اور وطن ہے اور اگر ریاست سے مراد حکومت ہو تو نہ حکومت اسلامی ہے، نہ اس کے قوانین شرعی ہیں اور نہ ہی خود مختار حکومت ہے، بلکہ حکومتِ پاکستان غیر شرعی ہے، اس ملک کے حکمران اس خطے میں امریکی اور برطانوی مفادات کے محافظ اور انکے موقف کے ترجمان ہیں، پاکستان کی فوج برطانیہ کی تیار کردہ فوج اور ایسٹ انڈیا کمپنی کا تسلسل ہے جس نے ہمیشہ پاکستانی مسلمانوں کے وسائل، املاک اور قیمتی زخائر پر ڈھاکہ ڈالا ہے، اور اسلامی اَقدار کے خلاف کرائے کی فوج کے طور پر استعمال ہوئی ہے، اس حوالے سے پاکستانی فوج کی ایک طویل سیاہ اور شرمناک تاریخ ہے، اس کا مختصر تذکرہ اوپر کی سطور میں اجمالی طور پر سامنے آیا ہے، تاہم مزید وضاحت تحریک طالبان پاکستان جنوبی پنجاب کے ایک ذمہ دار مجاہد سیف اللہ عرف ابو بصیر الشامی رحمہ اللہ کے رسالہ نافعہ » رائل انڈین آرمی » میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ یہ رسالہ بھی ہماری ویب سائٹ پر موجود ہے۔

مدار ریاست اسلامی کیا ہے؟:

کسی حکومت کے اسلامی ہونے کے لیے مفتی اعظم مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ احسن الفتاوی جلد ۶ صفحہ ۲۱ میں فرماتے ہیں کہ جب تک کوئی حکومت اسلامی احکام کو نافذ نہ کرے اُس وقت تک وہ اسلامی حکومت نہیں۔

فتاوی بینات جلد: ۲، صفحہ: ۲۹۱ میں محدث العصر استاذ الاساتذہ محمد یوسف بنوری صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم نے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اولی الامر کی اطاعت اور توقیر و تعظیم کا حکم دیا ہے اُن سے مراد وہی امراء ہیں جو حدود اللہ قائم کرتے ہیں، امر بالمعروف نہی عن المنکر کرتے ہیں، خود عالم دین ہیں یا کم از کم تعلیمِ دین اور اقامتِ شرعیہ کا فریضہ ادا کرنے پر قائم ہیں، ان کی اطاعت شریعت و دین کا جُز ہے، اگر کوئی امیر یا حاکمِ

وقت خلافِ شریعت حکم دے تو خود اس کی شرعی حیثیت ختم ہو جاتی ہے، تو اس کی اطاعت تو کیا بلکہ مخالفت کرنی ہو گی۔
لہذا! ریاست پاکستان کی حیثیت خالص غیر شرعی اور طاغوتی نظام کی ہے، جو اس خطے میں مغربی ممالک کے مقاصد کی حفاظت اور انکے مفادات کی وکالت کے لیے تشکیل دی گئی ہے۔ ریاست پاکستان کی فوج وہی رائل انڈین آرمی ہے جو خلافت عثمانیہ کے سقوط میں پیش پیش تھی، پاکستان کے وجود میں آنے سے رائل انڈین آرمی دو حصوں میں بٹ گئی، ایک حصہ بھارت کے حصے میں آئی تو دوسرا حصہ پاکستان کے حصے میں، پاکستان کو برائے نام آزادی دلوانے کے بعد یہاں کوئی نئی فوج تشکیل نہیں دی گئی تھی، بلکہ وہی فوج، وہی رسم ورواج، تربیت سے لیکر دفنانے تک کے تمام طور طریقے اب بھی وہی چلے آرہے ہیں جو برطانوی ہند کی طرف سے رائل انڈین آرمی کے حصے میں آئی تھیں، اس فوج نے ہمیشہ کفار کی ایماء پر مسلمانوں کا گلہ دبایا ہے، خلافت عثمانیہ کی سقوط، پچیس لاکھ بنگالی مسلمانوں کے قتل عام اور ایک لاکھ سے زائد خواتین کی عزتوں کو لوٹنے، دس ھزار فلسطینیوں کے قتل میں اسی فوج نے صف اول کا کردار ادا کیا ہے، مختلف اوقات میں اقوام متحدہ کے امن فورس کا حصہ رہنے سے لیکر بورڈ آف پیس میں شمولیت تک کی تاریخ ان کی اسلام دشمنی کو خوب واضح کرتی ہے۔

پاکستان کی عدالتوں میں رائج قوانین کی شرعی حیثیت کیا ہے؟:

یادرہے کہ پاکستان کے اندر رائج قوانین کے متعلق تحریک طالبان پاکستان نے کوئی نیا مفکورہ ایجاد نہیں کیا ہے، بلکہ اس حوالے سے تحریک طالبان پاکستان کا موقف بھی وہی ہے جو ہمارے اکابر علمائے دیوبند کا ہے۔
چنانچہ پاکستان کے اندر رائج قوانین کے متعلق ہم شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے موقف کو قارئین کے سامنے رکھتے ہیں جس سے ان کی شرعی حیثت کھل کر سامنے آجائے گی۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

ملکی قوانین میں کچھ قوانین ایسے ہیں جن کی حیثیت محض انتظامی نہیں، بلکہ وہ کچھ بنیادی اصولوں اور اقدار پر مبنی ہیں، مثلاً قانون معاہدہ (Contract Act) قانون بیع (Sale of Goods Act)، قانون انتقال جائیداد (Transfer of Property Act)، قانون شرکت (Partnership Act) قانون دستاویزات قابل بیع وشراء (Negotiable instruments Act)

اس قسم کے قوانین کے بارے میں ہماری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ ان قوانین کو بصورت موجودہ برقرار رکھتے ہوئے ان میں سے صرف خلاف شریعت امور نکال دینے، یا عمومی ترمیمات کر دینے سے نفاذ شریعت کا مقصد ہرگز پورا نہیں ہو سکتا۔

اس کی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) ان معاملات میں موجودہ قوانین اور اسلامی قوانین کے درمیان جو اختلاف ہے وہ جزوی نوعیت کا نہیں ہے، بلکہ بنیادی اقدار اور تصورات کا اختلاف ہے، اس معاملے میں یہ دونوں قانونی نظام اپنے مزاج ومزاق، اپنے مقاصد، اپنے نصب العین اور اپنے طریق کار کے لحاظ سے ایک دوسرے سے کوئی جوڑ نہیں رکھتے۔ بہت سے مسائل جنہیں اسلام اہمیت دیتا ہے، موجودہ قوانین میں یا تو ان کا تذکرہ ہی نہیں ہے، یا بہت مختصر اور ناکافی ہے۔ اس کے برعکس بہت سے مسائل پر مروجہ قانون جس کی اہمیت کا اظہار کرتا ہے، اسلامی قانون میں سرے سے ان کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے، لہذا اس فکری تضاد کی موجودگی میں

موجودہ قوانین کے اندر اسلامی احکام کی پیوند کاری ایک ایسا ملغوبہ تیار کرنے کے مترادف ہوگی جس پر صحیح معنی میں دونوں میں سے کسی قانون کی تعریف صادق نہیں آسکے گی۔

(۲)اسلامی قانون کی بنیاد قرآن وسنت اور اس کی متعین کی ہوئی اقدار پر ہے، اور اس میں مصالح عامہ یا پبلک پالیسی کا مقام نہ صرف ثانوی، بلکہ قران وسنت کی بتائی ہوئی اقدار کے تابع ہے۔ اس کے برعکس انگریزی قانون کی بنیاد ان مصالح عامہ اور ایسی پبلک پالیسی پر ہے جو نہ کوئی آسمانی قید وشرط قبول کرتی ہے، اور نہ اس کا کوئی رابطہ مابعد الطبیعی حقیقت کے ساتھ ہے ۔لہذا ان دونوں نظام ہائے قانون کا ارتقاء بالکل مختلف خطوط پر ہوا ہے۔ اگر بالفرض انگریزی قانون میں سے وہ تمام باتیں نکال دی جائیں جو صراحتہً قرآن وسنت سے متصادم ہیں، تب بھی اس کو ''اسلامی قانون'' نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ وہ قانون بالکل مختلف ماحول میں مختلف تصورات کے ساتھ پروان چڑھا ہے اور ان تصورات کو اس پورے ڈھانچے سے الگ کر نہیں کیا جاسکتا۔

(۳)اسلامی قانون دراصل فقہ کا دوسرا نام ہے ، اور اسلامی قانون کے نفاذ کا مطلب یہ ہونا چاہئے کہ ''فقہ اسلامی'' اپنے مخصوص مزاج ومذاق کے ساتھ زمانے کے حالات کے مطابق ارتقاء پذیر ہو کر نافذ ہو، جس کے لیے لازمی شرط یہ ہے کہ اس فقہ کا رشتہ ماضی کی ان کوششوں سے قائم رہے جو فقہ کے ارتقاء کے لیے ہمارے اسلاف نے انجام دی ہیں، زمانے کے حالات کے مطابق بہت سے مسائل میں فقہ کے اصولوں کے تحت ردوبدل بھی ممکن ہے، اور بہت سے نئے مسائل کا اضافہ بھی، لیکن یہ سب کچھ اس طرح ہونا چاہئے کہ اس کا تسلسل ماضی کی فقہی کاوشوں کے ساتھ قائم رہے، نہ یہ کہ انگریزی قانون کا پورا ڈھانچہ جوں کا توں لے کر اس میں کچھ جزوی ترمیمات کرلی جائیں، اور اس کو ''فقہ اسلامی'' قرار دیا جائے۔

(۴)اسلامی قانون اور انگریزی قانون کے درمیان طریق استدلال اور اصول تشریح وتعبیر(principles of lnterpretation) کا فرق ہے، لہذا اگر فقہ اسلامی کو ترقی دے کر اس کو مدون قانون کے طور پر نافذ کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کی تشریح وتعبیر میں فقہی اصول اور ماضی کے فقہی ذخیرے کی طرف رجوع کرنا لازمی ہوگا، اس کے برعکس موجودہ قانون کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں صرف چند جزوی تبدیلیوں کو کافی سمجھا گیا تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس قانون کی تشریح وتعبیر میں بدستور انہی قانونی نظائر(precedents) کی طرف رجوع کرنا پڑے گا جو ایک سیکولر نظام قانون کے تحت قائم ہوئی تھیں۔ چنانچہ ایسی صورتیں پیدا ہونے کا قوی امکان ہے کہ قانون میں بذات خود کوئی صریح بات کتاب وسنت کے خلاف نہ رہے۔ لیکن سیکولر عدالتوں نے اس کی جو تشریحات کی ہوئی ہیں، وہ بدستور باقی رہیں، اور ان تشریحات میں چونکہ قران وسنت کو معیار نہیں بنایا گیا، اس لیے ان تشریحات کی بنا پر قانون کے تقاضے آئندہ عدالتوں کو بھی ایسے راستے پر ڈال دیں جو قران وسنت کے راستے سے مختلف ہیں۔

(۵)اسلامی قانون اور انگریزی قانون میں اصطلاحات کا بھی بڑا فرق ہے، لہذا بعض جگہ ایسا ہے کہ ایک چیز جو اسلامی قانون میں ایک نام سے موجود ہے، وہ انگریزی قانون میں کسی دوسرے نام سے موجود ہے، اسی طرح بعض جگہ دونوں قوانین اصطلاح ایک ہی ہے، لیکن اس کے مفہوم میں دونوں کے درمیان بڑا فرق ہے، ایسی صورتوں میں جب اس اصطلاح کی مزید تشریح وتفصیل کی جائے گی تو اس میں زمین وآسمان کا فرق ہو جائے گا۔

مثال کے طور پر اسلامی فقہ میں ”بیع فاسد“ اور بیع باطل “ کے درمیان بڑا فرق کیا گیا ہے اور دونوں کے احکام پر مفصل مباحث موجود ہیں، انگریزی قانون میں بیع باطل کو (void) اور بیع فاسد کو (voidable) کہا گیا ہے۔ لیکن یہ بات کہ کونسی بیع باطل اور کونسی فاسد ہے؟ اس بارے میں دونوں قوانین کے تصورات یکسر مختلف ہیں۔ اب اگر یہ سوچ کر کہ یہ محض اصطلاح کا فرق ہے، حقیقی فرق کچھ نہیں، موجودہ قانون کو برقرار رکھا جائے تو باطل وفاسد کے اسلامی تصور یکسر ختم ہو جائیں گے ، اور جب (void) اور (voidable) کی تشریح و تفسیر کا سوال آئے گا، اواس کے لیے عدالتوں کے سابقہ فیصلوں کی طرف رجوع کیا جائے گا تو بہت سے مقدمات میں بات بالکل الٹ جائے گی، کیونکہ یہ فیصلے سیکولر قوانین کی تشریح کے سیکولر اصولوں پر مبنی ہیں۔

(٦)”ترمیم“ کے طریقے میں ایک شدید عملی قباحت یہ بھی ہے کہ اگر اس قوانین کا ڈھانچہ برقرار رکھتے ہوئے انہیں اسلامی احکام کے مطابق بنانے کی کوشش کی جائے تو اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کوئی شخص ایک خط منحنی کا مجموعی ڈھانچہ برقرار رکھتے ہوئے اسے خط مستقیم میں بدلنے کی کوشش کرے۔ چونکہ ان قوانین میں بنیادی تصورات ہی مختلف ہیں، اس لیے بعض مرتبہ ایک ہی دفعہ کو اسلامی احکام کے مطابق بنانے کے لیے نہ صرف اس کو بالکل ادھیڑنا پڑے گا، بلکہ اس کے آس پاس کی متعدد دفعات کو بدلنا پڑے گا، اور اس تبدیلی کی وجہ سے قانون اپنا وہ تسلسل (sequence) کھو بیٹھے گا جو سابقہ احکام کی بنیاد پر قائم ہوا تھا، اور سیاق وسباق کے بدل جانے سے باقی ماندہ دفعات بھی بے محل ہو کر رہ جائیں گی۔

اسی طرح بعض مرتبہ قانون کو اسلامی احکام کے مطابق بنانے کے لیے ایک دو دفعات کا نہیں مستقل ابواب (chapters) کا اضافہ کرنا ہوگا۔

(نفاذ شریعت اور اس کے مسائل، ص:٦١)

اس کے بعد مفتی صاحب نے مزید وجوہات کو بھی بیان کیا ہے اور پھر لکھتے ہیں:

یہ بات محض مفروضے کی بنیاد پر نہیں کہی جارہی، بلکہ راقم الحروف نے ایک زمانے میں متعدد رائج الوقت قوانین کو اسلامی احکام کے مطابق بنانے کے لیے ان میں ترمیمات تجویز کرنے کا کام شروع کیا، لیکن متعدد قوانین کا اس نقطہ نظر سے جائزہ لے کر دیکھا تو یہ اندازہ یقین میں بدل گیا کہ اس کام کے لیے قانون میں اتنی انقلابی تبدیلیوں کی ضرورت ہے کہ ان کے مقابلے میں نئے قانون کی تدوین و تسوید کہیں آسان ہے، اور ”ترمیم“ کے طریقے میں نہ صرف یہ کہ شدید مشکلات ہیں، بلکہ ان مشکلات کو برداشت کرنے کے بعد بھی حصول مقصد کی ضمانت نہیں دی جاسکتی، جس کی وجوہ اوپر بیان کرچکا ہوں۔ (نفاذ شریعت اور اس کے مسائل، ص:٦٣)

(٧)”ترمیم“ کے طریقے کے حق میں عموما ایک ہی دلیل دی جاتی ہے، اور وہ یہ کہ اگر نیا قانون مدون کرکے نافذ کیا گیا تو سولہ سالہ عدالتی فیصلوں کا پورا ذخیرہ بالکل بیکار ہو کر رہ جائے گا، اور عدالتوں اور وکلاء کو ہر مقدمے میں ایک ایک دفعہ کی تشریح کے لیے نئے سرے سے محنت کرنی پڑے گی۔

لیکن یہ کہتے وقت اس بات سے صرف نظر کرلیا جاتا ہے کہ اگر موجودہ قانون میں معمولی ترمیمات کا طریقہ اختیار کیا گیا تو "فقہ اسلامی" کا چودہ سو سالہ ذخیرہ بے مصرف ہو کر رہ جائے گا۔ پھر پہلی صورت میں تو عدالتی نظائر بالکل بے مصرف نہیں ہوں گی، بلکہ ان سے بہت سے انتظامی قوانین کی تشریح میں استفادہ کیا جاسکے گا۔ اس کے برعکس دوسری صورت میں فقہ اسلامی کا عظیم الشان ذخیرہ جو امت مسلمہ کے لیے قابل فخر ہے، نہ صرف یہ کہ بالکل بے مصرف ہو جائے گا، بلکہ اس کے مزید ارتقا کی بھی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔

اسکے علاوہ اگر "ترمیم" کا طریقہ اختیار کیا گیا، تب بھی "ترمیم شدہ" حصوں میں عدالتوں کے سابقہ فیصلے پھر بھی مفید نہیں رہیں گے، اور ان کی تشریح میں نئی نظائر کرنی پڑیں گی، ہاں یہ ضرور ہے کہ "تدوین" کے طریقے میں عدالتوں اور وکلاء کو تشریح قانون میں نسبۃً زیادہ محنت کرنی پڑے گی، لیکن سوال یہ ہے کہ کیا یہ محنت اتنی ناقابل برداشت ہے کہ اس سے بچنے کی خاطر ملت کے اعلیٰ ترین مقاصد کو قربان کر دیا جائے؟۔۔۔۔۔۔۔۔

(۸) یہ ملکی سطح پر طے شدہ ہے کہ ہماری قومی زبان اردو ہے، اور اسے ایک نہ ایک دن سرکاری زبان کی حیثیت اختیار کرنی ہے، قانون کے موثر طور پر نافذ ہونے کے لیے بھی یہ بات بنیادی اہمیت رکھتی ہے کہ قانون ایسی زبان میں ہو جسے ملک کی اکثریت سمجھ سکے۔ لہذا اس بات میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ ہماری آخری منزل یہ ہے کہ ہمارا سارا قانون اردو زبان میں ہو، اور اگر ہم میں قومی شعور ہے تو ایک نہ ایک دن ہمیں اردو زبان کو اپنا قانون بنانا ہو گا، عدالتی نظائر سے استفادے کی دشواری اس وقت بھی پیدا ہو گی، لیکن ظاہر ہے کہ اس دشواری پر بلند ترین قومی مقاصد کو قربان نہیں کیا جاسکتا۔

یہ مسئلہ آج ہم کو پہلی بار پیش نہیں آیا، بلکہ ان تمام ممالک میں یہ سوال اٹھا ہے جہاں غیر ملکی استعمار نے اپنے قوانین جاری کئے تھے، لیکن جن قوموں کو اپنی زبان اور ثقافت عزیز تھی انہوں نے آزاد ہونے کے بعد قوانین کو اپنی زبان میں از سر نو مدون کیا۔ مصر، عراق، اور اردن کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں جہاں غیر ملکی استعمار سے آزادی کے بعد تمام قوانین کو عربی زبان میں مدون کیا گیا، اور اب تمام عدالتوں کی زبان عربی ہے، اور ان میں عربی قانون ہی مستند متن کی حیثیت سے نافذ ہے۔

پاکستان میں رائج قوانین کے متعلق مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی حتمی رائے:

مفتی صاحب کل آٹھ وجوہات بیان کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:

مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر ہماری حتمی رائے یہ ہے کہ ان بنیادی قوانین کی حد تک (جن میں بنیادی تصورات اور اقدار کا اختلاف ہے) محض مروجہ قوانین میں پیوند کاری (patch wrok) کر کے اسلامی قوانین کے نفاذ کی حقیقی منزل حاصل نہیں کی جاسکتی، حقیقی منزل یہی ہوئی کہ تمام ایسے قوانین کو فقہی سانچے میں ڈھال کر اپنی قومی زبان میں مدون کیا جائے۔ (نفاذ شریعت اور اس کے مسائل، ص:۶۵

پاکستان کی قوانین کے حوالے سے مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا ایک رسالہ "نفاذ شریعت اور اسکے مسائل" قابل مطالعہ ہے۔

کیا تحریک طالبان پاکستان کا ریاست پاکستان کے خلاف اسلحہ اٹھانا بغاوت اور خروج ہے؟

ایسی غیر شرعی اور طاغوتی ریاست جو مسلمانوں کے خلاف جنگ میں امریکہ اور نیٹو جیسے حربی کفار کے صف اوّل کا اتحادی ہونے پر فخر کرے، تو انکے خلاف جہاد کیونکر خروج یا بغاوت ہو گی؟ ایسی ریاست کا حکم چند سطور قبل ذکر ہو چکا ہے کہ کفار کے

معاونین کا حکم بغات جیسا ہے اور انکے خلاف قتال بالاتفاق فرض ہو جاتا ہے۔

ہمارے مقدس دفاعی جہاد کا اصل اور بنیادی مقصد شریعت اسلام کا نفاذ ہے۔ جبکہ ہمارے مد مقابل دشمن کا ہدف کفار کے مشن کو آگے بڑھانا اور اسلامی شریعت کی راہ میں روکاوٹیں ڈالنا ہے، سو اس لحاظ سے ریاست پاکستان کی سیکیورٹی اداروں کا حکم بغات جیسا ہے۔ طالبان باغی نہیں، بلکہ کھلے باغی تو پاکستانی سیکیورٹی ادارے ہیں کہ وہ شریعت کے مقابلے میں مجاہدین کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔

چنانچہ شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ (آپ کے مسائل اور ان کا حل ج:۷، ص:۵۳۵) میں فرماتے ہیں کہ جو لوگ اسلام کے نفاذ کے لیے لڑتے ہیں وہ حق پر ہیں اور جو انکے مقابلے میں لڑتے ہیں وہ باغی ہیں۔

سوال: کیا مسلمان ایک دوسرے کے خلاف لڑ کر شہید ہو سکتے ہیں؟ کیا مسلمانوں کی آپس کی لڑائی کو جہاد کا نام دیا جا سکتا ھے؟ طالبان اور دیگر مجاہد تنظیموں کے حوالے سے اس کا جواب دیجئے۔

جواب: طالبان محض اسلام نظام کے نفاذ کے لیے لڑ رہے ھیں، اس لیے وہ ان شاء اللہ حق پر ہیں اور باقی لوگ ان کے مقابلے میں باغیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔

غیر شرعی اور طاغوتی ریاست کے حکمرانوں کو الوالامر کہنے والوں کے متعلق مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

خلاف شرع حکم کرنے والے حکمران طاغوت ہیں ان کو "اولی الامر" میں داخل کرنے والے کی امامت ناجائز ہے؟

(سوال) جو شخص آیت شریفہ واولی الامر منکم کو حکام آئین موجودہ پر محمول کرتا ہو اور حکام آئین موجودہ کے حکم کو اس آیۃ شریفہ سے استدلال کر کے واجب العمل کہتا ہو تو ایسے شخص کا شریعت میں کیا حکم ہے اور اس شخص کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟ المستفتی نمبر ۱۴۶۲ مولوی محمد شفیع صاحب مدرس اول مدرسہ اسلامیہ شہر ملتان ۲۳ ربیع الاول ۱۳۵۶ھ م ۳ جون سنہ ۱۹۳۷ء۔

جواب: واولی الامر منکم سے علماء یا حکام مسلمین مراد ہیں، یعنی ایسے حکام جو مسلمان ہوں اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق احکام جاری کریں۔ ایسے مسلمان حاکم جو خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے خلاف حکم جاری کریں وہ من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون میں داخل ہیں، اور خدا اور رسول کے خلاف حکم جاری کرنے والوں کو قرآن پاک میں طاغوت فرمایا گیا ہے۔ اور طاغوت کی اطاعت حرام ہے۔ پس جو شخص ایسے حکام کو جو الٰہی شریعت اور آسمانی قانون کے خلاف حکم کرتے ہیں اولی الامر منکم میں داخل قرار دی وہ قرآن پاک کی نصوصِ صریحہ کی مخالفت کرتا ہے، انگریزی قانون کے ماتحت خلافِ شرع حکم کرنے والے خواہ غیر مسلم ہوں خواہ نام کے مسلمان ھوں طاغوت ہیں، اولی الامر میں کسی طرح داخل نہیں ہو سکتے۔ ان کو اولی الامر میں داخل کرنے والا یا مجنون ہے یا جاہل یا فاسق۔ اور ایسی حالت میں اس کو مقتدا بنانا اور امام مقرر کرنا ناجائز ہے۔ (کفایت المفتي جلد:۱، صفحہ ۱۳۹)

فقیہ العصر سیدنا و مولانا مفتي محمد فرید صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

کہ موجودہ حکمران شرعی الوالامر نہیں ہے، بلکہ منافق ہیں۔

سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ۲۵ سال سے مسلسل پاکستان کے لیڈر اسلامی آئین کے نفاذ کا وعدہ کرتے ہیں مگر ابھی تک کسی ایک نے بھی یہ وعدہ پورا نہیں کیا۔ اب آئندہ سال مارچ میں جو آئین نافذ ہو گا اس کے متعلق یہ وعدہ کرتے ہیں کہ ہم اسلامی آئین نافذ کریں گے۔ خدانخواستہ اگر اس دفعہ بھی آئین نہ بنا تو ان لیڈروں کے ساتھ اسلام کے اصولوں کے مطابق جہاد کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا المستفتی: مولوی ملک عجب خان صدر اتحاد قبائل درہ آدم خیل... ۱۹۷۲ء/۱۰/۲۵

الجواب: حقیقت یہ ہے کہ اکثریت اسلامی نظام نہیں چاہتی جیسا کہ انتخابات سے معلوم ہوا اور اسمبلی میں بھی ظاہر ہوتا جاتا ہے اگر اس دفعہ ان اسمبلی والوں نے اسلامی نظام قائم نہیں کیا تو ان منافقین کے ساتھ حسب استطاعت جہاد فرض ہو گا اور طریق کار کا تعین ابھی نہیں ہو سکتا۔ فقط (فتاوی فریدیہ، ج:۱، ص:۵۵۹و۵۵۹)

مولانا عبد الماجد دریا آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تفسیر ماجدی کے مولانا عبد الماجد دریا آبادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ جن لوگوں نے اس آیت **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ** سے غیر اسلامی حکومت کی اطاعت پر استدلال کیا ہے انہوں نے اپنی فہم سلیم پر بڑا ظلم کیا۔

أولو الأمر، خواہ وہ علماء وفقہاء ہوں یا امراء وحکام۔ بہر حال ان میں مستقل مطاع ہونے کی صلاحیت ذرا سی بھی نہیں، وہ مطاع صرف اسی حیثیت سے ہیں کہ احکام شریعت کے نافذ کرنے والے یا بعض جزئیات میں شرح کرنے والے ہیں۔ اس حد کے آگے ان کی کوئی اطاعت نہیں۔ (آیت) ”منکم“۔ اس تصریح کے ہوتے ہوئے اس آیت سے جن صاحبوں نے کسی غیر اسلامی حکومت کی اطاعت پر استدلال کیا ہے۔ انہوں نے اپنی فہم سلیم پر بڑا ظلم کیا۔

سیدنا ومولانا مفتی نظام الدین شامزئی صاحب شہید رحمہ اللہ اپنے فتویٰ میں رقم طراز ہیں:

اسلامی ممالک کے جتنے حکمران اس صلیبی جنگ میں امریکہ کا ساتھ دیا دے رہے ہیں اور اپنی زمین، وسائل اور معلومات ان کو فراہم کر رہے ہیں وہ مسلمان پر حکمرانی کے حق سے محروم ہو چکے ہیں، تمام مسلمانوں کو چاہئے کہ ان حکمرانوں کو اقتدار سے محروم کریں، چاہے اس کے لیے جو بھی طریقہ استعمال کیا جائے۔

موجودہ نظام حکومت کے حوالے سے حضرت اقدس مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کا موقف اور مفکر اسلام مولانا مفتی محمود رحمہ اللہ کی طرف سے اس کی تائید:

جیسا کہ ماہنامہ انوار مدینہ لاہور مارچ ۲۰۰۴ء سلسلہ نمبر ۶ قسط نمبر ۴ میں لکھا ہوا موجود ہے:

جہاں تک میں نے قرآن کو سمجھا ہے اس کے مطابق موجودہ نظامِ حکومت غیر اِسلامی ہے۔ اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے مطابق حکومت نہیں کرتے وہ کافر ہیں، وہ ظالم ہیں اور وہ فاسق ہیں۔ یہی سوال میں نے مفتی صاحب مرحوم سے عدالت کے سامنے پوچھا تھا اور انہوں نے جواب میں کہا کہ میں اس کو منافقت سمجھتا ہوں۔ موجودہ طرزِ حکومت کو کسی شکل میں اسلامی نظام نہیں کہا جا سکتا، نہ ہی چند اسلامی قوانین کا پیوند لگانے سے اسلامی نظام کہا جا سکتا ہے۔

فقیہ العصر مفتي اعظم مفتی رشید احمد لدھیانوي رحمہ اللہ احسن الفتاوی میں لکھتے ہیں:

جس ملک میں اگرچہ عملاً احکام اسلام کا نفاذ نہ ھو مگر تنفید احکام پر قدرت ھو وہ دار الاسلام ھے، اس معنی سے اسے اسلامی ملک بھی کہا جاسکتا ھے، مگر ایسے ملک کی حکومت کو اس وقت تک حکومت اسلامی نہیں کھا جاسکتا جب تک کہ وہ احکام اسلام کی تنفیذ نہ کرے۔(ج:٦، ص:٢١)

تحریکِ طالبان پاکستان انتظامی ڈھانچہ:

تحریکِ طالبان پاکستان پندرہ سے زائد اداروں پر مشتمل ایک منظم اور مربوط نظام کی حامل انقلاب اور جہادی جماعت ہے، جسکے رأس میں عمومی امیر « امیر تحریک طالبان پاکستان » حالیہ امیر مفتی نور ولی محسود)ابو منصور عاصم (حفظہ اللہ کے ساتھ جید علمائے کرام اور سیاسی ونظامی تجربہ رکھنے والے معمر حضرات پر مشتمل رہبری شوری ہے، جو تحریک کی پالیسیاں تشکیل دیتی اور تمام اداروں کی نگرانی کرتی ہے۔ رہبری شوری کی نگرانی میں کئ اہم ریاستیں کام کرتی ہیں، مثلاً سیاسی ریاست، اقتصادی ریاست، احتسابی ریاست، ریاست اطلاعات، ریاست معارف، ریاست فلاح وبہبود، ریاست استخبارات۔

ہر ریاست کی جانب سے چاروں زونوں میں ایک زونل عمومی رائیس مقرر ہوتا ہے، عمومی رئیس کی نگرانی میں ہر ولایت (اس وقت انتالیس ولایات فعال ہیں) میں ایک ولایتی رئیس منتخب ہوتا ہے، اور ہر رائیس کی ماتحتی میں ہر ولسوالی کی سطح پر ایک مدیر فعال رہتا ہے، اور ہر مدیر کے مختلف کارکنان متعلقہ ریاست کے امور میں معاونت انجام دیتے ہیں۔ اسی طرح تحریک کی سطح پر وزارت دفاع بھی قائم ہے جسکی سربراہی نائب امیر « محترم مفتی برجان صاحب حفظہ اللہ) کرہے ہیں۔ وزیر دفاع کی ماتحتی میں چار زونل نظامی کمیشنز فعال ہیں، ہر زون کا ایک سربراہ اور اسکے ساتھ جنگی تجربہ رکھنے والے افراد پر مشتمل ایک مظبوط نظامی کمیسیون ہوتا ہے اور ہر زون کے ماتحت تقریباًدس دس ولایات فعال ہیں، ہر ولایت کے رأس میں والی (گورنر) سمیت ولایتی امور میں تجربہ رکھنے والے افراد کا ایک ولایتی کمیسیون فعال ہوتا ہے، اور ہر والی کی ماتحتی میں ہر ولسوالی کی سطح پر ایک نظامی ولسوال اور ایک ملکی ولسوال کام کرتے ہیں، ہر ولسوال کی ماتحتی میں کئ ڈلگئ مشران اور سرگروپ جنگی امور آگے بڑھاتے ہیں۔

الغرض تحریک طالبان پاکستان ایک منظم اور مربوط نظام کے تحت اپنی جہادی سرگرمیاں انجام دے رہی ہے، ہر ماتحت ادارہ اور مسؤل مافوق ادارہ اور مسؤل کو جوابدہ ہوتا ہے، نیز ہر ریاست اور ادارے کے لیے ایک مستقل لائحہ اور اصول رھبری شوری کی طرف سے وضع کی گئی ہے، جسکی پابندی ہر ریاست اور ادارے کے لیے ضروری ہے۔

سال کے اختتام پر تمام اداروں کی کارکردگی اور ان کو دیے گئے اصول اور لوائح کا احتساب لیا جاتا ہے، اور احتسابی عمل کی تناظر میں اچھی کارکردگی والے مسؤلین اور زمداران کو برقرار رکھا جاتا ہے یا ان کو ترقی ملتی ہے جبکہ کمزور کارکردگی والوں کو معزول کرکے اس کی صلاحیت کے مطابق دوسرے ادارے میں لگا دیا جاتا ہے، اور یا مکمل طور پر مسؤلیت سے الگ رکھا جاتا ہے۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

چار جہادی سورتوں کا خلاصہ (درس قرآن)

جمع وترتیب: مفتی جلال الدین

سورۃ الانفال مدنیۃ

سورہ انفال جس کا دوسرا نام سورہ بدر بھی ہے

ما قبل سورتوں میں اللہ تعالی نے مختلف مذاہب والوں کا ذکر کیا مثلا سورہ بقرہ میں بنی اسرائیل / یہود کا سورہ آل عمران میں نصاری کا، سورہ نساء و مائدہ میں عرب کا، سورہ انعام میں مجوس اور سورہ اعراف میں بقیہ اقوام کو سورہ مایدہ و انعام میں اللہ تعالی نے اسلام کی حقانیت کے عقلی دلائل دیئے اور سورہ اعراف میں نقلی دلائل دیئے۔

ربط حکمی:

جب ان کو اسلام کی دعوت دے دی گئی تو واضح تھا کہ یا تو یہ اسلام قبول کریں گے یا انکار کریں گے، دونوں صورتوں کے احکام اللہ تعالی نے اس سورت مبارکہ میں بیان فرمادیئے یعنی جنگ کے احکام اگر یہ نہ مانیں تو جہاد کرو اور ان کی شان و شوکت توڑ کر رکھ دو اور اگر اسلام لے آئیں یا ہتھیار ڈالدیں تو صلح کے احکام بھی بیان فرمادیئے۔

ربط اسمی:

ما قبل میں اللہ تعالی نے اعراف کا ذکر کیا کہ تمہیں وہاں سے نکال کر جنت لے جاؤں گا بشرطیکہ اب تم جہاد کرو اور مال آجائے تو شرعی طریقے سے تقسیم کرو۔

کیونکہ یہ سورت غزوہ بدر کے بعد نازل ہوئی تو اس میں مجاہدین کی صفات، جہاد کے اصول کو بھی اللہ تعالی نے بیان فرمایا۔

پہلے ہم مختصرا پچھتر آیات میں مضامین جہاد کا خلاصہ بیان کرتے پھر آخر میں ان شاء اللہ مختصر تفسیر بیان کریں گے۔

آیت ۱ جہاد میں کامیابی کا پانچ نکاتی نصاب

آیت ۲،۳،۴ ایمان والے مجاہدین کی پانچ صفات

آیت ۵ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کے حق کام کے لئے گھر سے نکالا اور میدان بدر پہنچایا۔

آیت ۶ کچھ لوگوں کو یہ حق کام سمجھ نہیں آرہا تھا۔

آیت ۷ اللہ تعالیٰ نے حق کو غالب کرنے اور کافروں کی جڑ کاٹنے کے لئے مسلمانوں کا مقابلہ مشرکین مکہ کے طاقتور لشکر سے کرایا۔

آیت ۸ جہاد کے ذریعہ اسلام کا حق ہونا اور کفر کا باطل ہونا سب کے لئے ظاہر ہو جاتا ہے۔

آیت ۹ مسلمانوں نے بدر کے دن اللہ تعالیٰ سے نصرت کی فریاد کی تو اس نے فریاد قبول فرمالی اور فرشتوں کو نازل کرنے کا وعدہ فرمایا۔

آیت ۱۰ مجاہدین کا اصل مدد گار تو صرف اللہ تعالیٰ ہے فرشتوں کا نازل ہونا محض خوشخبری اور دلوں کی مضبوطی کے لئے تھا۔

آیت ۱۱ غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ نے بارش اور غنودگی کے ذریعہ مجاہدین کی خاص نصرت فرمائی۔

آیت ۱۲ مجاہد فرشتے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی تربیت ۔ فرشتوں کا مجاہدین کے دلوں کو مضبوط کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا کافروں کے دلوں کو رعب میں جکڑ لینا۔

آیت ۱۳ مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے کفار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور مخالف ہیں۔

آیت ۱۴ جہاد کے ذریعہ کافروں کو اللہ تعالیٰ کا عذاب چکھایا جاتا ہے جب کہ جہنم کا اصل اور سخت عذاب ان کے لئے آگے تیار ہے۔

آیت ۱۵ میدانِ جہاد سے مقابلے کے وقت پیٹھ پھیر کر بھاگنا حرام ہے۔

آیت ۱۶ جنگی حکمت عملی کے تحت یا کمک لینے کے لئے وقتی طور پر میدان سے پیچھے ہٹنا جائز ہے۔ اس کے علاوہ ہٹنا اللہ تعالیٰ کے غضب کو آواز دینا ہے۔

آیت ۱۷ جہاد کے دوران کافروں کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے جو نقصان پہنچتا ہے وہ حقیقت میں خود اللہ تعالیٰ کافروں کو پہنچاتا ہے۔ تا کہ وہ مسلمانوں کو اپنا عظیم احسان عطاء فرمائے۔

آیت ۱۸ اور اللہ تعالیٰ ہی کافروں کی قوت، سازش اور تدبیر کو کمزور فرما دیتا ہے۔

آیت ۱۹ اللہ تعالی ایمان والوں کے ساتھ ہے اور کافروں کے لشکر ان کے کچھ کام نہیں آئیں گے۔ غزوہ بدر نے یہ بات سمجھا دی ہے اور فیصلہ کر دیا ہے۔ اے مشرکو! اب تو باز آجاؤ ، ایمان لے آؤ، ورنہ تمہارا مستقبل تاریک ہے۔

آیت ۲۰ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو اچھی طرح سے سنو، انہیں دل سے قبول کرو اور اپنے عمل میں لاؤ خصوصا حکم جہاد کو۔

آیت ۲۱ ان منافقوں اور یہودیوں کی طرح نہ بنو جو کانوں سے سنتے ہیں مگر دل میں نہیں اتارتے اور عمل میں نہیں لاتے۔

آیت ۲۲ دین اسلام کی بات نہ سننے ، نہ سمجھنے اور نہ قبول کرنے والے کافر جانوروں سے بدتر ہیں۔

آیت ۲۳ اب ان میں حق قبول کرنے کی صلاحیت ہی ختم ہو چکی ہے (اگر ایسے لوگ جہاد میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں تو کیا افسوس ہے؟)

آیت ۲۴ جہاد میں مسلمانوں کے لئے زندگی ہے۔ جہاد کا حکم جلد پورا کرو ایسا نہ ہو کہ تقدیر یا موت حائل ہو جائے ، جہاد میں کچھ بھی قربان کرنے سے نہ گھبراؤ کیونکہ دنیا ہر حال میں چھوڑنی ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔

آیت ۲۵ جہاد چھوڑنے اور نہی عن المنکر چھوڑنے کے گناہ سے بچو کہ اس کا وبال سب پر پڑتا ہے اور اللہ تعالی کی سخت سزا کو یاد رکھو۔

آیت ۲۶ اپنی کمزوری اور قلت کا خیال کر کے اللہ تعالیٰ کا حکم جہاد ماننے میں سستی نہ دکھاؤ۔ ماضی میں اللہ تعالیٰ نے تمہاری کیسی زبردست نصرت فرمائی اس کو دیکھو۔

آیت ۲۷ ایمان والے مجاہدین کے ذمہ ہے کہ وہ اپنے اندر صفت امانت پیدا کریں اور ہر طرح کی انفرادی و اجتماعی خیانت سے بچیں۔

آیت ۲۸ مال اور اولاد کی خاطر اللہ تعالیٰ کے عظیم اجر سے محروم ہونا بڑی غلطی اور امتحان میں ناکامی ہے۔

آیت ۲۹ تقویٰ اختیار کرو گے تو اللہ تعالی تمہیں نصرت ، غلبہ ، امتیازی شان اور قوت فیصلہ عطاء فرمائے گا اور تمہاری غلطیوں اور گناہوں پر اپنی مغفرت کے پردے ڈال دے گا، یعنی اپنے مال و اولاد کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر ترجیح نہ دو۔

آیت ۳۰ اللہ تعالیٰ کی تدبیر کافروں کی سازشوں اور تدبیروں سے بہت طاقتور ہے۔ مشرکین مکہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی اللہ تعالیٰ نے ان کی سازش کو ناکام بنا دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بچالیا۔ (واقعہ شب ہجرت) کفار مسلمانوں کی قیادت کو ختم کرنا چاہتے ہیں اور وہ ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں۔

آیت ۳۱ مشرکین قرآن پاک کے دشمن اور مخالف ہیں۔ غزوہ بدر نے قرآن پاک کی حقانیت ان پر واضح کر دی ہے، وہ ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دشمن ہیں اور دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی دشمن ہیں۔

آیت ۳۲ غزوہ بدر سے پہلے مشرکین مغالطے میں تھے اور اس قدر ضد میں تھے کہ اپنے اوپر عذاب کی بد دعائیں کرتے تھے۔

آیت ۳۳ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود اور استغفار عذاب سے بچنے کے دو ذریعے ہیں۔

آیت ۳۴ مشرکین مکہ مسجد حرام سے روکنے کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہیں، اور مسجد حرام پر اصل حق مشقی مسلمانوں کا ہے۔ (فتح کی بشارت)

آیت ۳۵ جو لوگ کعبہ شریف میں عبادت کے نام پر سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں ایسے لوگوں پر جہاد کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا عذاب آنے والا ہے۔

آیت ۳۶ کفار اپنا مال اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خرچ کرتے میں اور آئندہ بھی کرتے رہیں گے، مگر ان کے ہاتھ حسرت اور مغلوبیت کے علاوہ کچھ نہیں آئے گا۔ کافروں کا مال ان کا جنگی ہتھیار ہے۔ وہ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے خلاف وسیع اقتصادی جنگ چھیڑتے ہیں۔

آیت ۳۷ کافروں کو مسلمانوں کے خلاف مال خرچ کرنے کی طاقت اس لئے دی جاتی ہے تاکہ دنیا و آخرت میں پاک اور ناپاک الگ الگ ہو جائیں اور ناپاک کو جمع کر کے اس کی ڈھیری بنا کر جہنم میں ڈال دیا جائے۔ جہاد میں خرچ ہونے والے اموال پاک اور اسلام کے خلاف خرچ ہونے والے اموال ناپاک ہیں۔ جہاد کرنے والے پاک اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے اور ان کا ساتھ دینے والے ناپاک ہیں۔

آیت ۳۸ کافروں کے لئے اسلام کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ مسلمان ہوتے ہی پچھلے سارے گناہ معاف۔ اور اگر وہ مسلمانوں سے لڑنا چاہتے ہیں تو پھر غزوہ بدر اور ماضی کے دشمنانِ اسلام کا انجام یاد رکھیں۔

آیت ۳۹ ان کافروں سے برابر لڑتے رہو یہاں تک کہ ان کی قوت و شوکت ختم ہو جائے اور دین اسلام سب ادیان پر غالب آجائے اور اسلام اور قرآن نافذ ہو جائے۔ اگر وہ کفر سے باز آجائیں تو ان سے قتال نہیں۔

آیت ۴۰ کفار اگر شرارت اور جنگ سے باز نہیں آتے تو مسلمانوں کو گھبرانے کی اور بزدلی دکھانے کی ضرورت نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر جہاد جاری رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کا مولی، حمایتی اور بہترین مددگار ہے۔

آیت ۴۱ جہاد کے دوران کافروں سے چھینے ہوئے اموالِ غنیمت کی تقسیم کا شرعی قانون۔

آیت ۴۲ غزوہ بدر میں ناہموار حالات کے باوجود مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے فتح عطاء فرمائی تاکہ حجت تام ہو جائے۔ اور مسلمانوں کی فتح اور دین کے غلبے کا جو فیصلہ ہو چکا تھا اسے پورا کر دیا جائے۔

آیت ۴۳ غزوہ میں ایک خاص نصرت یہ ہوئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دشمن تھوڑے دکھائے گئے ۔اس سے مسلمانوں کو بہت فائدہ ملا۔

آیت ۴۴ غزوہ بدر کے آغاز میں مسلمانوں اور مشرکوں دونوں کے لشکر ایک دوسرے کو کم تعداد والے نظر آئے اس سے مسلمانوں کو بہت سے جنگی فوائد حاصل ہوئے۔

آیت ۴۵ جہاد میں یقینی کامیابی کے نسخے ثابت قدمی سے لڑو۔ بہت کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔

آیت ۴۶ جہاد کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرو
اپنے امیر سے اور آپس میں ایک دوسرے سے نزاع نہ کرو ورنہ کم ہمت ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔
اپنے اندر صفت صبر پیدا کرو کہ اللہ تعالیٰ صابرین کے ساتھ ہے۔

آیت ۴۷ فخر، غرور، نمائش بازی، ریاکاری اور دین دشمنی سے بچو کیونکہ یہ سب شکست کے اسباب ہیں۔

آیت ۴۸ غزوہ بدر میں شیطان کی آمد اور اس کی ذلت آمیز پسپائی۔

آیت ۴۹ غزوہ بدر کے موقع پر منافقین کا مجاہدین کو طعنہ اور قرآن پاک کا جواب۔

آیت ۵۰ جو کافر مسلمانوں کے مقابلے میں نکلے فرشتوں نے مار مار کر ان کی روح سختی کے ساتھ قبض کی اور جہنم کی وعید

سنائی۔

آیت ۵۱ اللہ تعالی کسی کو بے جرم سزا نہیں دیتا کافروں کو یہ سزا ان کے کرتوتوں کی وجہ سے مل رہی ہے۔ (دشمنان اسلام سزا کے مستحق ہیں)

آیت ۵۱ کافروں کو سزا دینے کا یہ دستور پہلے سے چلا آ رہا ہے فرعون اور اس کے ساتھیوں کو بھی اسی طرح جکڑا گیا۔ (دشمنان دین سزا کے مستحق ہیں)

آیت ۵۳ جب نیت اور حالت خراب ہو جاتی ہے تو نعمت چھین لی جاتی ہے۔ (دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کے مقابلے میں آکر اپنی حالت کو خراب تر کر لیا ہے)

آیت ۵۴ جیسے فرعونیوں نے اپنی نیت اور حالت کر خراب تر کیا تو غرق کر دیئے گئے۔

آیت ۵۵,۵۶,۶۷ اہل کتاب کے مقابلے میں جہاد۔ جو لوگ ہمیشہ کیلئے کفر اور بے ایمانی پر ڈٹ گئے ہیں۔

اور بالکل بے خوف ہو کر بار بار اپنا عہد توڑتے ہیں، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین جانور ہیں، اگر یہ میدان جنگ میں آپ کے ہاتھ آجائیں تو ان کو ایسی سخت سزا دیجئے جسے دیکھ کر ان کے پیچھے رہنے والے یا ان کے بعد آنے والی نسلیں بھی عبرت حاصل کریں اور عہد شکنی کی کبھی جرات نہ کر سکیں۔

آیت ۵۸ کفار سے معاہدہ ختم کرنے کا طریقہ۔ اور خیانت سے بچنے کی سخت تاکید۔ (احکام جہاد)

آیت ۵۹ جنگ میں مسلمانوں سے بچ کر جانے والے کافر یہ گمان نہ کریں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ جائیں گے۔

آیت ۶۰ کافروں سے لڑنے کے لئے ہر طرح کی جنگی تیاری کرو، اس سے دشمنوں پر دہشت پڑے گی، اور جہاد اور اس کی تیاری میں تم جو کچھ خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دنیا و آخرت میں دیا جائے گا۔

آیت ۶۱ کفار کی طرف سے صلح کی پیشکش آئے تو قبول کی جاسکتی ہے۔

آیت ۶۲,۶۳ اگر کفار صلح کے نام پر آپ کو دھوکا دینا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کے لئے کافی ہے، اس نے پہلے بھی (غزوہ بدر میں) آپ کو اپنی خاص نصرت اور ایمان والوں کے ذریعے قوت عطاء فرمائی تھی اور اس نے اپنی غالب قدرت اور حکمت کے ساتھ آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں کو جوڑ دیا تھا حالانکہ زمین کے تمام خزانے خرچ کر کے بھی یہ کام نہیں کیا جا سکتا تھا۔

آیت ۶۴ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ آپ کے لئے اور آپ کی اتباع کرنے والے مسلمانوں کے لئے کافی ہے۔

آیت ۶۵ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایمان والوں کو قتال فی سبیل اللہ پر خوب ابھاریئے۔ مسلمانوں کو اپنے سے دس گناہ لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا لازم ہے۔

آیت ۶۶ اب اس حکم میں نرمی کر دی گئی ہے چنانچہ مسلمانوں کے لئے اپنے سے دوگنا لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا لازمی ہے۔

آیت ۶۷ غزوہ بدر کے قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑنے پر مسلمانوں کو سخت تنبیہ اور اس کی وجوہات (مجاہدین کی توجہ جہاد کے کسی مرحلے میں بھی مال کی طرف نہیں جانی چاہیے) (اسلام کی قوت اور کفر کی ذلت کے لئے ان سب مشرکوں کو قتل کر دینا چاہئے تھا)

آیت ۶۸ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے معافی کا فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو فدیہ کے لینے کی وجہ سے تم پر بڑا عذاب نازل ہو جاتا۔

آیت ۶۹ اب معافی ہو گئی ہے مالِ غنیمت اور فدیہ کا مال تمہارے لئے حلال اور پاکیزہ ہے۔

آیت ۷۰ قیدیوں میں سے جو مسلمان ہو جائیں گے ان کے لئے دو وعدے اور بشارتیں۔

آیت ۷۱ اگر یہ قیدی دھوکہ دیں گے تو دوبارہ برے انجام سے دوچار ہوں گے، اللہ تعالی علیم و حکیم سے یہ نہیں چھپ سکتے۔

آیت ۷۲ مہاجرین اور انصار ایک دوسرے کے رفیق و معاون ہیں اور ہجرت نہ کرنے والے مسلمان تمہارے وارث نہیں ہیں۔ اسلامی جماعت اور اسلامی برادری کی بنیاد ایمان، ہجرت ، نصرت اور جہاد پر ہے۔

آیت ۷۳ کافر ایک دوسرے کے مدد گار ہیں اگر مسلمان ان کے مقابلے میں اسلام کی بنیاد پر متحد اور ایک دوسرے کے مدد گار نہ ہوئے تو زمین میں فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا۔

آیت ۷۴ ایمان ہجرت ، نصرت اور جہاد کرنے والے ہی حقیقی مسلمان ہیں ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی۔

آیت ۷۵ بعد میں مسلمان ہونے والے اگر ہجرت اور جہاد کر لیں تو وہ بھی حقیقی مسلمان ہیں باقی رہی میراث تو وہ اب رشتے داروں کا حق ہے۔

اگر اس سورت کا خلاصہ نکالا جاے تو درج ذیل امور اللہ تعالی نے بیان فرمائے ہیں۔

اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری۔

اتحاد و اتفاق

اصلاح معاشرہ

جہاد فی سبیل اللہ

جہاد میں آزمائش و امتحان

فتح نصرت و دیگر انعامات کا ذکر جو اللہ نے جہاد کے ساتھ مشروط کیے ہیں۔

صلح کے احکام

مسلمانوں کے حقوق خواہ وہ کسی رنگ و نسل کے ہوں ہجرت کی ترغیب۔

نیت کی درستگی اور فرمانبرداری

سورت کی ابتدا انفال کے سوال سے ہوتی ہے انفال کہتے ہیں اضافی چیز کو کیونکہ جہاد میں اصل اطاعت ہے، خواہ فتح ہو یا نہ ہو، اسلیے اللہ تعالی نے فتح کے وعدے کو بھی سورہ صف میں « اخری » کہا ہے ایسے ہی غنیمت بھی ایک اضافی چیز ہے اصل مقصود نہیں ہے۔

سورہ انفال کو باعتبار مضامین دو حصوں میں مفسرین نے تقسیم کیا ہے۔

اول: ابتدا سے نویں پارے کے آخر تک اور دوسرا دسویں پارے کے شروع سے سورت کے آخر تک

پہلے حصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنی سوچ، سمجھ، جھکاؤ کو ترک کر کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللی علیہ وسلم کے طریقے پر چلو اور غنایم کو شریعت کے مطابق تقسیم کرو اور پھر اسکی علتیں بیان کیں۔

دوسرے حصہ کا خلاصہ یہ ہیکہ اللہ کے راستے میں جہاد کرو اور اس کے قوانین ذکر ہیں

ان کو اس سورت کا دعوی بھی کہہ سکتے ہیں

سورہ انفال سے مجاہدین کے لیے ملنے والے اسباق:

پہلا سبق اس سورت مبارکہ سے جو ملتا ہے وہ توحید اور اطاعت ہے

لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انفال کے بارے میں پوچھتے ہیں تو بتا دیجیے کہ انفال اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہے۔

کیونکہ غزوہ بدر پہلا باقاعدہ جنگ تھی تو غنیمت کے متعلق مختلف آراء سامنے آئیں، کیسے تقسیم ہو کس کس کو تقسیم ہو وغیرہ۔

کیونکہ ایک گروہ براہ راست مشرکین سے لڑا ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی بناء پر پیچھے رہا جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ایک گروہ نے بھاگتے مشرکین کا پیچھا کیا / نظر رکھی کہ واپس نا پلٹیں اور ایک نے غنیمت جمع کی۔

یہاں عجیب بات یہ ہیکہ اللہ تعالی چاہتے تو ابتدا میں ہی غنیمت کے احکام بتادیتے کے کس کو کتنی ملے گی جیسا کہ آگے اللہ تعالی نے بیان کیا ہے، لیکن شروع میں اللہ تعالی نے یہ کہہ کہ « الانفال للہ والرسول » ایک مجاہد اور مسلمان کو متنبہ کر دیا کہ یہ اصول ذہن میں جذب کرلیں کہ اپنی آراء، سمجھ، جھکاؤ کو اللہ اور اس کے رسول کے تابع بنایا جائے خواہ حکم جو بھی ہو حق میں آئے یا خلاف، آپ کی آراء کے مطابق ہو یا مخالف ، آپ نے شریعت کے آگے سر تسلیم خم کرنا ہے، یہی ایک مجاہد في سبیل اللہ کی سب سے پہلی شرط ہے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کئی لوگ جو جہاد سے محروم ہوے ان کا سبب ہی اللہ کی شریعت کو پس پشت ڈالنا تھا، اپنی منصوبہ بندیوں، اپنے دماغ اپنے تجربے پر اتنا ناز تھا کہ کئی تو جہاد ہی سے انکار کر بیٹھے اور کئی ذاتی دوستی و دشمنی کو قربان نا کرسکے جن کے خلاف جہاد فرض تھا انہی سے نصرت کی امید لگائے بیٹھے رہے نتیجتا ناہند ملا نا فلسطین بلکہ اپنی سرزمین بھی تنگ کردی گئی اور ہزاروں مخلص نوجوانون کے لہو سے خیانت اپنی جگہ۔

اس سب میں اللہ تعالی کی شریعت کہاں تھی؟

لہذا ہر مجاہد کو ہمیشہ خود احتسابی کرتے رہنا چاہیے کہ وہ کیوں لڑ رہا ہے آیا اللہ تعالی کا پرچم سربلند کرنا مقصود ہے یا ذاتی و قومی عصبیت ہے یا کوئی اور وجہ۔

عجیب بات یہ ہے کہ ہم جہاد اللہ کے طریقے کے مطابق کرتے، لیکن اس بات پر بھی متوجہ رہنا چاہیے کہ اصل مقصد تو رب تعالی کا قانون نافذ کرنا ہے، کہیں فتح کے بعد ہم اس مقصود اصلی سے روگردانی نہ کر بیٹھیں۔

امام ابن تمیہ رح فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاد کے ساتھ عموما في سبیل اللہ کی قید کثرت کے ساتھ لگائی گئی ہے بالمقابل دوسری عبادات کے اس کی وجہ یہ ہیکہ جہاد تو بہت سے لوگ شروع کرتے ہیں لیکن کئی پھر في سبیل اللہ سے ہٹ کر في سبیل الطاغوت) العصبیت / قوم پرستی اور مال کا) رخ کر لیتے ہیں۔

تقوی و اصلاح اعمال:

یہاں اللہ تعالی بتلا رہے ہیں کہ در حقیقت تو تم بدر جاہی نہیں رہے تھے تم تو قافلہ کی طرف جارہے تھے یہ میں تھا جس نے ان دو لشکروں کو آمنے سامنے کرایا کہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ظاہر ہو جائے۔ وگرنہ اسباب کی دنیا میں نا کبھی قریش مکہ سارے کے سارے آمادہ ہوتے نا مسلمان نکلتے، یہ بظاہر حادثاتی طور پر آمنے سامنے آگئے اور تم میں سے ایک گروہ تو لشکر کی طرف نکلنے کو ناپسندیدہ سمجھ رہے تھے (یہاں کراہت سے مراد طبعی کراہت ہے جو انسان کی فطرت ہے تبھی جہاد پر ثواب ہے یہاں سے عقلی یا اعتقادی کراہت مراد نہیں جو انسان خود پیدا کرتا ہے) لہذا یہ جہاد کی توفیق بھی میری طرف سے ہے اور غنایم بھی لہذا میرے بتلائے ہوئے طریقے سے تقسیم کرو۔

ایک لطیف نکتہ:

اللہ تعالی نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہم نے خواب میں تعداد کم دکھائی تم کو بھی اور کافروں کو بھی تاکہ دونوں جنگ پر آمادہ ہو جایں (مخالف کو کم دیکھ کر)۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ خواب سچا بھی ہو تو اسکی بعینہ وہی تعبیر جو کہ خواب میں ہو ضروری نہیں کیونکہ ماضی میں ایسے واقعات ہوئے کہ کسی کے خواب میں آیا کہ فلاں جاسوس ہے فلاں منافق ہے اور لوگ واقعاتا سمجھنے لگ گئے لہذا خواب کی تعبیر کسی مستند عالم سے کرائی جائے اور اسے دلیل قطعی نا سمجھا جائے۔

اور ساتھ اللہ تعالی نے تقوی و اطاعت کی شرائط ذکر کیں کہ حقیقی مومن و مجاہد وہی ہے جو تقوی اختیار کرے اور اللہ تعالی کی نازل کردہ شریعت کا فرمانبردار ہو۔

جیسے نماز روزہ زکوۃ و حج کے لیے مخصوص شرائط و احکامات ہیں ان کے مطابق یہ عبادات ادا کی جائیں تو عند اللہ مقبول

ہیں ایسے ہی محض ہتھیار اٹھالینے سے یا جنگ لڑنے سے کوئی مجاہد فی سبیل اللہ نہیں بن جائے گا بلکہ مجاہد فی سبیل اللہ وہ ہو گا جو شریعت کے احکام کی پابندی کرے گا۔

مجاہد کی صفات:

اللہ تعالی نے جو صفات بیان کی ہیں وہ ایک عام مسلمان میں عموما اور ایک مجاہد فی سبیل اللہ میں خصوصا ہونی چاہئیں اور وہ ہے آپس میں صلح رحمی (کیونکہ اختلاف، جھگڑا، ظلم یہ وہ باتیں ہیں جو نہ صرف ایک مجاہد کو فی سبیل اللہ سے ہٹا کر فی سبیل الطاغوت بناتی ہیں بلکہ جہاد کی بدنامی کا بھی سبب بنتی ہیں۔)

اللہ تعالی کی آیات سن کر ڈر جانا یہ وہ مطلوب ہے جو ایک مجاہد کے لیے ضروری ہے کہ کبھی بھی اپنے آپ کو شتر بے مہار نہ سمجھے چنانچہ امام احمد بن حنبل رح کے متعلق آتا ہے کہ مغرب کی اذان ہوئی اور کسی نے کہا نفل نماز کیوں نہیں پڑھتے ؟

آپ نے اٹھ کر ادا کر لیں بعد میں لوگوں نے سوال کیا کہ آپ کے نزدیک تو یہ نہ پڑھنا مستحب ہے پھر کیوں پڑھیں تو آپ نے جواب دیا کہ میں اس آیت کا مصداق نہ بن جاؤں کہ جب نماز کے لیے بلاتے ہیں تو سستی کرتے ہیں۔

اللہ تعالی نے خود قرآن مجید میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث مبارکہ میں کئ جگہوں پر اتحاد و اتفاق کی ترغیب دی ہے۔

(لہذا فروعی مسائل میں نا عوام کو الجھائیں نہ اپنی آراء مسلط کریں اور ان مسائل کو علماء کرام کے لیے چھوڑ دیں تشکیلات میں جا کر عوام پر کفر، بدعتی کے فتوے لگانا انتہائی نا مناسب عمل ہے حال ہی میں ان مسائل میں غلو کی وجہ سے مدارس کا حصہ بھکرا ہوا اگر ان مسائل میں غلو اور تکفیر میں جلد بازی کو نہ روکا گیا تو نقصان ہماری سوچ سے بھی زیادہ ہونا ہے لہذا ان فروعی مسائل سے جتنا ہو سکے دور رہیں بالخصوص جہاد اور عوام میں تو ان پر بحث مباحثہ زہر قاتل ہے)

امام ابن جوزی اپنی کتاب تلبیس ابلیس میں لکھتے ہیں کہ شیطان کا پہلا وار تو اطاعت سے محروم کرنا ہوتا ہے لیکن جب وہ اس میں ناکام ہو جاتا ہے تو عبادت میں فساد کی کوشش کرتا ہے چنانچہ شیطان مجاہد کو اللہ کی رضا کے بجائے ریاکاری پر اکساتا ہے۔

تو آج بھی شیاطین جن ہوں یا شیاطین انس جو بھی آپ کو جہاد کے شرعی مقصد کے بجائے قومیت، عصبیت، لسانیت کی طرف پھیرے وہ ہرگز آپ کا خیر خواہ نہیں، آپ کا دشمن جان چکا ہے کہ وہ میدان میں آپ کو شکست نہیں دے سکتا، لہذا وہ اب آپ کو دنیاوی آسائش، آزادی و ترقی وغیرہ کے خواب دکھلا کر جہاد سے پیچھے ہٹنے کا لالچ دے تو یہ آپ کا ہرگز خیر خواہ نہیں اللہ تعالی نے آج الحمدللہ امارت، آزادی، فتح دی ہے تو اس جہاد کی بدولت جو تمام دنیا کی مخالفت لیتے ہوئے جاری رکھا گیا اس میں ہر بیوہ و بے آسرا ماں بہن کے آنسو بطور ایندھن قربان ہوئے ہیں، ان سے بے وفائی کر کے اور جہاد کو شرعی منہج سے ہٹا کر خسر الدنیا والآخرہ کا مصداق ہی باقی بچتا ہے۔

تیاری جہاد:

اللہ تعالی نے اس سورت میں ایک حکم جہاد کی تیاری کا بھی دیا ، مفسرین لکھتے ہیں کہ جب بدر کا اعلان ہوا تو کچھ لوگوں نے کہا ہمارے گھوڑے شہر سے باہر اصطبل میں ہیں کیا انہیں لے آئیں (لیکن وقت لگے گا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا کہ جلدی نکلنا ہے جو تیار ہے بس اسے لیکر نکلو۔

اس پر یہ آیت آئی کی اس دفعہ تو معاف ہے لیکن آیندہ جہاد کی تیاری پوری رکھو۔

ایک مجاہد کی تیاری کے لیے ضروری ہے جہاں وہ جتنا ممکن ہو اسلحہ تیار رکھے وہیں روحانی تیاری بھی پوری رکھے، دشمن

صرف اسلحہ لے کر نہیں آپ پر حملہ آور بلکہ وہ کئی اور راستوں سے بھی نقب لگانے کی کوشش کرتا ہے وہ اس کے زرخرید درباری غلام مولوی ہوں یا آپ کے شرعی جہادی تحریک کو قوم پرستی کے طرف ابھار کر اہل دین اور باقی عوام سے آپ کو کاٹنے کی کوشش کرے ، ان سب الزامات و پروپیگنڈا کا جواب و تیاری انتہائی ضروری ہے وگرنہ غفلت کی بنا پر خود آپ کی صفوں میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو دشمن کے بیانیہ پر چل پڑیں گے لہذا سب سے پہلے یہ ہم سب کی ذمہ داری ہے کہیں بھی کسی مجلس میں ایسی بات ہو جو شرعی اصول سے متصادم ہو تو فورا اسے روکیں اور اصلاح کریں۔

اصلاح اور صلح یہ آپس میں رہیں تو معاشرہ ایک حقیقی اسلامی معاشرہ بنتا ہے وگرنہ جہاد فی سبیل اللہ سے ہٹ کر فساد کی طرف جاتے ہوے ماضی میں سیاف وغیرہ کا انجام تو ہم نے دیکھا ہے اور حال ہی میں داعشیون کا حال بھی آپ کے سامنے ہے۔

جہاد کے اصول:

آگے اللہ تعالی جنگ کے اصول بتلاتے ہیں کہ پیٹھ نا پھیرو۔ جس جہاد و جنگ کا سودا کیا ہے اپنے جان کے عوض اب اس کو بچانے کی فکر میں نا رہو، یہی وہ فداکاری و جانفشانی ہے جس سے آپ کا دشمن خوف کھاتا ہے ایک مجاہد بغیر کسی حساب کتاب کے جنگ میں کود پڑتا ہے اس کے مقابل مادی دنیا کا غلام فوجی محض تنخواہ کی خاطر آپ کے مقابل آتا ہے لہذا جب جنگ چھڑے تو بزدلی و خوف کو پس پشت ڈال کر آگے بڑھیں، جو زندگی اللہ تعالی نے لکھدی ہے وہ ہرگز کم نہ ہو گی نہ بڑھے گی۔

اور یہ ڈرون یہ بمباری یہ چھاپے ہرگز آپ کے مقصد و جہاد میں کمی نہ لا سکے یہی دشمن ایک دن آپ کے سامنے ذلیل و رسوا ہو کر گرے گا۔ ان شاء اللہ۔

اللہ تعالی کے جہاد میں انعامات:

نصرت

جیسا کہ ما قبل میں ذکر ہوا کہ ہماری جنگ محض اللہ تعالی کی رضا اور اس کے احکامات کے لیے ہے ہمیں تو شکر گزار ہونا چاہیے کہ اللہ تعالی نے ہمارے دشمن کو اپنا دشمن بنایا، دیں کا دشمن بنایا اور آپ کو اپنا انصار بنایا وگرنہ اللہ تعالی بے نیاز ذات ہے اس کو کیا کس ضرورت وہ روس یوکرائن کی طرح انہیں آپس میں لڑوا دیتا لیکن اللہ تعالی نے آپ کا انتخاب کیا اور آپ کو وہ فضل و انعامات اس کے بدلے عطاء کیے کہ قرآن وحدیث بھرے پڑے ہیں ، آپ کا جاگنا عبادت، سونا عبادت، فرشتے آپ لے لیے دعا گو، قبر کی آزمائش سے چھٹکارا، محشر کی سختی سے چھٹکارا اور بعض مفسرین کے نزدیک تو کلیتا شہید کو اللہ قیامت سے پہلے شہید ہوتے ہی جنت میں داخل کر دیتا ہے۔

سوچا جائے تو لڑنا تو تھا ہی ہم نے جو ہمارے گھر بار اولاد کا دشمن ہو اس سے لڑائی تو لامحالہ کرنی تھی لیکن اللہ تعالی نے یہ سعادت بخشی کے ہمیں مقدس جہاد سے متعارف کرایا وگرنہ لڑ تو ساری دنیا رہی ہے ایک دوسرے سے۔

صلح کے احکام:

جہاں اللہ کہیں رک جاؤ وہاں رک بھی جائیں۔

اسلیے اللہ تعالی نے صلح کے احکام بھی بتلایئے ۔ اللہ تعالی نے شرعی امیر کو یہ اختیار دیا ہے کہ جو اسلام کے حق میں ہو وہ اختیار کرے جنگ یا صلح ،لہذا جب امیر روک دے یا امیر دشمن اور میدان بدل لے تو ہمیں بھی چاہیے سر تسلیم خم کریں اور اپنا ذاتی غم و غصہ امراء پر ناں نکالیں۔ اور ہر چلتی بات پر جیب سے رائے نکال کر نہ پیش کریں بلکہ کئی دفعہ خاموشی ہی بہتر ہوتی ہے ۔ اللہ تعالی نے صلح حدیبیہ کو بھی

فتح مبین کہا اس کی حکمتیں اللہ تعالی ہی جانتے تھے لہذا جب تک امیر شرعی اصولوں پر قائم ہو خامخواہ اس سے متنفر نہ ہوں وگرنہ مشاہدہ یہی ہے کہ جہاں جہاں تنظیموں وامراء کی کثرت ہوئی جہاد کمزور ہی ہوا اور جہاں اللہ تعالی نے وحدت عطاء کی وہاں کچھ ہی وقت میں وہ وہ اہداف حاصل ہوئے جن کا کسی کو یقین بھی نہ تھا۔ لہذا ہماری اپنی صفوں میں کوئی سرکاری دوروں، معادات کا مذاق نہ بنانے پائے بلکہ اس چیز کو سمجھا جانا چاہیے کیوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام بطور سفیر پیش کیا، کیا معاذ اللہ وہ وہاں ایک دوسرے کو لعن طعن کر کے پہنچے تھے مصافحے ہوے ہونگے معانقے بھی ہوے ہونگے، ان کا نام بھی اسی لیے پیش کیا گیا تھا کہ ان کا خاندان وہاں موجود تھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مشکل وقت میں اپنے خاندان سے حمایت لے سکتے تھے۔ یہ سب سیرت کا حصہ ہے چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے سرداروں کا خیال کیا کرتے تھے انہیں ہانک کر بھگا نہیں دیتے تھے حتی کے فتح مکہ کے دن بھی آپ نے اسکا لحاظ کیا لہذا ریاست کو اپنی گلی نہ سمجھیں جب چاہے فلاں کو بھگادے فلاں سے سفیر واپس بلالے فلاں پر چڑھائی کردے یہ سب ریاستی امور ہیں جب تک ان میں شریعت کے احکام کی پختگی وتفقہ حاصل نہ ہو رائے زنی سے اجتناب ہی کرنا چاہئے۔

وحدت مسلمین:

آگے اللہ تعالی نے مہاجر ومجبور مسلمانوں کا جو ہمارے اوپر حق ہے وہ بیان کیا اور غور کیا جاے تو اللہ نے ایسی بات کی ہے کہ ایک مسلمان وہ سننے کے بعد چین سے نہیں بیٹھ سکتا کہ اگر وہ تمہیں مدد کے لیے پکاریں تو تم پر لازم ہے کہ ان کی مدد کرو۔

مجبور مسلمان خواہ عرب کا ہو یا عجم کا وہ ہمارا بھائی ہے اور ہمارے اپنے سگے بھائی سے بدرجہا بہتر ہے جو تقوی میں اس سے کمزور ہو۔ چنانچہ غزوہ بدر میں حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے بھائی گرفتار ہوئے اور ایک انصاری صحابی انہیں باندھ رہے تھے تو جب حضرت مصعب رض نے دیکھا تو کہا اسکو کس کر باندھو اس کی ماں نے بہت سامال جمع کیا ہوا ہے۔ یہ سن کر انکے بھائی کی آنکھوں میں آنسو آگے اور کیا مصعب تو میرا بھائی ہے اور اس طرح کی بات کر رہا ہے!۔

اس پر جواب دیا میرا بھائی تو نہیں وہ ہے جو تجھے باندھ رہا ہے۔ چنانچہ اس سورت میں اللہ تعالی نے قومی وملی سے ہٹا کر ایک مجاہد کی دنیا شرق تا غرب کردی ہے ہر خطہ اسلامی کو آزاد کرانا اس کا مقصد ہے وہیں اللہ تعالی نے مسلمانوں کے حقوق بھی بیان کردیے ہیں جو بغیر کسی رنگ نسل کے ہمارے اوپر لازم ہیں۔

لہذا ایک مجاہد کو چاہیے کہ ان صفات کو اپنا کر حقیقی مجاہد بنے نا کہ نفسانی خواہشات کے پیچھے چل کر اپنے اعمال برباد کرے، شیطان مزین کر کے ہی گمراہی کا راستہ دکھاتا ہے اور اس کی سب سے بڑی کوشش آپ کو شرعی جہاد سے ہٹا کر یا تو خوارج کی طرف لے جانا ہو گا یا عقل کے گھوڑے دڑوا کر معتزلہ کی مانند فی سبیل اللہ سے ہٹا کر قومیت کی طرف دھیکلے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

انما تنصرون و ترزقون بضعفاءکم

کہ تمہاری مدد اور تمہیں جو رزق دیا جاتا ہے وہ تمہارے کمزوروں کی وجہ سے تمہیں دیا جاتا ہے، لہذا اس پوری امت کو اپنا سمجھیں اور شریعت کی روشنی میں اپنا جہاد جاری رکھیں۔

اللہ تعالی ہم سب کا حامی وناصر ہو۔

سورۃ التوبۃ مدنیۃ

بـــراءۃ مـــن اللّٰہ وَرَسُـــولِہِ إِلَـــی الّذِیـــنَ عھدتُـــم مِّـــنَ الْمُشْـــرِکِینَ

آیت جن مشرکین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غیر میعادی معاہدے تھے ان کے ساتھ صلح کے تمام معاہدوں کو ختم کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان تمام مشرکین کے ساتھ جنگ کا اعلان ہے۔ اسلام کے مرکز کو کفر و شرک سے پاک کرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔

آیت ان مشرکوں کو چار مہینے کی مہلت دی جارہی ہے۔ ان چار مہینوں میں ان کے لئے چلنے پھرنے کی مکمل آزادی اور امن ہے۔ ان چار مہینوں کے بعد انہیں یا تو کفر و شرک چھوڑنا ہو گا یا یہ علاقہ۔ اگر وہ کفر پر قائم رہیں گے اور علاقہ بھی نہیں چھوڑیں گے تو ان کے ساتھ کھلی اور فیصلہ کن جنگ ہو گی۔ ان مشرکین کو اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ وہ اللہ تعالی کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ کافروں کو دنیا و آخرت میں رسوا کرنے والا ہے۔

فائدہ:

ان دو آیات میں ان مشرکین کا حکم بیان ہوا جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ تو تھا مگر اس معاہدے کی کوئی مدت مقرر نہیں تھی۔ چنانچہ انہیں صاف بتادیا گیا کہ اب معاہدہ ختم ہے اور تمہارے پاس سوچنے یا جنگ کی تیاری کرنے کے لئے چار مہینے کا وقت ہے۔ مفسرین حضرات کے نزدیک یہ حکم ان مشرکین کے لئے بھی تھا جن سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ ہی نہیں تھا ان کو بھی چار مہینے کا وقت دیا گیا۔ (تقریر حضرت لاہوری)

کفار سے اعلان جنگ: اللہ تعالی اور اس کا رسول کفار کی ہر قسم کی حفاظت سے بیزار ہیں، اعلان جنگ کے بعد حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ چار ماہ کی مہلت اس لئے تھی کہ اگر لڑنا چاہتے ہو تو تیاری کر لو یا اسلام قبول کر لو یا وطن چھوڑ جاؤ۔ (مفہوم موضح القرآن)

مقام حدیبیہ پر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان معاہدہ صلح ہو چکا تو بنی خزاعہ مسلمانوں کے اور بنی بکر قریش کے حلیف بنے، بنی بکر نے معاہدہ کی پروا کیے بغیر خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے اسلحہ وغیرہ سے ظالم حملہ آوروں کی مدد کی اس طرح قریش اور ان کے حلیف دونوں معاہدہ حدیبیہ پر قائم نہ رہے، جس کے جواب میں ۸ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچانک حملہ کر کے مکہ معظمہ بڑی آسانی سے فتح کر لیا۔ ان قبائل کے سوا دوسرے قبائل عرب سے مسلمانوں کا میعادی یا غیر میعادی معاہدہ تھا جن میں سے بعض اپنے معاہدہ پر قائم رہے۔ بہت سے قبائل وہ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اس سورۃ کی مختلف آیات مختلف قبائل کے متعلق نازل ہوئی ہیں۔ شروع کی آیات میں غالبا ان مشرکین کا ذکر ہے جن سے معاہدہ تھا مگر میعادی نہ تھا ان کو اطلاع کر دی گئی کہ ہم آئندہ معاہدہ رکھنا نہیں چاہتے۔ چار ماہ کی مہلت تم کو دی جاتی ہے کہ اس مدت کے اندر اسلامی برادری میں شامل ہو جاؤ یا وطن چھوڑ کر مرکز ایمان و توحید کو اپنے وجود سے خالی کر دو ورنہ جنگی مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ لیکن یہ خوب سمجھ لینا کہ تم خدا کی مشیت کو روک نہیں سکتے۔ اگر اسلام نہ لائے تو وہ تم کو دنیا آخرت میں رسوا کرنے والا ہے۔ تم اپنی تدبیروں اور حیلہ بازیوں سے اسے عاجز نہ کر سکو گے۔ باقی جن قبائل سے کوئی معاہدہ ہی نہ تھا، ممکن ہے انہیں بھی چار ماہ کی مہلت دی گئی ہو۔ یہ اور اس کے بعد کی آیتوں کا اعلان عام ۹ ہجری میں حج کے موقع پر تمام قبائل عرب کے سامنے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے کیا۔ (تفسیر عثمانی)

مشرکین کی چار قسمیں:

ان دو آیات اور پھر بعد والی آیات کو سمجھنے کے لئے معاہدوں کے اعتبار سے مشرکین کی اقسام کا سمجھنا ضروری ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ آیات ۹ھ کے حج کے موقع پر سنائی گئی تھیں اور اس وقت مکہ مکرمہ پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ مگر وہاں مکہ میں اور اُس کے آس پاس مشرکین موجود تھے یہ لوگ حج پر بھی آتے تھے اور ننگے ہو کر طواف بھی کرتے تھے، ان کا نظریہ تھا کہ ہم ان کپڑوں میں طواف نہیں کر سکتے جن میں ہم نے گناہ کیے ہیں، پھر جو ان میں مالدار تھے وہ تو کرائے پر طواف کے لئے خاص کپڑے لے لیتے تھے اور جو اسکی طاقت نہیں رکھتے تھے وہ ننگے ہو طواف کرتے تھے۔ مسلمانوں کے ساتھ معاہدوں کے اعتبار سے ان مشرکین کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

۱: وہ مشرکین جن سے مسلمانوں کا غیر میعادی معاہدہ تھا، یعنی معاہدے کی کوئی مدت مقرر نہیں تھی، ایسے معاہدے کو کوئی بھی فریق دوسرے کو اطلاع دے کر ختم کر سکتا ہے۔ سورۃ توبہ کی پہلی دو آیات میں ایسے ہی مشرکین کا حکم بیان ہوا کہ حج کے موقع پر ان کو اطلاع دے دی جائے کہ ان کے ساتھ معاہدہ ختم اور ان کو چار مہینے کی مہلت دی جارہی ہے۔

۲: وہ مشرکین جن سے مسلمانوں کا کوئی معاہدہ تھا ہی نہیں کئی مفسرین حضرات کے نزدیک وہ بھی ان دو آیتوں کے حکم میں شامل ہیں اور ان کو بھی چار مہینے کی مہلت دی گئی۔

۳: وہ مشرکین جن کے ساتھ معاہدہ تھا مگر انہوں نے معاہدے کی پاسداری نہیں کی۔ ان کا حکم آیت (۴) میں بیان ہوا ہے کہ ان کے ساتھ تو صلح کا معاہدہ باقی ہی نہیں رہا اس لئے ان کے ساتھ اعلان جنگ ہے، ہونا تو یہ چاہئے کہ خلاف ورزی کے ساتھ فوری جنگ شروع کر دی جائے مگر حرمت والے مہینوں کے ادب کی وجہ سے ان کو بھی کچھ مہلت دی جارہی ہے، انہیں چاہئے کہ وہ توبہ کر کے اسلام قبول کر لیں اور اگر وہ توبہ نہیں کریں گے تو دنیا آخرت میں ذلت و عذاب کا سامنا ہو گا۔

۴: وہ مشرکین جن کے ساتھ مسلمانوں کا میعادی معاہدہ تھا یعنی ایسا معاہدہ تھا جس کی مدت مقرر تھی اور ان قبائل نے مسلمانوں کے ساتھ اپنے معاہدے کی پوری پاسداری کی تھی تو ایسے مشرکین کا حکم آیت (۴) میں بیان ہوا ہے کہ مسلمان ان کے ساتھ معاہدے کی مدت پوری ہونے تک صلح جاری رکھیں لیکن جب مدت ختم ہو جائے گی تو ان کے ساتھ نیا معاہدہ نہیں کیا جائے گا۔

حافظ ابن کثیر نے بھی اس تفسیر کو ترجیح دی ہے مگر وہ فرماتے ہیں کہ جن کے ساتھ مسلمانوں کا غیر میعادی معاہدہ تھا یا جن کے معاہدے کی مدت چار ماہ سے کم رہ گئی تھی ان مشرکین کو تو چار مہینے کی مہلت دی گئی۔ یعنی، ذوالحجہ (اعلان والے دن سے) ربیع الثانی تک اور وہ مشرکین جن سے کوئی عہد نہیں تھا یا جنہوں نے معاہدہ توڑ دیا تھا ان کو حرمت والے مہینے ختم ہونے تک کی مہلت دی گئی یعنی محرم کے آخر تک ان کو مہلت ہے اس کے بعد ان سے قتال کیا جائے گا۔ یوں ان کی مہلت کل پچاس دنوں کی ہوئی یعنی دس ذوالحجہ اعلان والے دن سے) محرم کے آخر تک ..... ہمیں دن ذو الحجہ کے اور تمیں دن محرم کے۔

ان آیات کا زمانہ اور ماحول:

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ مکرمہ سے ہجرت کا نواں سال ہے، نو سال پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء کو اس شہر میں اتنا ستایا گیا تھا کہ آپ اور آپ کے رفقاء ہجرت پر مجبور ہوئے تھے۔ مگر صرف نو سال کے عرصے میں ماحول بدل چکا ہے، ۶ ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں عمرہ کرنے سے روکا گیا تھا، حدیبیہ کے مقام پر صحابہ کرام نے موت اور جہاد پر بیعت رضوان کی اور مشرکین کے ساتھ دس سالہ جنگ بندی کا معاہدہ ہوا۔ پھر اسی معاہدے

کی رو سے سات ہجری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ ادا فرمایا، چند ماہ بعد مشرکین مکہ نے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور مسلمانوں کے حلیف قبیلے بنی مخزاعہ پر ظلم ڈھایا، بنی خزاعہ اپنی مظلومیت کی فریاد لے کر مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدد کا وعدہ فرمایا اور مکہ پر حملے کی خفیہ تیاری شروع فرمادی۔ ۸ھ کے رمضان المبارک میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آسانی کے ساتھ مکہ فتح فرمالیا اور پھر حنین بھی مگر آپ حج ادا کئے بغیر واپس تشریف لے آئے اور مکہ مکرمہ کا حاکم حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو بنا آئے۔ چند ماہ مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور پھر رجب ۹ ہجری میں مشکل ترین جہادی سفر غزوہ تبوک کے لئے روانگی ہو گئی۔ سفر لمبا تھا، مشکل تھا اور مد مقابل اس زمانے کا سپر پاور کہلانے والا طاقتور دشمن تھا۔ اس صورتحال میں منافقین نے جان اور مال بچانے کی فکر کی تب سورۃ براۃ آسمانی بجلی کی طرح کڑکی۔ اور اس نے منافقین کے غیر جہادی اسلام کو نا قابل قبول قرار دے دیا۔ اور اسلام اور نفاق کے درمیان قیامت تک ایسی واضح لکیر کھینچ دی۔ جس لکیر کو دیکھ کر کسی کے اسلام اور نفاق کا آسانی سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔

غزوہ تبوک خیر سے مکمل ہوا۔ سورۃ براۃ اس پورے سفر اور بعد میں انوارات برساتی رہی۔ اب ارادہ ہوا کہ حج ادا کیا جائے مگر ابھی تک مرکز اسلام خالص مسلمانوں کا مرکز نہیں بنا تھا۔ سورۃ توبہ کی آیات نازل ہوئیں اور مسلمانوں کو ایک مستقل خالص مرکز دینے کا پورا نصاب نازل فرمادیا گیا۔

بَرَاءَةٌ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ

بس اب بالکل صاف اعلان ہے۔ آئندہ سال کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔ کوئی بھی ننگے ہو کر کعبہ کا طواف نہیں کرے گا۔ اور جنت میں صرف ایمان والے داخل ہوں گے۔ اور جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معاہدہ ہے وہ معاہدہ اپنی مدت تک نافذ رہے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو ہجرت کی رات گھیرے میں تھے آج ایک ایک مشرک کو یہ اعلان سنا رہے تھے، آپ ایک ایک خیمے تک پہنچے اور اس قدر جوش سے اعلان فرمایا کہ آواز بیٹھ جاتی تھی تب حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ یہی اعلان شروع کر دیتے تھے۔ ٹھیک نو سال میں حالات کس قدر بدل گئے۔ اللہ تعالی قوت والا ہے اور وہ ایمان والوں کی کس طرح سے نصرت فرماتا ہے۔ اب ہر طرف ایک ہی اعلان ہے کہ جزیرۃ العرب کو کفر و شرک سے پاک کرنا ہے۔ جس نے لڑنا ہے وہ میدان میں اتر آئے۔ جو مسلمان ہو گا وہ ہمارا بھائی ہے۔ اور کافروں کو یہ وطن چھوڑنا ہو گا... سورہ انفال نے اسلامی جماعت بنائی اور سورۃ توبہ نے اسلامی مرکز بنایا۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کا وقت قریب تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کا غزوہ ادا کر کے اہل کتاب کے خلاف جہاد کا آغاز فرمادیا تھا اور اب برات کا یہ اعلان کروا کے جزیرۃ العرب کی تطہیر اور پاکی کا کام شروع فرمادیا تھا۔ آپ ﷺ کے خلفائے کرام نے سورۃ براۃ کے نصاب کو آگے بڑھایا اور ان کاموں کی تکمیل کی جن کا آغاز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آخری زمانے میں فرمادیا تھا۔ سورۃ توبہ کے پہلے لفظ براءۃ ہی سے جہاد کا پورا فلسفہ سمجھا دیا گیا۔ اور وہ اس طرح کہ اس لفظ اور جملے کو سنتے ہی یہ چند باتیں ذہن میں آجاتی ہیں:

جن مشرکوں اور کافروں سے اللہ تعالیٰ بری ہے حالانکہ وہ ان کا خالق ہے اور جن کافروں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بری ہیں حالانکہ آپ بے حد شفیق ہیں تو ایسے کافروں پر کسی اور کو ترس کھانے کی کیا ضرورت ہے؟

جن کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اور جو اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتے ہیں وہ ان کافروں کی قوت کس طرح سے برداشت کر سکتے ہیں جن سے قطع تعلق کا اعلان اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول فرمادے۔

جب اللہ تعالیٰ ان کافروں سے بیزاری قطع تعلق اور دست برداری کا اعلان فرمارہے ہیں تو ظاہر بات ہے جو مسلمان ان کے خلاف لڑے گا وہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کا مستحق ہو گا۔ مسلمان کسی سے بھی کوئی دوستی اور تعلق اس وقت رکھ سکتا ہے جب اللہ اور اس کے رسول اس تعلق کو پسند فرمائیں پس جن کافروں سے اللہ تعالیٰ بری ہے ان سے مسلمان کبھی بھی دوستی کا تعلق نہیں رکھ سکتے۔

برأۃ یعنی بیزاری قطع تعلق دستبرداری کا لفظ پڑھتے ہی یہ تمام باتیں خود دل میں اتر جاتی ہیں اور ایک مسلمان کو خالص اللہ تعالیٰ کا سپاہی بنا دیتی ہیں۔ باقی رہی بات رشتہ داری اور خونی قرابت کی تو زہریلے سانپ کے بھی رشتے دار ہوتے ہیں اور اس کے بھی بچے ہوتے ہیں قاتل کے بھی بیوی بچے ہوتے ہیں اور اسے مارا جائے تو اس کا بھی خون نکلتا ہے۔ مگر زہریلے سانپ اور قاتل کو مارنا ہر کوئی درست سمجھتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ اللہ تعالیٰ کی زمین پر ظلم اور فساد کی علامت بن جاتے ہیں اگر ان کو ختم نہ کیا جائے تو زمین پر سوائے کفر اور ظلم کے کچھ بھی نظر نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں سے لڑنے کا حکم دیتا ہے اب اگر کسی کے اندر ہمدردی جوش مارنے لگے تو اسے سمجھایا گیا کہ اللہ تعالیٰ جو اس بندے کا خود خالق ہے وہ اس سے قطع تعلق کا اعلان فرمارہا ہے اب بتاؤ بھلا خالق سے بڑھ کر بھی کوئی پیار کرنے والا ہو سکتا ہے؟ اور عجیب بات یہ ہے کہ قتال کا یہ حکم بھی رحمت اور شفقت پر مبنی ہے کہ اس کی وجہ سے بے شمار لوگوں کو ایمان قبول کرنے کی توفیق ملتی ہے اور وہ جہنم سے بچ کر جنت میں جانے والے بن جاتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

امام قرطبی فرماتے ہیں:

زمین پر امن کے ساتھ آؤ جاؤ، اور مسلمانوں کی طرف سے لڑائی، لوٹ مار اور قتل و گرفتاری سے بے خوف رہو۔ (قرطبی)

دنیاوی حکومتوں کا دستور یہ ہے کہ اعلان جنگ کے بعد دشمنوں کو غور کا موقع بہت کم دیتی ہیں، اس لئے کہ ان کا مقصد جمع مال کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا مگر اسلام یکسر رحمت ہے اور وہ امن و سلامتی عالم کے قیام کے لئے بھیجا گیا ہے اس لئے ارضی حکومتوں کے برخلاف اس نے اپنے مخالفین کو چار ماہ کامل غور کی مہلت دی، اس دوران وہ تمام عرب میں باطمینان رہ سکتے ہیں اپنے اور دشمنوں کے حالات کا اچھی طرح مطالعہ کر کے اپنے مستقبل کے متعلق خوب دلجمعی سے فیصلہ کر سکتے ہیں، اگر وہ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے تیار ہوں تو انہیں لبیک کہا جائے گا لیکن اس مدت کے ختم ہوتے ہی عرب کی ایک انچ زمین بھی ان کو پناہ نہ دے سکے گی، مخالفین کو اس امر میں غور کرنا چاہئے کہ جب مسلمانوں کی تعداد کم تھی، ان کے پاس ساز و سامان نہ تھا عرب کا ایک ایک باشندہ ان کا دشمن تھا، ہر طرف سازشوں کے جال بچھے ہوئے تھے، یہودی ایک طرف ان کی جان کے لیوا تھے، دوسری جانب نصاری ان کو خوفزدہ کر رہے تھے، مجوسی بھی کسی سے کم نہ تھے، جب ان حالات میں مسلمان زندہ رہے تو اب اس وقت تم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہو جبکہ تمام عرب پر ان کا قبضہ ہے، ہر طرف ان کی حکومت ہے، اس وقت کفار یقین کر لیں کہ وہ مسلمانوں پر کبھی غالب نہ آسکیں گے، بلکہ جو شخص قرآن سمجھنے کے باوجود اس کی مخالفت کرے گا وہ خود ذلیل ہو گا (تفسیر الفرقان)

وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۔۔

اور اے مشرکو! خوب جان لو کہ تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اللہ تعالیٰ کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔

ان الفاظ میں مشرکین کے لئے اسلام کی دعوت بھی ہے کہ تم اللہ تعالی سے نہ ٹکراؤ تم نے دیکھ لیا کہ کل تک تم اس زمین کے مالک و حکمران تھے اور تم مسلمانوں کو یہاں سے نکالتے

تھے مگر آج صورتحال کس قدر بدل چکی ہے؟ کیا تم اس سے اسلام کی حقانیت کا اندازہ نہیں لگاتے؟

اور آیت کے آخری جملے میں مسلمانوں کے لئے فتح و نصرت کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ایسی مدد فرمائے گا کہ کافر ذلیل و خوار ہو کر ناکام ہو جائیں گے۔ ملاحظہ فرمایئے یہ عبارت:

یعنی یہ احمق معاندین اللہ کے مقابلے کی قوت تو کہاں سے لائیں گے اللہ ہی انہیں الٹا رسوا کر کے رہے گا اس رسوائی کا ظہور حشر میں تو بہر حال کامل اور یقینی طور پر ہو ہی جائے گا، باقی نزول آیت کے بعد دنیا میں بھی اچھی طرح ہو کر رہتا ہے۔ آیت میں مسلمانوں کو اطمینان بھی دلایا گیا ہے کہ وہ کافروں پر غالب آ کر رہیں گے۔

واذان من اللہ و رسولہ

اس آیت میں مذکور اعلان غالباً ان قبائل کے لئے تھا جنہوں نے میعادی معاہدہ کیا پھر خود ہی عہد شکنی کی (مثلاً بنی بکر یا قریش وغیرہم) یعنی ایسے لوگوں سے کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا۔ اگر یہ سب لوگ شرک و کفر سے توبہ کر لیں تو ان کی دنیا و آخرت دونوں سنور جائیں گی نہیں تو اللہ تعالیٰ کا جزیرۃ العرب کو پاک کرنے کا جو ارادہ ہے وہ پورا ہو کر رہے گا، کوئی طاقت اور تدبیر سے مغلوب نہیں کر سکتی اور کافروں کو کفر و بد عہدی کی سزا مل کر رہے گی (تنبیہ) ان قبائل کی عہد شکنی اگرچہ فتح مکہ ۸ ہجری سے پہلے ہو چکی تھی، بلکہ اس کے جواب میں مکہ فتح کیا گیا، تاہم ۹ ہجری کے حج کے موقع پر اس کا بھی اعلان عام کرایا گیا تاکہ واضح ہو جائے کہ اس قسم کے جتنے لوگ ہیں ان سے کسی قسم کا معاہدہ باقی نہیں رہا۔ (مفہوم تفسیر عثمانی)

إِلَّا الَّذِينَ عَهَدتُّم مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنقُصُوكُمْ شَيْئًا۔۔۔

لیکن جنہوں نے معاہدہ نہیں توڑا ان کے ساتھ معاہدہ پورا کرو اور انہیں معاہدوں کو توڑنے والوں جیسا نہ بناؤ، وفا کرنے والوں کو دھوکا دینے والوں جیسا قرار نہ دو اللہ تعالیٰ متقی لوگوں کو پسند فرماتا ہے اور تقویٰ کا تقاضہ یہ ہے کہ دونوں فریقوں کو برابر قرار نہ دو۔ علامہ آلوسی لکھتے ہیں: بنی ضمرہ اور بنی مدلج جو کنانہ قبیلے کی دو شاخیں تھیں ان کے معاہدے کی مدت میں نو مہینے باقی تھے چنانچہ اس مدت تک ان کے ساتھ معاہدہ پورا کیا گیا۔ (روح المعانی)

جب مہلت والے مہینے گزر جائیں تو مشرکین کو جہاں پاؤ جیسے چاہو قتل کرو اور انہیں پکڑو، گھیر اور ہر جگہ ان پر گھات لگاؤ، پھر اگر وہ ایمان قبول کر لیں، نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں تو ان سے جنگ نہ کرو اللہ پاک بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

اس واسطے جو شخص نماز چھوڑ دے یا زکاۃ، پھر اس سے امان اٹھ گئی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے زکوۃ کے منکروں کو برابر کافروں کے قتل فرمایا (موضح القرآن)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بے نمازی کا تو اسلام ہی معتبر نہ تھا جبکہ آج بے نمازی لوگ مسلمانوں کے حکمران بنے بیٹھے ہیں اور خود کو وہ امت مسلمہ کا خیر خواہ قرار دیتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چار تلواریں دے کر بھیجا گیا: پہلی تلوار مشرکین عرب کے خلاف عطاء فرمائی گئی جو اس آیت میں ہے:

فاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدتُّمُوهُم (تفسیر ابن کثیر)

باقی تین تلواریں غالباً یہ ہیں:

اہل کتاب کے خلاف تلوار: **قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ الآية (التوبة (۲۹)**

منافقین سے قتال کی تلوار: **يَأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَ الْمُنْفِقِينَ (التوبة ۷۳)**

باغیوں سے قتال کی تلوار: **وإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا الآية (الحجرات ۹)**

قتال فی سبیل اللہ کے حکم پر ناک چڑھانے والے ان چار

تلواروں اور ان آیتوں پر غور کریں اور پھر سیرت طیبہ میں دیکھیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تلواروں کو کیسے استعمال فرمایا اور ان آیتوں پر کس طرح سے عمل فرمایا۔ جنگ کی تاکید جہاد کوئی سرسری حکم نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا تاکیدی حکم ہے جس کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر یہاں اتنا کہنا بھی کافی تھا کہ جب حرمت والے مہینے ختم ہو جائیں تو مشرکین سے لڑو یا ان کو مارو۔ مگر یہاں تو پوری تاکید اور مکمل تفصیل کے ساتھ فیصلہ کن لڑائی کا پورا انصاب بتایا گیا۔ اگر کہیں ان کو ہر جگہ قتل کرو جس طرح چاہو قتل کرو (مثلہ ممنوع ہے) ان کو پکڑو اور قید کرو چھپ جائیں یا قلعہ بند ہو جائیں تو وہاں پہنچ کر ان کو گھیر لو ان کے راستوں پر ناکے لگاؤ انکے گزرنے کی ہر جگہ پر گھات لگا کر بیٹھو اور ان کے ایک ایک فرد کو مارنے اور پکڑنے کی عسکری ترتیب بناؤ صحراؤں اور بازاروں تک کی ناکہ بندی کرو.

قابل توجہ:

اس آیت میں جو جنگی تفصیل بیان ہوئی ہے اسے وہ مسلمان صرف ایک بار دل کی آنکھوں سے پڑھ لیں جنہوں نے جہاد فی سبیل اللہ کو اپنی زندگیوں سے نکالا ہوا ہے۔ خواہ کسی بھی بہانے سے، خواہ کسی بھی تاویل سے۔ پھر اپنے دل سے پوچھیں کہ ہم کیسے مسلمان ہیں۔ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ان احکامات کے لئے خود کو کبھی بھی تیار نہیں کیا، ناں کبھی ارادہ کیا ناں کبھی تیاری کی ناں کبھی مجاہدین کی پشتیبانی کی۔

نعوذ باللہ من ذلک

کئی مفسرین حضرات کے نزدیک یہ آیت ان تمام آیات کو منسوخ کرنے والی ہے جن میں مشرکین سے درگزر کرنے کا حکم ہے۔

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّى يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ ۔۔۔

اور اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دیدو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنیں پھر اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دو یہ اس لیے ہے کہ وہ لوگ بے سمجھ ہیں۔

مہلت کے مہینے گزرنے کے بعد جب ان مشرکین کو قتل کرنے کا حکم نافذ ہو جائے اس وقت بھی اگر کوئی مشرک اسلام کی حقیقت سمجھنے کے لئے آپ کے پاس آکر امان مانگے تاکہ اطمینان سے قرآن پاک اور اسلام کی حقانیت کے دلائل سن سکے تو آپ اس کو پناہ دے دیجئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن اور سمجھ لے اس کے بعد اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دیجئے تاکہ وہ سوچ سمجھ کر اپنی رائے قائم کرے۔ یہ پناہ دینے کا حکم اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ دین کی پوری خبر نہیں رکھتے اس لئے ان کو مزید موقع دیا جاتا ہے۔

چند ضروری احکامات

علامہ ابو بکر جصاص فرماتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کوئی حربی امان طلب کرے تو اسے امان دینا جائز ہے۔ وہ امان طلب کر کے مسلمانوں کے پاس آئے، اللہ کا کلام سنے توحید کو سمجھے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل معلوم کرے تو اس کے لئے ایسا موقع فراہم کیا جائے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب کوئی کافر ہم سے دلائل توحید کا اور دلائل رسالت کا مطالبہ کرے تاکہ وہ سمجھنے کے بعد دونوں باتوں کو مان لے تو ہمارے ذمہ واجب ہو گا کہ پوری حجت قائم کریں اور توحید ورسالت کو واضح طور پر بیان کریں اور جب کوئی شخص ہم سے توحید اور رسالت کے دلائل طلب کرے تو دلائل بیان کرنے اور حجت قائم کرنے سے پہلے اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔ پھر لکھتے ہیں **اَبْلِغْهُ مَامَنَ** سے معلوم ہوا کہ امام المسلمین پر واجب ہے کہ جو کوئی کافر حربی امان لے کر آئے اس کی حفاظت کرے تاکہ کوئی شخص اسے قتل نہ کر دے اور کسی طرح تکلیف نہ پہنچائے۔ نیز اس سے یہ بھی

واضح ہوا کہ جو لوگ اہل ذمہ ہیں (یعنی ذمی ہیں) امام المسلمین کے ذمہ ان کی حفاظت واجب ہے تا کہ کوئی مسلمان ان پر ظلم و زیادتی نہ کرے۔ کافر حربی کو واپس ان کی امن کی جگہ پہنچانے کا جو حکم ہے اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ کافر حربی کو دار الاسلام میں مستقل طور پر قیام نہ کرنے دیا جائے۔ اس میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک سال دار الاسلام میں رہ گیا تو ذمی ہو جائے گا اور اہل ذمہ کے احکام اس پر نافذ ہوں گے جزیہ بھی مقرر کر دیا جائے گا۔ (احکام القرآن ص ۳۸۴) پھر فرمایا **ذٰلِکَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لا یعلمون** یہ حکم اس وجہ سے ہے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں جانتے (کہ اسلام کیا ہے اور دعوت اسلام کی کیا حقیقت ہے اور اسلام قبول کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ پس انہیں امان دینا ضروری ہے تا کہ وہ سن لیں یا حق کو سمجھ لیں) (انوار البیان)

اسلام کے کمالات:

جن لوگوں نے اپنی طاقت کے زمانے میں مسلمانوں کو مارا ستایا انہیں وطن سے نکالا ان پر حملے کئے اور ان کو جڑ سے ختم کرنے کے لئے بڑی بڑی جنگیں کیں ان کے ساتھ اسلام کا یہ حسن سلوک ہے کہ ان کو لڑائی سے پہلے چار مہینے کی مہلت دی جارہی ہے کہ اگر لڑنا چاہتے ہو تو تیاری کر لو اور سوچنا چاہتے ہو تو سوچ لو اللہ اکبر کبیرا۔ اسلام نے ثابت کر دیا کہ کمزور قوموں کو بلا مہلت کسی جگہ سے نکل جانے کا حکم دینا یا ان پر اچانک حملہ کر دینا بزدلی اور غیر شریفانہ فعل ہے۔ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند افراد کے علاوہ باقی سب کے لئے امان کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ یہ ہے اسلام اور یہ ہے اس کا جہاد کہ اسلام جیسے جیسے طاقتور ہوتا جاتا ہے اس قدر اس کے اخلاق بلند ہوتے چلے جاتے ہیں جبکہ دوسری قومیں جیسے جیسے طاقت پکڑتی جاتی ہیں اس قدر وحشی، ظالم اور متکبر ہوتی جاتی ہیں۔ اس لئے زمین پر امن کے لئے اسلام اور مسلمانوں کا اس پر غالب رہنا ضروری ہے۔ اب اس آیت کے حکم ہی کو لے لیجئے کہ مہلت کی مدت گذرنے کے بعد بھی دعوت کا دروازہ کھلا ہے۔ اسلام کو اپنی حقانیت پر پورا اعتماد ہے اس لئے وہ سننے اور سمجھنے والوں کے لئے اپنا دروازہ ہر وقت کھلا رکھتا ہے۔ اور حق کی دعوت سنا کر پھر انہیں اپنے مقام تک واپس جانے کی بھی اجازت اور ضمانت دیتا ہے نہتی آبادیوں پر اندھا دھند بمباری کرنے والے ان انسانی اور اخلاقی قدروں سے کس قدر محروم ہیں۔

کیف یکون لِلْمُشْرِکِینَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُولِه۔۔

بھلا مشرکوں کیلئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ہاں عہد کیونکر ہو سکتا ہے ہاں جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجد حرام کے نزدیک عہد کیا ہے اگر وہ قائم رہیں تو تم بھی قائم رہو بے شک اللہ تعالی پرہیز گاروں کو پسند کرتا ہے

امام ابن کثیر لکھتے ہیں:

اللہ تعالی اس آیت میں مشرکین سے اعلان برات کرنے، انہیں چار مہینے کی مہلت دینے اور پھر ان پر کھلی تلوار چلانے کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ مشرکین کے لئے کس طرح سے امان ہو سکتی ہے؟ اور انہیں ان کی حالت پر کیسے چھوڑا جاسکتا حالانکہ وہ اللہ تعالی کے ساتھ شرک کرتے ہیں، اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں۔

کَیْفَ وَإِنْ یَظْهَرُوا عَلَیْکُمْ لَا یَرْقُبُوا فِیکُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۔۔

ان مشرکین کا کوئی عہد اللہ تعالی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک قابل رعایت کیسے ہو سکتا ہے۔ اور ان مشرکین سے تمہاری دوستی کس طرح سے قائم رہ سکتی ہے؟ جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر ان کو کسی وقت بھی ذرا موقع مل جائے اور وہ تم پر قوت پائیں تو وہ تمہارے بارے میں نہ کسی قرابت داری کی رعایت کریں نہ عہد و پیمان کی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ لوگ معاہدہ کرنے کے وقت بھی دل میں اس

کے پورا کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے، ان کا صلح کرنا مجبوری اور جہاد کے خوف سے ہوتا ہے دل سے نہیں۔ وہ تو صرف اپنی زبانی باتوں اور الفاظ سے تمہیں خوش کرنا چاہتے ہیں، ان کے دل تمہاری دشمنی سے بھرے پڑے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگ فاسق یعنی عہد، معاہدہ توڑنے والے ہیں۔

ان سے دوستی کیسے ہو سکتی ہے؟

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے جگہ جگہ مسلمانوں کو کافروں کی دشمنی سے متنبہ اور خبر دار فرمایا ہے۔ حضرات صحابہ کرام اور دور اول کے مسلمانوں نے قرآن پاک کی ان باتوں کو اپنے دل کا نظریہ بنالیا چنانچہ انہوں نے کافروں کی مسکراہٹوں، باتوں اور تہذیبوں سے کوئی دھوکا نہیں کھایا مگر دور حاضر کے مسلمانوں نے ان قرآنی فرمودات کو بھلا دیا ہے وہ کافروں کی اسلام دشمنی سے غافل ہو کر ان کے جال میں پھنستے چلے جارہے ہیں جس کی وجہ سے ان کا دین اور دنیا دونوں تباہ ہو رہے ہیں۔

کافر اپنی باتوں سے مسلمانوں کو خوش اور مطمئن کرتے ہیں چنانچہ اقوام متحدہ اور انسانی حقوق کے اداروں کو کافروں کی باتیں سمجھ لیں یہ تمام ادارے مسلمانوں کے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ جبکہ اسلامی ملکوں پر بمباری اور فوج کشی کرنے والے کافروں کے لشکر ان کے دل ہیں۔ ان لشکروں نے اسلامی ملکوں کو پامال اور اسلامی عزتوں کو بے حرمت کیا ہے اور کر رہے ہیں۔ ان حالات میں قرآن پاک کی یہ آیت پوچھتی ہے کہ اے مسلمانو! ایسے کافروں سے کیسی دوستی؟ اور کیسے معاہدے؟

اللہ اور رسول کے منکر تمہارے دوست کس طرح سے؟

علامہ ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں یہ وجد آفرین عبارت تحریر فرماتے ہیں:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو مشرکوں سے دشمنی کرنے پر ابھارتا ہے اور ان سے برات وبیزاری پر آمادہ فرماتا ہے اور اس بات کو بیان فرماتا ہے کہ یہ لوگ کسی معاہدے کے مستحق نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں۔ اور اس وجہ سے کہ وہ اگر مسلمانوں پر قوت پائیں اور غالب آجائیں تو ان کے ساتھ کسی قرابت اور عہد کا لحاظ نہ کریں۔

اشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا فَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِهِ

یہ مشرکین کسی برحق عقیدے، نظریئے یا دین پر نہیں ہیں بلکہ وہ صرف دنیا کے پجاری اور حُبّ دنیا کے مریض ہیں، ان سے قتال کرنا اور دوستی ختم کرنا اس لئے ضروری ہے کہ یہ حقیر دنیا کی خاطر اللہ تعالیٰ کی آیات اور احکام کا انکار کرتے ہیں، تھوڑی سی حقیر دنیا کے چھن جانے کا جو وہم انہیں تھا اسکی وجہ سے انہوں نے ایمان قبول نہ کیا کیونکہ جو شخص دنیا ہی کو سامنے رکھے گا وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ پر نہیں چل سکتا، ایسے لوگ خود بھی ایمان قبول نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی ایمان قبول نہیں کرنے دیتے، جن کاموں میں یہ لگے ہوئے ہیں ان کے یہ کام برے ہیں۔ (مستفاد من ابن کثیر و انوار البیان)

علماء نے یہ بات واضح طور پر لکھی ہے کہ مشرکین کی خرابیوں کا سبب حب دنیا ہے۔

اور حب دنیا کے متعلق آج ہمارا کیا حال ہے یہ ہر شخص اپنے گریبان میں خود دیکھ لے تو اسے خود ہی جواب مل جائے گا۔

وَإِنْ نَّكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ ۔۔

اگر یہ لوگ اپنے عہد وپیمان کو توڑ ڈالیں (جس طرح بنو بکر نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا اور قریش نے حملہ آوروں کی مدد کی) اور کفر سے باز نہ آئیں بلکہ دین اسلام کے متعلق طعنہ زنی اور گستاخانہ عیب جوئی کرتے رہیں تو سمجھ لو کہ اس طرح کے لوگ ائمۃ الکفر"

(کفر کے سردار اور امام) ہیں کیونکہ ان کی حرکات دیکھ کر اور باتیں سن کر بہت سے کم عقل اور بیوقوف لوگ ان کے پیچھے چل پڑتے ہیں، پس ایسے سرغنوں سے جنگ کرو۔ کیونکہ ان کا کوئی قول و قسم اور عہد و پیمان باقی نہیں رہا ممکن ہے تمہارے ہاتھوں سے کچھ سزا پا کر اپنی شرارت و سرکشی سے باز آجائیں یا کفر و شرک سے توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں۔ (ملخص از عثمانی)

قتال کو فوری طور پر لازم کرنے والی دو چیزیں ارشاد فرمائی ہیں:

(۱) وہ معاہدہ کی خلاف ورزی کریں (۲) دین اسلام کی شان میں گستاخی کریں... اور مجاہدین کو ایک بڑا ہدف بتا دیا کہ کفر کے اماموں اور سرداروں کو نشانہ بناؤ اس کا فائدہ یہ ہو گا کہ کفر و شرک کی طاقت ٹوٹ جائے گی اور وہ بد عہدی اور فتنہ انگیزی کے قابل نہیں رہیں گے یا کفر و شرک سے ہی باز آجائیں گے۔ کافروں کی طاقت اور شرارت توڑنے کا بہترین طریقہ قتال فی سبیل اللہ ہے

امام قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں درج ذیل قیمتی نکات بیان فرمائے ہیں:

بعض علماء نے اس آیت کو اس مسئلے کی دلیل بنایا ہے کہ جو کوئی بھی دین اسلام کی گستاخی کرے وہ واجب القتل ہے اور دین کی گستاخی کے دو مطلب ہیں (۱) دین کی طرف ایسی چیز منسوب کرنا جو اس کی شان کے مطابق نہ ہو (۲) دین اسلام کے کسی بھی حکم کی توہین کرنا۔

اسی کے ذیل میں یہ مسئلہ بھی بیان کرتے ہیں کہ اہل علم کا اس بات پر بھی اجماع ہے کہ جو کوئی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے وہ واجب القتل ہے۔

ائمۃ الکفر سے قتال کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ ان لوگوں کو معلوم کرو جو کافروں کے نظریاتی اور انتظامی سردار ہیں۔ نظریاتی سرغنے وہ جو انہیں کفر و شرک پر قائم رکھتے ہیں، انہیں اسلام کے خلاف بھڑکاتے ہیں، ان کے سامنے اپنے باطل مذہب کی خوبیاں بیان کرتے ہیں اور ان میں کفر و شرک کا تعصب پیدا کرتے ہیں اور انتظامی سرغنے وہ جو کفر و شرک کی طاقت کے لئے اموال فراہم کرتے ہیں، سیاسی اتحاد قائم کرتے ہیں اور لشکروں کو چلاتے اور سنبھالتے ہیں۔ یہ بڑے سرغنے اگر راستے سے ہٹا دیئے جائیں تو باقی لوگ بہت تیزی سے امن اور ایمان کی طرف آجاتے ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں میں اس قرآنی نکتے کو بہت ملحوظ رکھا گیا ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بہت کم افراد قتل ہوئے اور بہت زیادہ افراد اسلام میں داخل ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے **يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا** کا منظر خود مشاہدہ فرمالیا۔

الا تُقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ ۔۔

خبردار! تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور پیغمبر کو جلاوطن کرنے کا ارادہ کیا اور انہوں نے پہلے تم سے عہد شکنی کی کیا تم ان سے ڈرتے ہو اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔

اس آیت میں قسمیں اور معاہدے توڑنے والوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کرنے والوں سے قتال نہ کرنے پر عار دلائی گئی ہے۔ کیا تم ان سے ڈرتے ہو اور قتال نہیں کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ تم اس سے ڈرو، اس کا حکم مانو اور قتال مت چھوڑو اگر تم مؤمن ہو تو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرو جس میں حکم قتال کی تعمیل بھی ہے۔

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ ۔۔

اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ تعالیٰ کا حکم مانو اور اللہ تعالیٰ حکم

دیتا ہے قتال کا (پس تم ان سے قتال کرو اللہ تعالیٰ کے اس حکم قتال میں بہت حکمتیں اور فائدے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں)

اللہ تعالیٰ ان کافروں کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے گا۔ پہلے نافرمان قوموں کو عذاب فرشتوں اور دیگر طریقوں سے دیا جاتا تھا اب مجاہدین کو یہ شرف عطا ہوا کہ وہ دست قدرت کے آلہ کار بنا دیئے گئے۔

اور اللہ تعالیٰ ان کافروں کو رسوا فرمائے گا۔ کافروں کی رسوائی سے کفر رسوا ہوگا اور کفر و شرک کی شوکت ٹوٹ جائے گی، ان کی قوت اور شوکت ہی وہ چیز ہے جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں کو فتنے میں ڈالتے ہیں مگر جب وہ خود قید و غلامی کی رسوائی میں ہوں گے تو کفر و شرک کی آواز کمزور پڑے گی اور اسلام کی خوب اشاعت ہوگی۔

اور اللہ پاک مسلمانوں کو ان کافروں پر غلبہ عطاء فرمائے گا۔ یہ غلبہ اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ہوگا مسلمان جب اس نصرت کو دیکھیں گے تو ان کے دل کا ایمان مضبوط ہوگا اور جب وہ غالب ہوں گے تو زمین پر اسلام یعنی اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کریں گے، یوں ساری مخلوق کو جہاد کا فائدہ پہنچے گا کیونکہ اسلامی نظام کے غلبے اور نفاذ میں ہر کسی کا فائدہ ہے۔

اور اللہ پاک ایمان والوں کے دلوں کو شفاء دے گا، ان کے دل ٹھنڈے ہوں گے،

مسلمان کا دل ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے کلمے کی سربلندی کے لئے بے چین اور اسلام کے غلبے کے لئے بے قرار رہتا ہے، اور کفر و شرک کی طاقت، قوت اور غلبہ دیکھ کر مسلمان کا دل پریشان رہتا ہے۔

جہاد کی برکت سے جب اسلام غالب اور کفر مغلوب ہوگا اور تو ایمان والوں کے دلوں کو سکون اور ٹھنڈک مل جائے گی ویسے بھی جہاد دل کی بہت سی بیماریوں کا علاج ہے مثلاً حب دنیا بزدلی وہن وغیرہ،

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ ۔۔

مشروعیت جہاد فی سبیل اللہ کی ایک اور حکمت یہ ہے کہ ایمان اور بندگی کے زبانی دعوے کرنے والے تو بہت ہیں، لیکن جب تک امتحان کی کسوٹی پر پرکھا نہ جائے تو کھرا کھوٹا ظاہر نہیں ہوتا۔ جہاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ کتنے مسلمان ہیں جو اس کی راہ میں جان و مال قربان کرنے کو تیار ہیں اور اللہ، رسول اور مسلمان کے سوا کسی کو اپنا راز دار یا خصوصی دوست بنانا نہیں چاہتے، خواہ وہ ان کا کتنا ہی قریبی رشتہ دار کیوں نہ ہو، یہ معیار ہے جس پر مومنین کا ایمان پرکھا جاتا ہے، جب تک عملی جہاد نہ ہو صرف زبانی جمع خرچ سے کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب کاموں کی پوری خبر ہے پس اگر جہاد میں چستی کرو گے یا سستی کرو گے اس کے موافق جزاء دے گا۔ (ملخص از عثمانی و بیان القرآن)

جہاد ایمان کی کسوٹی اور پیمانہ ہے:

صاحب انوار البیان لکھتے ہیں:

اس کے بعد جہاد کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَکُوا (الآیۃ) کیا تمہارا خیال ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیئے جاؤ گے اور تمہارا امتحان نہ ہوگا؟ ایسا خیال نہ کرو امتحان ضرور ہوگا اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جان لے گا جنہوں نے جہاد کیا اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سے سچی محبت کرنے والے عملی طور پر ان لوگوں سے علیحدہ ہو کر ممتاز ہو جائیں گے جنہوں نے جہاد سے جان چھڑائی اور جنہوں نے کافروں اور مشرکوں کو راز دار بنایا۔

جہاد مومن اور منافق میں امتیاز کرتا ہے:

امام رازی حضرت ابن عباس کا یہ قول نقل فرماتے ہیں:

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے قتال فی سبیل اللہ کو فرض کیا تو منافق اور غیر منافق واضح ہو گئے اور مسلمانوں سے دوستی کرنے

والے اور ان سے دشمنی کرنے والے بھی الگ الگ ہو گئے۔
(تفسیر کبیر)

نکتہ:

یہ پوری دنیا میں جہاں بھی جہاد ہوتا ہے وہاں آپ یہ منظر ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔ کچھ مسلمان کفار کے خلاف جہاد کرتے ہیں جبکہ کچھ مسلمان کہلانے والے لوگ کافروں کے دوست، معاون اور ہم راز بن جاتے ہیں۔ جہاد شروع ہونے سے پہلے یہ سب طبقے خود کو مسلمان کہتے تھے مگر جیسے ہی جہاد شروع ہوتا ہے چھانٹی شروع ہو جاتی ہے اور منافق بھاگ بھاگ کر کافروں کے سائے میں پناہ ڈھونڈتے ہیں اور ان کو اپنی دوستی کا یقین دلاتے ہیں اور ان کے اتحادی بن جاتے ہیں یوں جہاد کی برکت سے مومن اور منافق الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دو طرح کے امتحانات:

امام رازی کی رائے یہ ہے کہ آیت میں دو طرح کے امتحانات کا تذکرہ ہے پہلا امتحان یہ ہوتا ہے کہ ایمان کا دعوی کرنے والوں میں سے کون جہاد کرتا ہے اور کون نہیں کرتا۔ پھر جہاد کرنے والوں کا امتحان ہوتا ہے کہ ان میں کون اخلاص کے ساتھ جہاد کرتا ہے اور کون اپنی ذاتی اغراض کے لئے جہاد کے دوران کافروں سے یاریاں اور دوستیاں باندھتا ہے۔ پس جو اخلاص کے ساتھ جہاد کرتا ہے وہ مومن اور جو ذاتی اغراض کے لئے لڑتا ہے اور کافروں سے یاریاں بناتا ہے وہ منافق۔

صاحب تفسیر ماجدی نے اس امتحان کو یوں ذکر کیا ہے کہ اصل امتحان تو یہ ہے کہ جب اپنے ہم وطنوں اپنے عزیزوں اور قریبی رشتہ داروں سے قتال کرنا ہو گا، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر، اپنے ہر تعلق اور ہر محبت کو قربان کرنا ہو گا (تفسیر ماجدی)

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِينَ ---

مشرکین مکہ کا مسجد حرام کی خدمت کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی حیثیت نہیں رکھتا جبکہ وہ مشرک اپنے شرک پر کھلم کھلا قائم ہیں۔ یہ اپنے شرکیہ عقائد اور اعمال کی وجہ سے اس قابل ہر گز نہیں کہ مسجد حرام کا انتظام سنبھالیں اور وہاں عبادت کریں اگر کرنا بھی چاہیں تو انہیں اس سے روکا جائے گا۔ ان کے سب اچھے اعمال بے کار ہیں اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

اس لئے ان کے ساتھ براءۃ کا اعلان بالکل حق ہے اور یہ اعلان بھی برحق ہے کہ اگلے سال کوئی مشرک حج نہیں کرے گا۔ اور ان کے ساتھ قتال بھی حق ہے مسجد حرام کی خدمت کی وجہ سے ان کو چھوڑا نہیں جا سکتا بلکہ مسجد حرام کو ان کے وجود سے پاک کرنا ضروری ہے۔

حضرت لاہوری لکھتے ہیں:

مشرکین اگر بعض اعمال صالحہ کے پابند ہوں تو ان کے خلاف جہاد رک نہیں جائے گا لہذا قریش مکہ کے خلاف جہاد اس وجہ سے ترک نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مسجد حرام کے مجاور ہیں (حاشیہ حضرت لاہوری)

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ --

مساجد کو آباد رکھنا صرف ان لوگوں کا کام ہے جو دل سے اللہ، رسول اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور نماز، زکوۃ اور اسلامی فرائض کی پابندی کرتے ہیں اور اللہ تعالی کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اس لئے مساجد کی حفاظت اور تطہیر کی خاطر جہاد کے لئے تیار رہتے ہیں ایسے مؤمنین جو دل، زبان، ہاتھ پاؤں، مال و دولت ہر چیز سے اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار ہیں ان کا فرض منصبی ہے کہ مساجد کو آباد رکھیں اور تعمیر مساجد کے جھوٹے دعوے رکھنے والے مشرکین کو خواہ وہ

اہل قرابت ہی کیوں نہ ہوں وہاں سے نکال باہر کریں کیونکہ ان کے وجود سے مساجد اللہ کی آبادی نہیں بربادی ہے۔ (خلاصہ تفسیر عثمانی وغیرہ)

مساجد کی حفاظت جہاد سے ہے اور جہاد کی دعوت اور تربیت مساجد سے ہے مساجد آباد کرنا ایمان والے مجاہدین کا کام ہے، مجاہدین مساجد سے دور ہوتے ہیں تو ان کا جہاد کمزور پڑ جاتا ہے۔ مجاہدین کے ذمہ لازم ہے کہ مساجد کو آباد رکھیں اور مساجد کی حفاظت کریں۔

اس کے ذیل میں یہ بات بھی ذہن نشین ہونی چاہیے کہ جہاد فرض عین ہونے کی صورت میں مساجد کی تزئین و آرائش پر پیسہ خرچ کرنا بھی جائز نہیں، تزئین و آرائش یا بلاضرورت مساجد پر خرچ کرنے کے بجائے جہاد اور مجاہدین پر خرچ کرنا زیادہ ضروری ہے۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۔۔

مفسرین حضرات نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

مشرکین مکہ کو اس پر بڑا ناز تھا کہ ہم حاجیوں کی خدمت کرتے، انہیں پانی پلاتے، کھانا کپڑا دیتے اور مسجد حرام کی مرمت یا غلاف کعبہ یا روشنی وغیرہ کا انتظام کرتے ہیں اگر مسلمان اپنے جہاد و ہجرت وغیرہ پر نازاں ہیں تو ہمارے پاس عبادات کا یہ ذخیرہ موجود ہے۔ ایک زمانہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابلے میں اس طرح کی بحث کی تھی بلکہ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک دفعہ چند مسلمان آپس میں جھگڑ رہے تھے (یعنی بحث کر رہے تھے کوئی کہتا تھا کہ میرے نزدیک اسلام لانے کے بعد حاجیوں کو پانی پلانے سے زیادہ کوئی عبادت نہیں۔ دوسرے نے کہا میرے خیال میں اسلام کے بعد بہترین عمل مسجد حرام کی خدمت ہے مثلاً جھاڑو دینا یا مسجد میں چراغ جلانا وغیرہ تیسرا بولا کہ جہاد فی سبیل اللہ تمام عبادات و اعمال سے افضل واشرف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو ڈانٹا کہ تم جمعہ کے وقت منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر اسطرح بحثیں کر رہے ہو، ذرا صبر کرو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ سے فارغ ہو جائیں گے آپ سے یہ چیز دریافت کر لی جائے گی چنانچہ جمعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ **أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الحرام الخ** یعنی حاجیوں کو پانی پلانا اور مسجد حرام کا ظاہری طور پر بسانا، ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ میں سے کسی ایک کے برابر بھی نہیں ہو سکتا افضل ہونا تو دور کی بات ہے یہاں جہاد کیساتھ ایمان باللہ کا ذکر یا تو اس لئے کیا کہ مشرکین کے فخر و غرور کا جواب بھی ہو جائے کہ تمام عبادات کی روح ایمان باللہ ہے، اس روح کے بغیر حاجیوں کو پانی پلانا یا مسجد حرام کی خدمت کرنا محض مردہ عمل ہے۔ تو یہ بے جان اور مردہ عمل ایک زندہ جاوید عمل کی برابری کیسے کر سکتا ہے؟ **وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الأموات** (فاطر) اور اگر مؤمنین کے باہمی اعمال کا موازنہ کرنا ہے تو ایمان باللہ کا ذکر جہاد فی سبیل اللہ کی تمہید کے طور پر ہو گا۔ اصل مقصود جہاد کی افضلیت کا بیان فرمانا ہے ایمان کے ذکر سے تنبیہ فرمادی کہ جہاد فی سبیل اللہ ہو یا کوئی عمل ایمان کے بغیر کچھ بھی نہیں...

حضرت لاہوری لکھتے ہیں:

مسلمان مسجد میں بیٹھ کر ذکر و فکر کرنے اور ان کے آباد رکھنے کو ترک جہاد کا عذر نہیں بنا سکتے۔

نکتہ:

مساجد کو آباد رکھنا بھی مجاہدین کی ذمہ داری ہے لیکن یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مساجد کو آباد کرنے کے بہانے شیطان جہاد سے محروم نہ کر دے۔

الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجٰهَدُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ ۔۔

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا ان لوگوں کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک میں بہت اونچا درجہ ہے اور یہی لوگ مکمل اور پورے کامیاب ہیں اللہ تعالی ان کو خوشخبری دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت کی ، اور بڑی رضا مندی کی اور ایسی جنتوں کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمتیں ہونگی یہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے پاس بہت بڑا اجر ہے ....

مبارکبادیاں:

ایمان و ہجرت کے بعد جانی اور مالی جہاد کرنے والوں کا درجہ بہت بلند ہے ایسے لوگوں کو رحمت ، رضوان اور جنت کی مبارکبادیاں مل رہی ہیں، ان نعمتوں سے کبھی علیحدہ نہیں کیے جائیں گے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ سے ایک مؤمن کو اللہ پاک کے قرب خاص (جس کا اشارہ عند اللہ کے لفظ میں ہے) میں بڑے درجات ملتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ پاک کی رضا نصیب ہوتی ہے۔ پس مسلمانوں کو جہاد میں سبقت کرنی چاہیے اور وہ لوگ جنہوں نے جہاد کو اپنی زندگیوں سے یکسر نکال دیا ہے ان کو فکر کرنی چاہیے۔

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ ۔۔

ایمان والوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور حکم پر قریبی رشتہ داروں کو ترجیح نہ دیں۔ اور اگر ان کے قریبی رشتہ دار کفر پر پکے ہوں تو ان سے دوستی نہ رکھیں جس نے یہ غلطی کی اور اپنے قریبی رشتہ داروں کی محبت میں آکر ہجرت اور جہاد کو چھوڑا تو ایسے لوگ ظالم ہوں گے۔

رشتہ داروں کے ساتھ حد سے زیادہ تعلق کی مذمت:

آیات مذکورہ میں ہجرت اور جہاد کے فضائل کا بیان آیا ہے، جن میں وطن اور اعزہ، اقارب اور احباب و اصحاب اور احوال و املاک سب کچھ چھوڑنا پڑتا ہے، اور ظاہر ہے کہ انسان کی طبیعت پر یہ کام سب سے زیادہ شاق اور دشوار ہیں، اس لئے اگلی آیت میں ان چیزوں کے ساتھ حد سے زیادہ تعلق اور محبت کی مذمت فرما کر مسلمانوں کے ذہنوں کو ہجرت و جہاد کے لئے آمادہ کیا گیا ہے۔ ارشاد فرمایا: يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ الاية .. ماں باپ، بہن بھائی اور تمام رشتہ داروں سے تعلق کو مضبوط رکھنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت سے سارا قرآن بھرا ہوا ہے۔ مگر اس آیت میں یہ بتلا دیا کہ ہر تعلق کی ایک حد ہے، ان میں سے ہر تعلق خواہ ماں باپ اور اولاد کا ہو، یا حقیقی بھائی بہن کا اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کے مقابلے میں نظر انداز کرنے کے قابل ہے، جس موقع پر یہ دونوں رشتے ٹکرا جائیں تو پھر رشتہ و تعلق اللہ و رسول کا ہی قائم رکھنا چاہیے، اس کے مقابلہ میں سارے تعلقات سے قطع نظر کرلینا چاہیے۔ (بیان و معارف القرآن)

ایک اہم سبق:

مسلمانوں کو دنیا میں ایک عظیم مقصد کے لئے بھیجا گیا ہے۔ پورے عالم میں اسلام کی دعوت اور سر بلندی کی خاطر مسلمان ہر وقت ہجرت اور جہاد کیلئے تیار رہتا ہے۔ پس اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ خود کو حد سے زیادہ گھریلو انسان نہ بنالے کہ بس اپنے گھر کا ہو کر اجتماعی ذمہ داریوں سے غافل ہو جائے۔ والدین، اولاد، اہل خانہ اور رشتہ داروں کی محبت خود پر اتنی غالب نہ کرلے کہ پھر انہیں جہاد کی خاطر چھوڑ نہ سکے ہر انسان نے مر جانا ہے۔ وہ لوگ بھی دنیا سے چلے گئے جنہوں نے سب کچھ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ آپ نے پچھلی آیت میں پڑھ لیا کہ ان کے لئے اللہ

پاک کے خاص قرب میں خوشیاں ہی خوشیاں نعمتیں ہی نعمتیں اور رحمتیں ہی رحمتیں ہیں۔ اور وہ لوگ بھی مر گئے جو اپنے اہل خانہ اور بچوں کے ساتھ چمٹے رہے اور ہجرت و جہاد سے محروم رہے ایسے لوگوں کو مرتے ہی عذاب کا سامنا کرنا پڑا۔ دنیا میں ہر کسی نے دوسرے سے جدا ہونا ہی ہوتا ہے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اللہ پاک کی رضا کے لئے یہ جدائی برداشت کرتے ہیں، بدر و احد نے بھی یہ سبق دیا کہ جہاں باپ بیٹے کی تلواریں آپس میں ٹکراتی رہیں وہیں رومی حبشی و فارسی ایک دوسرے پر جان نچھاور کرتے رہے، اور یہی اسلام کا اصل درس اخوت ہے۔ ایسے ہی لوگ کامیاب اور آخرت میں اللہ تعالی سے خوب خوب بدلہ پاتے ہیں۔

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَابْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ --

امام قرطبی نے اس آیت مبارکہ کے ذیل میں درج ذیل حدیث ذکر فرمائی ہے:

یعنی شیطان آدمی کے لئے تین راستوں پر مورچہ لگاتا ہے (یعنی اسکی تاک میں بیٹھتا ہے)

(۱) وہ اسلام قبول کرنے کے راستے میں بیٹھتا ہے اور آدمی سے کہتا ہے تم کیوں اپنا اور اپنے آباو اجداد کا دین چھوڑتے ہو آدمی اسکی بات نہیں مانتا اور اسلام قبول کر لیتا ہے۔

(۲) وہ اس کے ہجرت کے راستے میں بیٹھتا ہے اور اسے کہتا ہے کیا تم اپنے مال اور گھر والوں کو چھوڑ رہے ہو (یعنی مال اور اہل و اولاد کی محبت کا جذبہ جگا کر ہجرت سے روکتا ہے) آدمی اس کی بات نہیں مانتا اور ہجرت کر لیتا ہے۔

(۳) پھر شیطان جہاد کے راستے میں بیٹھتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ تم جہاد کرو گے تو مارے جاؤ گے پھر تمہاری بیوی کی شادی (کسی اور سے) کر دی جائے گی اور تمہارا مال تقسیم کر دیا جائے گا، آدمی اسکی بات نہیں مانتا اور جہاد کرتا ہے تو اللہ تعالی نے اپنے ذمہ لازم فرمالیا ہے کہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔ (القرطبی) امام قرطبی نے اسے حدیث صحیح قرار دیا ہے)

اس آیت میں جہاد کی فضیلت کا بیان ہے:

امام قرطبی فرماتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمان «وجهاد في سبيله» میں جہاد کی فضیلت پر دلیل ہے اور اس پر کہ جہاد کو ترجیح دینی چاہیے نفس کی راحت پر اور مال واہل سے محبت اور تعلق پر۔ (القرطبی)

علامہ بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ آیت (کے حکم) میں بڑی شدت ہے اور کم ہیں ایسے لوگ جو اس (وعید) سے بچے رہتے ہیں۔ یعنی جن کو اللہ، رسول اور جہاد کی محبت ہر چیز سے زائد ہو ایسے لوگ کم ہیں۔ (تفسیر مظہری)

ولَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ ---

جہاد میں فتح اللہ تعالیٰ کی نصرت سے نصیب ہوتی ہے، اے مسلمانو! قلت تعداد کو عذر بنا کر جہاد نہ چھوڑو اور جب تمہاری تعداد زیادہ ہو تو اس پر فخر و ناز نہ کرو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں کتنی لڑائیوں میں اپنی نصرت دے کر غالب فرمایا مثلاً غزوہ بدر، غزوہ بنی قریظہ، غزوہ بنی نضیر، حدیبیہ، غزوہ خیبر اور فتح مکہ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں حنین میں بھی جس کا قصہ عجیب و غریب ہے اپنی نصرت سے غلبہ عطا فرمایا جبکہ واقعہ یہ ہوا تھا کہ تم اپنی زیادہ تعداد پر ناز کر رہے تھے پھر وہ زیادہ تعداد تمہارے کسی کام نہ آئی اور کفار کی تیر اندازی اور حملے سے تمہیں ایسی پریشانی پہنچی کہ زمین تم پر باوجود کشادہ ہونے کے تنگ ہوگئی اور تم میں سے اکثر افراد میدان چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر اپنی نصرت اور فتح کے یقین کا خاص سکون نازل فرمایا اور مسلمانوں پر بھی سکینت نازل فرمائی اور مدد کیلئے آسمان سے ایسے فرشتے نازل فرمائے جن کو عام

طور پر تم نے نہیں دیکھا اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کو تمہاری تلواروں سے سزادی کہ انہیں شکست ، ذلت ، موت، اور قید و بند کا سامنا ہوا پھر اللہ تعالیٰ ان کافروں میں سے جس کو چاہے توبہ نصیب کر دے چنانچہ ان میں سے بہت سے مسلمان ہو گئے اور اللہ تعالی بڑی مغفرت کرنے والا ہے کہ کافروں کو بھی توبہ کی توفیق دے کر معاف فرما دیتا ہے اور بہت رحمت کرنے والا ہے کہ اپنے اولیاء کو شکست کے بعد فتح سے ہمکنار فرما دیتا ہے۔

سبق ۱: قلت تعداد کو جہاد چھوڑنے کا عذر نہ بناؤ:

حضرت لاہوری لکھتے ہیں:

قلت تعداد مانع جہاد نہیں ہو سکتی فتح خدا تعالیٰ کے ارادہ سے ہوتی ہے خواہ فوج اسلام تھوڑی ہی ہو، بلکہ بعض اوقات کثرتِ فوج کے گھمنڈ نے مسلمانوں کو نیچا دکھایا۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

بعض لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ہماری تعداد کم تھی، ہمارے پاس سامان حرب نہیں، ہم ویسے بھی کمزور اور ناتواں ہیں اور مخالفین تعداد کے اعتبار سے شان و شوکت کے اعتبار سے سامان حرب کی فراوانی اور ذرائع و وسائل کی کثرت کے اعتبار سے ہم پر کہیں زیادہ فوقیت رکھتے ہیں، اس لئے ایسے موقع پر دشمن سے جنگ کرنی ہلاکت کے مترادف ہے اور خود قرآن میں تصریح ہے **وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التهلكة** (یعنی وہ لوگ اس آیت کا غلط مطلب نکال کر خود کو جہاد سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں) ان لوگوں کو جواب دیا جاتا ہے **لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ الآية** ان آیات نے بتادیا کہ قلیل تعداد کا عذر کر کے مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے نہ رکنا چاہیے اس لئے کہ جنگ میں کامیابی کے لئے کثرت تعداد کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ صبر و استقامت، استقلال و ثابت قدمی اور ایثار و سرفروشی کی ضرورت ہے۔ (تفسیر الفرقان)

سبق ۲: اپنی کثرت اور فوجی قوت پر گھمنڈ نہ کرو۔

سبق ۳: اللہ کی مدد و نصرت کے واقعات یاد کرنے سے قوت ملتی ہے۔

سبق ۴: جس گناہ کی وجہ سے نصرت اٹھ جائے اسے چھوڑ دیں تو نصرت واپس آجاتی ہے۔

سبق ۵: جہاد کرتے ہوئے خود کو ٹھیک کریں ،(جہاد کے دوران اگر کوئی غلطی ہو جائے تو اسے دوران جہاد درست کرنا چاہیے ، غلطی کے باوجود جہاد کو ترک نہیں کرنا چاہیے)

سبق ۶: جہاد کفر سے توبہ کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔

سبق ۷: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث بہادر ہونے چاہئیں بزدلی ان کو زیب نہیں دیتی۔

سبق ۸: مغلوب کافروں کے ایمان سے مایوس نہ ہوں۔

سبق ۹: جو دین کو دنیا پر ترجیح دے گا اللہ تعالی اسے دین و دنیا دونوں سے نوازے گا

سبق ۱۰: کافروں کے لیے اصل شکست ہی ہے۔ اگر انہیں کبھی کوئی فتح ملتی ہے تو وہ فتح ان کے حق ہونے کی دلیل ہے، بلکہ وہ مسلمانوں کی کمزوری ترک جہاد کے سبب ہی ملتی ہے۔

يَأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ ۔۔

اے ایمان والو! مشرک تو پلید ہیں سو اس برس کے بعد مسجد حرام کے نزدیک نہ آنے پائیں اور اگر تم تنگدستی سے ڈرتے ہو تو آئندہ اللہ تعالی اگر چاہے تمہیں اپنے فضل سے غنی کر دے گا بے شک اللہ تعالی جاننے والا حکمت والا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے شرک کی قوت کو توڑ کر جزیرۃ العرب کا مرکزی مقام مکہ معظمہ فتح کرا دیا اور عرب کے قبائل جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہونے لگے تب ۹ھ میں یہ اعلان کرایا گیا کہ آئندہ کوئی مشرک (یا کافر) مسجد حرام میں داخل نہ ہو بلکہ اس کے نزدیک یعنی حدود حرم میں بھی نہ آنے پائے کیونکہ ان کے دل شرک و کفر کی نجاست اور

گندگی سے اس قدر پلید اور ناپاک ہیں کہ اس سب سے بڑے مقدس مقام اور توحید و ایمان کے مرکز میں داخل ہونے کے لائق نہیں اس کے بعد صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیرۃ العرب سے مشرکین اور یہود و نصاری سب کو نکال دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری وصیت کے موافق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ حکم عملا نافذ ہوا اب بطور غلبہ یا توطن (یعنی وطن بنانے کے) کفار کے وہاں رہنے پر مسلمانوں کا رضا مند ہونا جائز نہیں بلکہ اپنی استطاعت کے مطابق جزیرۃ العرب کو مشرکوں اور کافروں سے پاک رکھنا مسلمانوں کا فریضہ ہے۔

حرم میں مشرکین کی آمد و رفت بند کر دینے سے مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ تجارت وغیرہ کو بڑا نقصان پہنچے گا اور جو سامان تجارت یہ لوگ لاتے تھے وہ نہیں آئے گا اس لئے تسلی دی کہ اس سے مت گھبراؤ، تمہاری خوشحالی اللہ کی چاہت پر موقوف ہے وہ چاہے گا تو کچھ دیر نہ لگے گی چنانچہ ایسا ہی ہوا اللہ تعالی نے سارا ملک مسلمان کر دیا مختلف ملکوں اور شہروں سے تجارتی سامان آنے لگا بارشیں خوب ہوئیں جس سے پیداوار بڑھ گئی فتوحات اور غنیمت کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اہل کتاب وغیرہ سے جزیہ کی رقوم وصول ہونے لگیں ، الغرض مختلف طرح سے اللہ تعالیٰ نے غنا اور خوشحالی کے اسباب جمع فرما دیئے بے شک اللہ پاک کو ہر چیز کا پورا علم ہے اور اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں (تفسیر عثمانی تسہیل)

نکتہ : مشرکین کے ساتھ جہاد کرنے میں اگر بعض دنیاوی ضروریات کے میسر نہ آنے کا خطرہ لاحق ہو تو یہ عذر بھی مانع جہاد نہیں ہو سکتا اگر وہ ضرورت واقعی ہے تو اللہ تعالیٰ کسی دوسری جگہ سے پوری کر دے گا حاصل یہ ہے کہ اقتصادی خطرات بھی مانع جہاد نہیں ہو سکتے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

قرآن کریم کی یہ آیت اس بت کو پاش پاش کرتی ہے اور مسلمانوں کو سمجھاتی ہے کہ رزق تو پاک ہونا چاہئے یہ کیا کہ تم نے اپنی روزی نجس اور ناپاک مشرکوں اور کافروں سے وابستہ کر لی ہے۔ روزی اللہ پاک کے ہاتھ میں ہے۔ اس پر توکل کر کے جہاد کرو تو پھر وہ تمہیں اپنے چھپے ہوئے خزانے دکھائے گا اور تمہیں ان کافروں کا محتاج نہیں رہنے دے گا۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ ۔۔۔

مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاری سے قتال کریں ان سے برابر لڑتے رہیں یہاں تک کہ (یا تو وہ ایمان لے آئیں یا) مسلمانوں کے غلبے کو تسلیم کر کے ان کے محکوم بن کر جزیہ ادا کریں یہود و نصاری کے خلاف جہاد کا یہ حکم اس لئے دیا جا رہا ہے کیونکہ وہ۔

(۱) اللہ تعالیٰ پر جیسا ایمان لانا چاہئے ویسا ایمان نہیں لاتے یہی ان کے خلاف جہاد کو واجب کرنے کی اصل وجہ ہے یعنی ان کا کفر۔

(۲) اور وہ آخرت کو بھی ٹھیک طرح سے نہیں مانتے۔

(۳) وہ ان چیزوں کو حرام قرار نہیں دیتے جن کو اللہ تعالی اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا۔

(۴) وہ حق دین کو اختیار نہیں کرتے۔

ان چار وجوہات کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد جاری رکھو یہاں تک کہ ان کی قوت حکومت اور شوکت ٹوٹ جائے۔ اور وہ اسلام کے غلبے اور اسلام کے قانون کو تسلیم کر لیں اور مسلمانوں کی رعایا بن کر ان کو جزیہ ادا کریں معلوم ہوا کہ یہ چار خرابیاں جن میں پائی جائیں گی ان کے خلاف جہاد ہو گا . یعنی اس آیت میں بتلا دیا گیا کہ تمام کافروں کے مغلوب ہونے تک جہاد ہو گا ..... کیونکہ اہل کتاب عام کافروں کے مقابلے میں اچھے سمجھے جاتے ہیں اور وہ اپنی نسبت انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابوں کی طرف بھی کرتے ہیں تو جب ان چار خرابیوں کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد کا حکم ہے تو عام

کافروں کے لئے یہ حکم بطریق اولی ثابت ہو گا۔

مسلمانوں کے لئے روزی کا انتظام:

اس آیت کا پچھلی آیت کے ساتھ ربط بیان کرتے ہوئے کئی مفسرین نے فرمایا ہے کہ پچھلی آیت میں مسلمانوں سے وعدہ تھا کہ وہ معاشی نقصان کے ڈر سے جہاد نہ چھوڑیں اللہ پاک عنقریب انہیں غنی فرمادے گا تو اس آیت میں فرما دیا۔ کہ مسلمانوں کے لئے دنیا بھر کے کافروں سے جزیہ آئے گا جس سے ان کی روزی کا بہترین بندوبست ہو جائے گا۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو حرم شریف آنے سے منع فرمادیا تو بعض مسلمانوں کے دل میں اس تجارت کے ختم ہونے کا اندیشہ آیا جو وہ مشرکین سے کرتے تھے تو اللہ پاک نے (پچھلی آیت میں) فرمایا وان خفتم عیلہ الخ۔

یعنی اس آیت میں اللہ پاک نے جزیہ کو حلال فرمادیا جو پہلی امتوں میں نہیں لیا جاتا تھا اور اس کو اس نقصان کا عوض بنادیا جو مشرکین کے ساتھ تجارت ختم ہونے سے مسلمانوں کو پہنچا تھا۔

تفسیر مظہری میں ہے:

مجاہد نے کہا ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو رومیوں سے جہاد کا حکم دیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی اس کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک پر تشریف لے گئے (تفسیر مظہری)

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللَّهِ ---

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

اس آیت میں مسلمانوں کو یہود و نصاری کافروں کے خلاف قتال پر ابھارا جارہا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس پر کیسی بری اور بہتان والی بات کرتے ہیں (پس اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے اور توحید چھوڑنے کی وجہ سے ان کے خلاف جہاد کیا جائے)۔ (تفسیر ابن کثیر)

حضرت لاہوری لکھتے ہیں:

یہود و نصاری کے انبیاء ہمارے قریب تر زمانہ کے ہیں لیکن جب یہ لوگ توحید کو چھوڑ کر شرک میں مبتلا ہو چکے ہیں اور ان سے لڑنا لازم ہے تو باقی قومیں جن کے انبیاء علیہم السلام ان سے بھی پرانے ہیں وہ بطریق اولی راہ راست سے زیادہ دور ہو چکی ہیں لہذا مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ ساری قوموں کو درست کریں۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللّٰهِ --

یہود و نصاری سے قتال کی وجوہات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ عقیدے کے شرک کے ساتھ ساتھ عمل کے شرک میں بھی مبتلا ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے علماء اور راہبوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اپنا رب بنا رکھا ہے اور حضرت مسیح بن مریم کو بھی رب بنا رکھا ہے۔

یعنی وہ اپنے علماء اور مشائخ کو حلال و حرام کے فیصلے کرنے کا اختیار دیتے ہیں اور اس معاملے میں ان کی اس طرح اطاعت کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جاتی ہے۔ پس یہ بھی توحید فی الطاعہ کا انکار اور شرک ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام کو تو اللہ تعالیٰ کا (نعوذ باللہ) بیٹا اور جزء مانتے ہیں۔ حالانکہ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ فقط ایک معبود برحق کی عبادت کریں جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہ ان کے شرک سے بلند اور پاک ہے۔

حضرت لاہوری لکھتے ہیں:

خدا تعالی اور اس کے قانون اور اس کے انبیاء علیہم السلام کا اتباع چھوڑ کر علماء سوء اور بناوٹی صوفیوں کے پیچھے لگ گئے ہیں اور ان سے وہی تعلقات قائم کر لئے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص تھے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

ان دونوں فرقوں نے ایک اور غضب ڈھا رکھا تھا وہ یہ کہ یہود نے اپنے مولویوں کو اور نصاری نے اپنے درویشوں اور

مسیح علیہ السلام کو خدا بنا رکھا تھا، احبار اور رہبان کو خدا بنانے کی یہ صورت تھی کہ وہ تورات اور انجیل کے خلاف اور عقل کے خلاف جو فتوی دیتے تھے یہ اسے خدا کے حکم کے برابر جانتے تھے، رومہ کے پوپ خدائی کرتے تھے (تفسیر حقانی) اس میں ہمارے لیے بھی بہت بڑا سبق ہے جو علماء سوء حکمرانوں کی خواہش پر رب تعالی کے احکامات میں ردو بدل کرتے ہیں ان کی مثال بھی پوپ اور پادریوں جیسی ہی ہے ۔اور حکمرانوں کی بھی یہی خواہش ہے کہ علماء ایسا دین بنا کر دیں جسمیں جہاد اور اسلامی نظام کا ذکر نہ ہو، تباہی ہے ایسے نام نہاد علماء کے لیے جو حکمرانوں کی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے عوام کو گمراہ کرتے اپنی اور عوام دونوں کی آخرت تباہ کرتے،اللھم احفظنا منھم

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ

یہود و نصاری سے قتال کی وجوہات میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دین اسلام کے سخت دشمن ہیں اور وہ اس دین کو مٹانا چاہتے ہیں وہ لوگ اس دین برحق کا انکار اور اس سے دشمنی کرتے ہیں جو کفر ہے وہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نور یعنی دین اسلام کو اپنے منہ کی پھونکوں (سازشوں مخالفتوں، اعتراضوں اور شرارتوں) سے بجھا دیں مگر اللہ پاک ان کافروں کے نہ چاہنے کے باجود اپنے اس نور کو پورا فرمائے گا۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ ۔۔

دین اسلام دنیا میں غالب ہونے کے لئے آیا ہے، اللہ پاک نے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت یعنی قرآن پاک اور دین حق یعنی اسلام دے کر بھیجا ہے تا کہ اس دین کو تمام ادیان پر غالب کر دے اگر چہ مشرکین جن میں یہود و نصاری بھی شامل ہیں جتنا بھی نہ چاہیں۔ پس یہود و نصاری اور دوسرے مشرکین اس دین کے غلبے کو روکنے کی پوری کوشش کریں گے تو ان کے خلاف مسلمانوں کو جہاد کرنا ہو گا تا کہ ان کی قوت ٹوٹ جائے اور وہ دین اسلام کے راستے کی رکاوٹ نہ بن سکیں۔

یہ دین نازل ہی اسی لئے ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان مشرکوں کی منشاء کے خلاف اسلام کو سارے دینوں پر غالب کر دے گا اور یہ دین نازل ہی اسی لئے ہوا ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

اس نے اپنا رسول ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تا کہ سب غلط اور پر اوہام مذاہب پر غالب ہو کر بنی آدم کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تھام لے، سو وہ دین حق کو غالب ہی کر کے رہے گا چنانچہ صحابہ کے عہد میں ایسا ہو چکا یعنی وہ روشنی مشرق سے مغرب تک پھیل گئی اور عہد مہدی علیہ السلام میں پھر پھیلے گی۔ (تفسیر حقانی)

اسلام کا غلبہ باقی ادیان پر معقولیت اور حجت و دلیل کے اعتبار سے، یہ تو ہر زمانہ میں نمایاں طور پر حاصل رہا ہے، باقی حکومت و سلطنت کے اعتبار سے وہ اس وقت حاصل ہوا ہے اور ہو گا، جبکہ مسلمان اصول اسلام کے پوری طرح پابند اور ایمان و تقویٰ کی راہوں میں مضبوط اور جہاد فی سبیل اللہ میں ثابت قدم تھے یا آئندہ ہوں گے اور دین حق کا ایسا غلبہ کہ باطل ادیان کو مغلوب کر کے بالکل صفحہ ہستی سے محو کر دے، یہ نزول مسیح علیہ السلام کے بعد قرب قیامت میں ہونے والا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

البتہ امام رازیؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت میں لیظھرہ علی الدین کلہ کے الفاظ ہیں تو اس سے واضح طور پر ظاہری اور قوت کے اعتبار سے غالب ہونا ہی مراد ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَأْكُلُونَ ۔۔۔

یہود و نصاری سے قتال کی وجوہات میں سے یہ بھی ہے کہ:

ان کی مذہبی قیادت بے حد گمراہ اور لالچی ہو چکی ہے ان کے اکثر علماء اور مشائخ حرام طریقے سے مال حاصل کرتے

ہیں اور دنیا کی خاطر دین کو بیچتے ہیں اور لوگوں کو دین اسلام سے روکتے ہیں (پس ایسے لوگوں کا قوت اور اقتدار میں رہنا انسانیت کے لئے کتنا بڑا نقصان ہے) ان کے عام لوگوں نے علماء اور مشائخ کو اپنا معبود بنا رکھا ہے اور علماء اور مشائخ کی حالت یہ ہے کہ وہ مال اور دنیا کے بے حد حریص اور لالچی ہیں اور مال اور عہدے کی وجہ سے دینِ حق کو قبول نہیں کرتے بلکہ اور لوگوں کو بھی دین حق سے روکتے ہیں اور یہ یہود و نصاری دنیا میں معاشی اور اقتصادی ناہمواری اور ظلم عام کرتے ہیں (یہ لوگ ناجائز سرمایہ داری کے ذریعہ انسانوں کے حقوق پامال کرتے ہیں) یہ لوگ مال کو ذخیرہ کرتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے، قیامت کے دن اس مال سے ان کو عذاب دیا جائے گا۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ ۔۔

یہود و نصاری، مشرکین اور تمام کفار کا ایک جرم یہ بھی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنی خواہشات کی خاطر بدلتے رہتے ہیں اور ان احکامات کے اوقات میں بھی اپنی مرضی سے تبدیلیاں کرتے رہتے ہیں، اس لئے بہت واضح ہدایت دی جارہی ہے کہ مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ہے یعنی ایک سال بارہ قمری مہینوں پر مشتمل ہوتا ہے اور ان میں سے چار مہینے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب زیادہ ادب والے مہینے ہیں، پس اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ سال اور مہینے دینی احکامات میں معتبر ہیں جن میں چار ادب والے مہینے بھی ہوتے ہیں اور ادب والے یہ چار مہینے قمری سال میں ہوتے ہیں پس قمری سال ہی اللہ تعالیٰ کا مقرر فرمودہ سال ہے۔ حرمت والے مہینوں کا یہ حکم ہے کہ ان میں گناہ اور ظلم سے بچنے کا زیادہ اہتمام کیا جائے جب یہود و نصاری اور تمام مشرکین کے جرائم معلوم ہو گئے تو اے مسلمانو! تم ان تمام مشرکین سے ہر حال میں لڑو، ان سے قتال کرو جیسے وہ تم سب سے ہر حال میں لڑتے ہیں اور یہ بات دل میں بٹھالو کہ اللہ تعالیٰ کی مدد متقی لوگوں کے ساتھ ہے اور جہاد کے وقت جہاد کرنا تقوے کا اہم تقاضا ہے۔

یعنی یہ یہود و نصاری اور مشرکین کی خرابیوں کی تیسری قسم کا بیان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات میں تبدیلی کرتے ہیں (پس یہ آیت بھی وجوہات قتال پر مشتمل ہے)

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا ۔۔

ان کفار کی طرف سے احکام الٰہی میں مجرمانہ مداخلت کی ایک مثال نسیٔ کی رسم ہے کہ جس میں وہ اپنے بعض سرداروں کی مرضی سے حرمت کے مہینے کو آگے پیچھے کرتے رہتے تھے ان کا یہ عمل کفر میں ان کی مزید ترقی ہے۔ اس کے ذریعہ ان کے بڑے اپنے عام لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں، یہ لوگ حرمت والے مہینوں کی بس گنتی تو پوری کرتے ہیں مگر اللہ کے حرام کیے ہوئے کو حلال کرتے رہتے ہیں، اور انہیں اپنے ان برے اعمال پر کوئی ندامت بھی نہیں بلکہ انہیں یہ برائیاں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا کیونکہ وہ ہدایت پر آنا نہیں چاہتے۔

نسیٔ کا مطلب:

(جب عرب کے مشرک) قبائل کی درندگی اور انتقام کا جذبہ کسی آسمانی یا زمینی قانون کا پابند نہ رہا تو نئی کی رسم نکالی یعنی جب کسی زور آور قبیلہ کا ارادہ ماہ محرم میں جنگ کرنے کا ہوا تو ایک سردار نے اعلان کر دیا کہ اس سال ہم نے محرم کو اشہر حرم سے نکال کر اس کی جگہ صفر کو حرام کر دیا پھر اگلے سال کہہ دیا کہ اس مرتبہ حسب دستور قدیم محرم حرام اور صفر حلال رہے گا۔ اس طرح سال میں چار مہینوں کی گنتی تو پوری کر لیتے تھے لیکن ان کی تعیین میں حسب خواہش رد و بدل کرتے رہتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

اسی سے اندازہ لگائیں کہ مشرکین صرف ایک حکم میں ردو بدل کرنے کے لیے صرف مہینوں کے نام تبدیل کرتے تو انکو کتنی سخت تنبیہ کی گئی، لیکن عصر حاضر میں جمہوریت اور پارلیمنٹ کے ذریعے انسانوں کو پوری شریعت حتی کہ رب کو رب کہنا اور ختم نبوت کی تصدیق بھی ان چند انسانوں کی اجازت پر منحصر ہوگئی، تو سوچیں یہ کتنی بڑی بغاوت اور سرکشی ہے۔

(اگلی آیت جو غزوہ تبوک کے متعلق نازل ہوئی اس سے قبل مختصر اغزوہ تبوک کا ذکر کرتے ہیں)

غزوہ تبوک

معجم طبرانی میں عمران بن حصین سے مروی ہے کہ نصارائے عرب نے ہرقل شاہ روم کے پاس یہ لکھ کر بھیجا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتقال ہو گیا اور لوگ قحط اور فاقوں سے بھوکے مر رہے ہیں۔ عرب پر حملہ کے لئے یہ موقع نہایت مناسب ہے۔ ہرقل نے فوراً تیاری کا حکم دے دیا۔ چالیس ہزار رومیوں کا لشکر جرار آپ کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔ (مجمع الزوائد ج ۲ ص ۱۹۱)

شام کے نبطی سوداگر زیتون کا تیل فروخت کرنے مدینہ آیا کرتے تھے۔ ان کے ذریعے یہ خبر معلوم ہوئی کہ ہرقل نے ایک عظیم الشان لشکر آپ کے مقابلہ کے لئے تیار کیا ہے جس کا مقدمہ الجیش بالقاء تک پہنچ گیا ہے اور ہرقل نے تمام فوج کو سال بھر کی تنخواہیں بھی تقسیم کر دی ہیں۔

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ فوراسفر کی تیاری کی جائے تاکہ دشمنوں کی سرحد (تبوک) پر پہنچ کر ان کا مقابلہ کریں، لمبی مسافت، موسم گرما، زمانہ قحط، گرانی فقر وفاقہ اور بے سروسامانی، ایسے نازک وقت میں جہاد کا حکم دینا تھا کہ منافقین جو اپنے کو مسلمان کہتے تھے، گھبرا اٹھے کہ اب ان کا پردہ فاش ہوا جاتا ہے۔ خود بھی جان چرائی اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر بہکانے لگے: **لا تَنْفِرُوا فِي الحَرِ** ایسی گرمی میں مت نکلو۔

ایک مسخرے نے کہا: لوگوں کو معلوم ہے کہ میں حسین و جمیل عورتوں کو دیکھ کر بے تاب ہو جاتا ہوں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ رومیوں کی پری جمال نازنینوں کو دیکھ کر کہیں فتنہ میں مبتلا نہ ہو جاؤں۔ (ابن سید الناس، عیون الاثر ج ۲ ص ۲۱۵، ابن ہشام، سیرۃ النبی ج ۲ ص ۱۷۰)

مومنین مخلصین سمع وطاعہ کہہ کر جان ومال سے تیاری میں مصروف ہو گئے۔ سب سے پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کل مال لا کر آپ کے سامنے پیش کر دیا جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی۔ (ریاض النضرۃ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا اہل وعیال کے لئے کچھ چھوڑا ہے؟ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: صرف اللہ اور اسکے رسول کا نام۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے نصف مال پیش کیا۔ عبدالرحمن بن عوف نے دوسو اوقیہ چاندی لا کر حاضر کی، عاصم بن عدی نے ستر وسق کھجوریں پیش کیں۔ (زرقانی، شرح مواہب ج ۳ ص ۶۴)

عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار لا کر بارگاہ نبوی میں پیش کیے۔ آپ نہایت مسرور ہوئے، بار باران کو پلٹتے تھے اور یہ فرماتے جاتے تھے کہ اس عمل صالح کے بعد عثمان کو کوئی عمل ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ اے اللہ! میں عثمان سے راضی ہوا، تو بھی اس سے راضی ہو۔ (زرقانی، ابن حجر، فتح الباری ج ۷ ص ۴۴)

اکثر صحابہ نے اپنی اپنی حیثیت کے موافق اس مہم میں امداد کی مگر پھر بھی سواری اور زاد راہ کا پورا سامان نہ ہو سکا، چند صحابہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم بالکل نادار ہیں، اگر سواری کا کچھ تھوڑا بہت ہم کو سہارا ہو جائے تو ہم اس سعادت سے محروم نہ رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرے پاس کوئی سواری نہیں، اس پر وہ حضرات روتے ہوئے واپس ہوئے،

انہی کی شان میں یہ آیتیں نازل ہوئیں:

ولا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا أَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يُنْفِقُونَ (التوبة (۹۲)

اور نہ ان لوگوں پر کوئی گناہ ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئے کہ آپ ان کو جہاد میں جانے کے لئے سواری عطا فرمائیں تو آپ نے یہ فرمایا کہ اس وقت کوئی چیز نہیں پاتا کہ جس پر تم کو سوار کر دوں، تو وہ لوگ اس حال میں واپس ہوئے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں۔ اس غم میں کہ ان کو کوئی چیز میسر نہیں کہ جسے خرچ کر سکیں۔"

عبداللہ بن مغفل اور ابولیلی عبد الرحمن بن کعب جب آپ کے پاس سے روتے ہوئے واپس ہوئے تو راستہ میں یامین بن عمرو نضری مل گئے۔ رونے کا سبب دریافت کیا انہوں نے کہا: نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواری ہے اور نہ ہم میں استطاعت ہے کہ سفر کا سامان مہیا کر سکیں۔ اب افسوس اور حسرت اس چیز کی ہے کہ ہم اس غزوہ کی شرکت سے محروم رہے جاتے ہیں۔ یہ سن کر یامین کا دل بھر آیا۔ اسی وقت ایک اونٹ خریدا اور زاد راہ کا انتظام کیا۔ (زرقانی،)

جب صحابہ چلنے کے لئے تیار ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر کیا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اہل وعیال کی حفاظت اور خبر گیری کے لئے مدینہ میں چھوڑا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ آپ مجھ کو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھ کو مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ (بخاری، ص ۵۲۶، مناقب علی کتاب المناقب)

الغرض آپ تیس ہزار فوج کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔

(ابن سید الناس، عیون الاثر ج ۲ ص ۲۱۶، زرقانی، شرح مواہب ج ۳ ص ۷۳)

مقام عذاب سے گزر:

راستہ میں وہ عبرتناک مقام بھی پڑتا تھا جہاں قوم ثمود پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ جب آپ وہاں سے گزرے تو رسول مبارک صلی اللہ علیہ وسلم نے چہرہ مبارک پر کپڑا الٹکا لیا اور تیز چلنے اور یہاں کا پانی استعمال نہ کرنے کا حکم دیا، جنہوں نے لاعلمی میں پانی بھر لیا تھا انہیں پانی گرانے کا حکم دیا۔

آگے چل کر جب ایک منزل پر ٹھہرے تو پانی نہ تھا سخت پریشان تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کی دعا سے بارش برسا دی جس سے سب سیراب ہو گئے۔ وہاں سے چلے تو اثناء راہ میں آپ کی اونٹنی گم ہو گئی۔ ایک منافق نے کہا: آپ آسمان کی تو خبر بیان کرتے ہیں مگر اپنے ناقہ کی خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم مجھ کو کسی چیز کا علم نہیں مگر وہ جو اللہ نے مجھ کو بتلا دیا ہے اور اب بالہام الٰہی مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ وہ ناقہ فلاں وادی میں ہے اور اس کی مہار ایک درخت سے اٹک گئی ہے جس سے وہ رکی ہوئی ہے۔

چنانچہ صحابہ جا کر اس اونٹنی کو لے آئے۔

(رواہ البیہقی وابو نعیم، زرقانی، شرح مواہب، ج ۳ ص ۷۳)

تبوک پہنچنے سے ایک روز پیشتر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ کل چاشت کے وقت تم تبوک کے چشمہ پر پہنچو گے کوئی شخص اس چشمہ سے پانی نہ لے، جب اس چشمہ پر پہنچے تو پانی کا ایک ایک قطرہ اس میں سے رس رہا تھا۔ بدقت تمام کچھ پانی ایک برتن میں جمع کیا گیا۔ آپ نے اس پانی سے اپنا ہاتھ اور منہ دھو کر پھر اسی چشمہ میں ڈال دیا۔ اس پانی کا ڈالنا تھا کہ وہ چشمہ فوارہ بن گیا، جس سے تمام لشکر سیراب ہوا اور معاذ بن جبل کو مخاطب کر کے فرمایا: اے معاذ! اگر

تو زندہ رہا تو اس خطہ کو باغات سے سرسبز اور شاداب دیکھے گا۔ (رواہ مسلم) ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ آج تک وہ فوارہ جاری ہے۔ دور سے اس کی آواز سنائی دیتی ہے۔

تبوک پہنچ کر آپ نے بیس روز قیام فرمایا، مگر کوئی مقابلہ پر نہیں آیا، لیکن آپ کا آنا بیکار نہیں گیا۔ دشمن مرعوب ہو گئے اور آس پاس کے قبائل نے حاضر ہو کر سر تسلیم خم کیا۔ اہل جربہ، اذرح اور ایلہ (جرباء، اذرح اور ایلہ یہ تینوں شہر علاقہ شام میں ہیں) کے فرماں روانے حاضر خدمت ہو کر صلح کی اور جزیہ دینا منظور کیا۔ آپ نے ان کو صلح نامہ لکھوا کر عطا فرمایا۔ (سیوطی، الخصائص الکبری، ج ا ص ۲۷۳)

اسی مقام سے آپ نے خالد بن ولید کو چار سو میں سواروں کے ساتھ اکیدر کی طرف روانہ فرمایا جو ہرقل کی طرف سے دومۃ الجندل کا حاکم اور فرماں روا تھا۔ آپ نے روانگی کے وقت خالد بن ولید سے یہ فرمایا کہ وہ تم کو شکار کھیلتا ہوا ملے گا، اس کو قتل نہ کرنا، گرفتار کر کے میرے پاس لے آنا، ہاں وہ اگر انکار کر دے تو قتل کر دینا۔ خالد چاندنی رات میں پہنچے، گرمی کا موسم تھا، اکیدر اور اس کی بیوی قلعہ کی فصیل پر بیٹھے ہوئے گانا سن رہے تھے۔ اچانک ایک نیل گائے نے قلعہ کے پھاٹک سے آکر ٹکر ماری۔ اکیدر فوراً ہی مع اپنے بھائی اور چند عزیزوں کے شکار کے لئے اترا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے پیچھے دوڑے۔ تھوڑی ہی دور نکلے تھے کہ خالد بن ولید آپہنچے، اکیدر کے بھائی حسان نے مقابلہ کیا وہ مارا گیا اور اکیدر جو شکار کرنے کے لئے نکلا تھا وہ خود خالد بن ولید کا شکار ہو گیا۔

خالد رضی اللہ نے کہا میں تم کو قتل سے پناہ دے سکتا ہوں بشرطیکہ تم میرے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا منظور کرو۔ اکیدر نے اس کو منظور کیا، خالد بن ولید اکیدر کو لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اکیدر نے دو ہزار اونٹ، آٹھ سو گھوڑے، چار سو زرہیں اور چار سو نیزے دے کر صلح کی۔ (ابن سید الناس، عیون الاثر، ج ۲ ص ۲۲، زرقانی، شرح مواہب ج ۳ ص ۷۷)

مسجد ضرار:

بیس روز قیام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے مدینہ منورہ واپس ہوئے۔ جب آپ مقام ذی آوان میں پہنچے جہاں سے مدینہ ایک گھنٹہ کے راستے پر رہ جاتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن دخشم اور معن بن عدی کو مسجد ضرار کے منہدم کرنے اور جلانے کے لئے آگے بھیجا۔ یہ مسجد منافقین نے اس لئے بنائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف اس میں بیٹھ کر مشورے کریں۔ جس وقت آپ تبوک جا رہے تھے اس وقت منافقین نے آکر آپ سے درخواست کی کہ ہم نے بیماروں اور معذوروں کے لئے ایک مسجد بنائی ہے۔ آپ چل کر اس میں ایک مرتبہ نماز پڑھ دیں تاکہ وہ مقبول اور متبرک ہو جائے۔ آپ نے فرمایا اس وقت تو میں تبوک جا رہا ہوں واپسی کے بعد دیکھا جائے گا۔ واپسی کے بعد آپ نے ان دو حضرات کو حکم دیا کہ اس مسجد کو جلا دیں اور یہ آیتیں اس کے بارے میں اتری ہیں:

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوا مَسْجِداً ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّ تَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ---

اور جن لوگوں نے ایک مسجد بنائی مسلمانوں کو ضرر پہنچانے کے لئے اور کفر کرنے کے لئے اور اہل ایمان میں تفرقہ ڈالنے کے لئے اور قیام گاہ بنانے کے لئے اس شخص کے لئے کہ جو اللہ اور اس کے رسول سے پہلے ہی برسرپیکار ہے اور قسمیں کھائیں گے کہ ہماری نیت سوائے بھلائی کے اور کچھ نہیں اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔

غزوہ تبوک میں پیچھے رہنے والے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک روانہ ہوئے تو مومنین مخلصین بھی آپ کے ہمرکاب روانہ ہوئے۔ منافقین

کا ایک گروہ شرکت سے رہ گیا لیکن چند مومنین مخلصین نفاق کی وجہ سے نہیں بلکہ بعض کسی عذر سے اور بعض بمقتضائے بشریت گرمی اور لو کی تکلیف سے گھبرا کر پیچھے رہ گئے۔

ابوذر غفاری کا اونٹ لاغر اور دبلا تھا اس لئے یہ خیال ہوا کہ دو چار روز یہ اونٹ کھا پی کر چلنے کے قابل ہو جائے گا اس وقت میں آپ سے جاملوں گا۔ جب اس اونٹ سے نا امید ہوئے تو اپنا سامان اپنی پشت پر لادا اور پا پیادہ روانہ ہوئے۔ اسی طرح تن تنہا تبوک پہنچے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ کر فرمایا: رحم فرمائے اللہ ابوذر پر اکیلا چلا آ رہا ہے، اکیلا ہی مرے گا اور اکیلا ہی اٹھایا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ربذہ میں تنہا وفات پائی۔

معجم طبرانی میں ابو خیمہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک روانہ ہوئے اور میں مدینہ رہ گیا۔ شدت کی گرمی تھی، ایک دن دوپہر میں میرے اہل خانہ نے چھپر میں چھڑکاؤ کیا اور ٹھنڈا پانی اور کھانا لا کر رکھا۔ یہ منظر دیکھ کر یکا یک دل پر ایک چوٹ لگی کہ واللہ یہ سراسر بے انصافی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو لو اور گرمی میں ہیں اور میں سایہ میں بیٹھا ہوا اس طرح عیش و آرام کر رہا ہوں، فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور کچھ کھجور میں ساتھ لیں اور اونٹ پر سوار ہوا اور نہایت تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب لشکر سامنے آگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور سے دیکھ کر فرمایا: ابو خیمہ آ رہا ہے۔ میں نے حاضر خدمت ہو کر واقعہ بیان کیا۔ آپ نے میرے لئے دعائے خیر فرمائی۔ (ابن حجر، فتح الباری ۸۸، زرقانی شرح مواہب ج ۳ ص ۱۷)

انہیں مومنین صالحین میں سے کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ بھی تھے۔

صحیح بخاری میں کعب بن مالک سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہو گئے اور میں سفر کی تیاری میں تھا۔ یہ خیال تھا کہ ایک دو روز میں جب سامان ہو جائے گا تو آپ سے جاملوں گا۔ اس میں دیر ہو گئی اور قافلہ دور نکل گیا اور مدینہ میں سوائے معذورین اور منافقین کے کوئی باقی نہ رہا، جب یہ منظر دیکھتا تو نہایت رنج ہوتا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک سے واپس تشریف لائے تو منافقین نے جھوٹے عذر بیان کیے۔ آپ نے ظاہری طور پر ان کے عذر قبول کیے اور دلوں کا حال اللہ کے سپرد کیا۔

مغازی ابن عائذ میں ہے کہ کعب بن مالک کہتے ہیں میں نے یہ عزم کر لیا کہ ایسا ہرگز نہ کروں گا کہ غزوہ سے پیچھے بھی رہوں اور پھر اللہ کے رسول سے جھوٹ بھی بولوں، چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام کیا۔ آپ نے اعراض فرمایا، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی آپ مجھ سے کیوں اعراض فرماتے ہیں؟ خدا کی قسم میں نہ منافق ہوا، نہ مجھ کو شک لاحق ہوا ہے اور نہ میں دین اسلام سے پھرا ہوں۔ آپ نے فرمایا پیچھے کیوں رہے؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ میں اگر کسی دنیادار کے سامنے بیٹھا ہوتا تو باتیں بنا کر اس کے غصہ سے نکل جاتا لیکن آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر آج جھوٹ بول کر آپ کو راضی بھی کر لیا تو ممکن ہے کہ کل خداوند ذوالجلال آپ کو مجھ سے ناراض کر دے اور اگر آپ سے سچ سچ کہہ دیا جس سے آپ ناراض ہو جائیں تو مجھ کو اللہ کے فضل سے امید ہے کہ وہ معاف فرمائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے پاس کوئی عذر نہیں۔ میں قصور وار ہوں۔ آپ نے فرمایا: اس شخص نے سچ سچ کہہ دیا ہے۔ اچھا اس وقت جاؤ یہاں تک کہ اللہ تعالی تمہارے بارے میں کوئی حکم نازل فرمائے۔ اسی طرح مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر قصور کا اعتراف کیا۔ آپ نے یہ حکم دیا کہ پچاس دن تک کوئی شخص ان تینوں آدمیوں سے بات نہ کرے۔ چنانچہ سب نے ہم سے سلام و کلام قطع کر دیا۔ خویش و اقارب، دوست احباب سب بیگانے نظر آنے لگے۔ کعب کہتے ہیں کہ میرے دونوں ساتھی ضعیفی

کی وجہ سے خانہ نشین ہو گئے ۔ دن رات گریہ وزاری میں گزرتا۔ میں جوان تھا، میں جماعت میں حاضر ہوتا غرض یہ کہ پچاس دن اسی پریشانی میں گزرے۔ یہاں تک کہ اللہ کی زمین ہم پر تنگ ہو گئی، سب سے زیادہ فکر اس کی تھی کہ اگر اس عرصہ میں موت آگئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان میرے جنازہ کی نماز بھی نہ پڑھیں گے۔

پچاس دن کے بعد یکایک جبل سلع سے مژدہ جانفزا سنائی دیا:

یا کعب بن مالک ابشر

« اے کعب بن مالک تم کو بشارت ہو۔"

یہ سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور سمجھ گیا کہ مشکل دور ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ ان لوگوں کی توبہ مقبول ہوئی۔ ہر طرف سے لوگ مجھ کو اور میرے دونوں ساتھیوں کو خوشخبری اور مبارک باد دینے کے لئے دوڑے، ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ یہ کہتے تھے مبارک ہو تجھ کو، تیری توبہ قبول ہوئی۔ جو شخص میرے پاس خوشخبری لے کر آیا اس کو فوراہی میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر پہنا دیئے ۔ بعد ازاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا آپ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ میں نے مسجد میں قدم رکھا ہی تھا کہ طلحہ بن عبید اللہ دوڑے ہوئے آئے اور مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔ کعب کہتے ہیں حاضرین میں سے اور کوئی شخص نہیں اٹھا خدا کی قسم طلحہ کا یہ احسان میں کبھی نہ بھولوں گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور چاند کی طرح چمک رہا تھا۔ آپ کو سلام کیا آپ نے فرمایا: مبارک ہو تجھ کو وہ دن جو تمام دنوں سے بہتر ہے جب سے تیری ماں نے تجھ کو جنا ہے۔"

کعب بن مالک جس دن اسلام میں داخل ہوئے بے شک وہ دن تمام دنوں سے بہتر تھا لیکن حقیقت میں یہ دن اس دن سے بھی بہتر تھا، اس لئے کہ اس دن میں بارگاہ خداوندی سے ان کی توبہ قبول ہوئی جس سے ان کے ایمان و اخلاص پر ہمیشہ کے لئے مہر ہو گئی اور یہ آیتیں ان کے بارے میں نازل ہوئیں:

لَقَدْ تَّابَ اللَّهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِينَ وَالأَنْصَارِ ۔۔۔(التوبہ) تحقیق اللہ تعالی اپنی خاص رحمت اور عنایت سے متوجہ ہوئے پیغمبر پر اور مہاجرین اور انصار پر جنہوں نے تنگی اور دشواری کے وقت میں نبی کا ساتھ دیا۔ بعد اس کے ایک گروہ کے دل قریب تزلزل کے تھے پھر اللہ نے ان پر توجہ فرمائی اور اللہ بڑا شفیق اور مہربان ہے اور توجہ فرمائی اللہ تعالیٰ نے ان تین شخصوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی اور موقوف تھا۔ یہاں تک کہ جب زمین باوجود کشادہ ہونے کے ان پر تنگ ہو گئی اور ان کی جانیں بھی ان پر تنگ ہو گئیں اور انہوں نے یہ سمجھ لیا کہ اللہ کی گرفت سے کہیں پناہ نہیں سوائے اس کے، تو پھر اللہ تعالی نے ان پر توجہ فرمائی اور ان کا قصور معاف کیا تا کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کریں۔ بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا اور مہربان ہے۔

اے ایمان والو خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔"

میں نے عرض کیا: یارسول اللہ اس توبہ کے شکریہ میں اپنا کل مال خیرات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا: کچھ رہنے دو اس لئے خیبر میں میرا جو حصہ تھا میں نے وہ رکھ لیا اور باقی سب خیرات کر دیا اور عرض کیا: یارسول اللہ اللہ نے مجھ کو محض سچ کی وجہ سے نجات دی ہے۔ میں اپنی توبہ کا تتمہ یہ سمجھتا ہوں کہ مرتے دم تک کبھی سوائے سچ کے کوئی بات نہ کروں گا۔ (ماخوذ از سیرت مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم)

يٰأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۔۔

جہاد میں سستی پر شدید تنبیہ ... جہاد سے روکنے والی بیماری ..... اور اس بیماری کا علاج .....

اے ایمان والو تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے جہاد میں نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو یعنی

کہ اللہ کے راستے جہاد میں نکلو تو تم زمین کو لگے جاتے ہو یعنی گھر بیٹھ جاتے ہو جہاد کے لئے اٹھتے اور چلتے نہیں ہو، یا تم دنیا اور اسکی لذتوں کی طرف مائل ہو جاتے ہو اور سفر جہاد کی مشقت، تکلیف اور تھکاوٹ سے گھبراتے ہو یا تم اپنے گھر اور زمینوں میں رہنے کو ترجیح دیتے ہو۔ خلاصہ یہ کہ دنیا کے تقاضے، زمین، وطن، زندگی اور گھر کی محبت تمہارے پاؤں پکڑ لیتی ہے اور تم ست اور بھاری ہو کر جہاد سے محروم ہو جاتے ہو)۔

شدت سے جہاد پر ابھارنا:

اس آیت میں مسلمانوں کو بڑی شدت سے جہاد پر ہے اور بتلایا ہے کہ تھوڑے سے عیش و آرام میں پھنس کر جہاد کو چھوڑنا گویا بلندی سے پستی کی طرف گر جانے کے مترادف ہے، مومن صادق کی نظر میں دنیا کے عیش و آرام کی آخرت کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہ ہونی چاہئے، حدیث میں ہے کہ اگر خدا کے نزدیک دنیا کی وقعت مچھر کے پر کے برابر ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی کا نہ دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

فقہاء نے اس آیت کے ذیل میں یہ مسئلہ بھی لکھا ہے کہ جن نفیر عام ہو جائے تو ہر شخص پر جہاد فرض ہو جاتا ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ خوب جان لو کہ یہ آیت ہر حال میں جہاد کی فرضیت کی دلیل ہے۔

اِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ۔۔۔

اگر تم نہ نکلو گے تو اللہ تعالی تمہیں دردناک عذاب میں مبتلا کرے گا اور تمہاری جگہ اور لوگ پیدا کرے گا اور تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ سخت وعید اور شدید تنبیہ ان کے لئے جو جہاد میں نکلنے سے سستی کریں۔ ایسے لوگوں کو دنیا آخرت میں دردناک عذاب کا سامنا ہو گا اور اللہ تعالیٰ ان کی جگہ اپنے ایسے فرمانبردار بندوں کو لے آئے گا جو حکم جہاد پر عمل کریں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے دین اور اپنے نبی کی نصرت کرنے میں اور دین کے دشمنوں کو ہلاک کرنے میں کسی کا محتاج نہیں ہے وہ چاہے تو تمہارے جہاد کے بغیر بھی یہ سب کچھ کر سکتا ہے اس لئے جہاد چھوڑ کر تم اپنا ہی نقصان کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو تو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔

سخت وعید:

امام قرطبی لکھتے ہیں:

هذا تهديد شديد و وعيد مؤكد في ترك النفير ...

اور آگے لکھتے ہیں:

فوجب بمقتضاها النفير للجهاد والخروج الى الكفار لمقاتلتهم على ان تكون كلمة اللّٰه هي العليا (القرطبي)

یعنی اس آیت میں سخت تنبیہ اور مؤکد وعید ہے جہاد چھوڑنے پر اور اس آیت سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کفار کے خلاف جہاد کے لئے نکلنا تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو جائے یہ واجب ہے۔ (القرطبی)

یعنی ان دو آیات (۳۸،۳۹) سے بھی جہاد کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔

تفسیر الفرقان میں ہے:

اگر تم جہاد کے لئے نہ نکلے تو یہ خیال نہ کرنا کہ تمہارے رہ جانے سے مسلمانوں کی ترقی رک جائے گی، یہ تو نہیں ہو سکتا بلکہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تمہیں دنیا اور آخرت دونوں جگہ سخت ترین عذاب ہو گا، دنیا کی تاریخ تمہارے سامنے ہے جس قوم نے بھی تلوار سے علیحدگی اختیار کی اس کا کیا انجام ہوا ہے۔

تفسیر ابن کثیر میں ہے:

ثم توعد تعالى من ترك الجهاد فقال الا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا أَلِيمًا یعنی اللہ تعالی

نے ترک جہاد پر وعید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: **الا تَنْفِرُوا** ..... الخ

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے ایک قبیلے کو جہاد پر نکلنے کا حکم دیا انہوں نے سستی کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بارش روک لی۔ (قحط سالی میں مبتلا کر دیا) یہ ان کے لئے عذاب تھا **وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ای لنصرة نبيه واقامة دينه** یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسری قوم لے آئے گا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کیلئے اور اپنے دین کی اقامت کیلئے **وَلا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ای ولا تضروا اللّٰه شيئا بتوليكم عن الجهاد** یعنی تمہارا جہاد چھوڑنا اور اس میں نافرمانی اور سستی کرنا اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اللہ تعالیٰ تمہارے بغیر بھی دشمنوں سے بدلہ لینے پر قادر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ---

اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرو گے تو اس سے اللہ تعالیٰ کو اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اللہ تعالیٰ کے دین کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنے رسول کی مدد فرمائی جب انہیں مکہ کے کافروں نے مکہ معظمہ سے نکال دیا اور وہ اپنے ساتھی کے ساتھ غار میں پہنچ گئے اول تو دشمنوں کے درمیان سے صحیح سالم نکال دینا، پھر غار ثور تک عافیت اور سلامتی کے ساتھ پہنچادینا پھر جب دشمن غار کے منہ پر پہنچ گئے اس وقت بھی ان کی حفاظت فرمانا اور جو لوگ تلاش میں نکلے تھے ان کو واپس کر دینا اور پھر غار ثور سے نکال کر پیچھا کرنے والے دشمنوں سے محفوظ فرما کر عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچا دینا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوا۔

پھر جب دشمن تلاش کرتے ہوئے غار کے منہ تک پہنچ گئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے پاؤں نظر آنے لگے تو وہ اس بات سے گھبرا گئے کہ دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان نہ پہنچادیں، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا غم نہ کرو، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو بکر تیرا کیا خیال ہے ان دو کی نسبت جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے؟ یعنی جب اللہ ہمارے ساتھ ہے تو پھر کس کا ڈر ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ایک خاص قسم کے سکون اور اطمینان والی کیفیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک پر اور آپ کی برکت سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل پر نازل فرمائی اور فرشتوں کے ذریعے سے آپ دونوں کی حفاظت اور مدد فرمائی پس اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات نیچی کر دی اور ان کی تدبیر خاک میں ملادی (ہجرت کی کامیابی کافروں کی پستی، ذلت اور شکست کا آغاز بن گئی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین روز غار میں قیام فرما کر عافیت کے ساتھ مدینہ منورہ پہنچ گئے۔ بے شک انجام کار اللہ تعالیٰ ہی کی بات اونچی رہتی ہے وہ ہر چیز پر غالب ہے اور اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ (تلخیص از عثمانی و انوار البیان)

مسلمانو! جہاد کرو:

اس آیت کے فوائد میں صاحب تفسیر الفرقان لکھتے ہیں:

اللہ کی بات تو ہر صورت میں اوپر ہی رہے گی مگر مسلمانوں کے حق میں یہی بہتر ہے کہ وہ اللہ کا دست عمل (یعنی دست عمل کا آلہ کار بن کر اس کے قانون کو بلند کریں ورنہ وہ تو فرشتوں سے بھی کام لے سکتا ہے، اگر تم نے اس کو اپنا مقصد حیات نہ بنایا تو تباہ کر دیئے جاؤ گے۔ (تفسیر الفرقان)

آیت میں جہاد کی ترغیب ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں:

اعلم ان هذا ذكر طريق آخر في ترغيبهم في الجهاد

یعنی خوب سمجھ لو کہ اس آیت میں ایک اور طریقے سے جہاد کی ترغیب دی جارہی ہے۔ (تفسیر کبیر) واقعی اس آیت کو جس پہلو سے بھی لیا جائے یہ آیت انسان کو جہاد پر کھڑا کرتی ہے۔ اللہ تعالی کی نصرت کا یقین دین کی خاطر قربانی کا مقام اور مشکل وقت میں ساتھ دینے کا بلند اجر وغیرہ۔

اِنْفِرُوا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ۔۔۔

جہاد کے لئے نکل پڑو جس وقت بھی نکلنے کا حکم دیا جائے خواہ تم ایسی حالت میں ہو کہ نکلنا آسان ہو یا ایسی حالت میں ہو کہ نکلنا مشکل اور بھاری ہو۔ الغرض ہر حال میں نکل پڑو اور اپنے مال اور جان سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو یہ جہاد کرنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔ اپنے ذاتی اور شخصی تقاضوں کو جہاد کے راستے کی رکاوٹ نہ بننے دو:

ایک مسلمان کا فرض یہی ہے کہ وہ کسی حالت میں ہو جس وقت الجہاد الجہاد کا اعلان سنے فوراً میدان جنگ میں حاضر ہو جائے اور اپنی ہر چیز اللہ کی راہ میں قربان کر دے، اسے نہ تو افلاس اور دولت مندی مانع ہو، نہ انفراد و اجتماع کا خیال ہو، جوانی اور بڑھاپے کی جانب توجہ نہ ہو اور پیدل اور سواری کا خطرہ (یعنی خیال) تک نہ آنے پائے۔ غرض یہ کہ شخصی مصلحتوں پر غور کیے بغیر ہر وقت جہاد فی سبیل اللہ کے لئے تیار رہے۔ (تفسیر الفرقان) لہذا اگر نصرت دین متین کی سعادت چاہتے ہو تو جس وقت حکم ملے فوراً نکل پڑو خواہ ساز و سامان کی بہتات ہو یا نہ ہو۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ ۔۔۔

اگر مال نزدیک ہوتا اور سفر ہلکا ہوتا تو وہ ضرور تیرے ساتھ ہوتے لیکن انہیں مسافت لمبی نظر آئی اور اب اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم سے ہو سکتا تو ہم تمہارے ساتھ ضرور چلتے اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔

حضرت لاہوری لکھتے ہیں:

جو لوگ اسلام کا دعوی کرتے ہیں اور اعلان جہاد کے بعد گھر سے نکلنے سے گھبراتے ہیں وہ اپنے نفسوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں (حاشیہ حضرت لاہوری)

یہ آیت مبارکہ منافقین کے لیے سخت وعید ہے۔ ان کی منافقت کے تین اسباب ذکر کیے گئے ہیں (۱) نفاق (۲) فرض جہاد میں نہ جانا (۳) جھوٹی قسمیں کھانا۔

امام رازیؒ لکھتے ہیں کہ منافقین مال غنیمت ملنے سے مکمل مایوس تھے کیونکہ وہ رومیوں کو بڑی طاقت سمجھتے تھے اسی وجہ سے وہ جہاد سے رہ گئے (تفسیر کبیر)

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۔۔۔

منافقین نے طے کر لیا تھا کہ وہ غزوہ تبوک میں نہیں جائیں گے مگر پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جہاد سے چھٹی کی اجازت لینے آرہے تھے اور طرح طرح کے بہانے بنارہے تھے ان کا خیال یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹی دے دی تو نفاق چھپا رہے گا اور گھر رہنے کا موقع بھی مل جائے گا اور اگر چھٹی نہ دی تب بھی ہم گھر بیٹھے رہیں گے اور جہاد میں نہیں جائیں گے پھر وہ اپنے بہانے لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گھر بیٹھنے کی اجازت دے دی جس پر فرمایا گیا کہ اللہ پاک نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معاف فرما دیا ہے آپ ان کو اجازت نہ دیتے تو اور زیادہ اچھا ہوتا اور ان کا نفاق سب کے سامنے کھل جاتا۔

اسی سے اندازہ لگائیں ترک جہاد کرنے والے منافقین کو اجازت دینا اور ان کا جھوٹا عذر قبول کرنا بھی رب تعالیٰ کو پسند نہیں آیا۔

لا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ---

جہاد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، جہاد آخرت میں کامیابی دلوانے والا عظیم عمل ہے اور جہاد تقوی کی علامت ہے اسی لئے جو لوگ اللہ تعالی پر ایمان رکھتے ہیں اور آخرت کو مانتے ہیں وہ جہاد کے موقع پر گھر بیٹھنے کی اجازت ہر گز نہیں مانگتے بلکہ خوب بڑھ چڑھ کر اپنی جان اور مال سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے وہ انہیں بڑے اجر سے نوازے گا۔

مؤمن اور منافق کا فرق:

امام رازی فرماتے ہیں کہ اس آیت کا مقصد ایمان والوں اور منافقوں کا فرق بتانا ہے کہ مومن تو جہاد کا اعلان ہونے کے بعد خوب بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لیتے ہیں اور تھوڑا سا بھی توقف نہیں کرتے جبکہ منافقین سوچ میں پڑ جاتے ہیں اور طرح طرح کے بہانے اور عذر تراش کر خود کو جہاد سے دور رکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔(تفسیر کبیر)

صحابہ کرام کا طرز عمل:

ایمان والوں کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ وہ آپ سے جہاد کے موقع پر رخصت مانگیں مخلص مھاجرین و انصار تو فرمایا کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی رخصت نہیں مانگیں گے بلکہ ہم لازما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر اپنی جان و مال سے جہاد کریں گے۔

مجاہد کے متقی ہونے کی قرآنی شہادت:

آیت کے آخر میں واللہ علیم بالمتقین کہ اللہ متقی لوگوں کو خوب جانتا ہے، مفسرین فرماتے ہیں کہ اس میں دو باتوں کا خاص طور پر ذکر ہے، ایک یہ کہ جو جہاد کرتے ہیں وہ متقی ہیں ۔اور دوسرا یہ کہ اللہ رب العزت ان سے اجر کا وعدہ فرما رہا ہے۔

إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ ---

جہاد سے علیحدہ رہنے کی اجازت لینا ان لوگوں کا شیوہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے وعدوں پر یقین نہیں ہے اور نہ وہ آخرت کی زندگی کو مانتے ہیں اور اسلام کے بارے میں اور اسلام اور مسلمانوں کے غالب آنے کے (الٰہی) وعدوں کے بارے میں ہمیشہ شک و شبہ میں گرفتار رہتے ہیں۔

منکرین جہاد دراصل خفیہ دشمنان اسلام ہیں:

یہاں سے نہایت ہی تفصیل کے ساتھ ان لوگوں کی خصوصیات بیان کی جاتی ہیں جو بظاہر تو اسلام کا دعوی کرتے ہیں اور باطن میں (یعنی اندر سے) اس کی بیخ کنی (یعنی جڑیں کاٹنے) کی فکر میں رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان حالات کو پڑھ کر اپنے گریبان میں جھانکیں جنگ سے بھاگنے کی صرف وہی شخص کوشش کرے گا جس کا دل ایمان سے خالی ہو، جسے ہر وقت یہ کھٹکا لگا ہوا ہو کہ مسلمانوں کا پابندِ مذہب بن کر ترقی کرنا ممکن نہیں اور اس شک کی وجہ سے وہ خود حیران و سرگردان پھرتا ہو کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے۔" (تفسیر الفرقان)

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَكِن كَرِهَ اللَّهُ ---

منافقین دراصل جہاد میں نکلنا ہی نہیں چاہتے، ان کے دل میں نکلنے کا ارادہ ہی نہیں ہوتا، اس لئے ان کی یہ بات غلط ہے کہ ہم تو نکلنا چاہتے تھے مگر اچانک فلاں فلاں عذر پیش آ گئے ۔ان لوگوں نے اگر نکلنے کا ارادہ کیا ہوتا تو اس کی تیاری کرتے ، جہاد کا سامان برابر کرتے اور دل میں جہاد کا شوق اور نیت زندہ کرتے مگر انہوں نے کچھ بھی نہیں کیا معلوم ہوا کہ یہ لوگ جہاد میں جانا ہی نہیں چاہتے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کے نفاق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے جہاد میں نکلنے کو پسند ہی نہیں فرماتا.... اللہ تعالیٰ ان کو جہاد کی عزت نہیں دینا چاہتا

اس لئے اس نے ان کو سست کر دیا اور معذوروں، عورتوں اور بچوں کے ساتھ گھر بٹھا دیا۔

یہ بے ایمان لوگ جہاد کے مبارک سفر کے قابل ہی نہیں، نہ جہاد کی نیت، نہ جہاد کی تیاری، نہ سامان جہاد کو تیار کیا، نہ جہاد کا شوق، نہ شہادت کی آرزو، نہ مجاہدین کے کارناموں اور قربانیوں کا ذوق و شوق سے ذکر کیا، نہ کبھی مجاہدین کے ساتھ تعاون کیا، بلکہ الٹا ہمیشہ جہاد و مجاہدین پر اعتراضات ہی کیے ہوں تو ایسوں کو اللہ کیوں جہاد کی توفیق دے گا۔

لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَّا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَا أَوْضَعُوا ۔۔۔

ان منافقین کا مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہ نکلنا مسلمانوں کے لئے اچھا ہی رہا کیونکہ یہ بزدل، دنیا پرست اور فتنہ باز لوگ اگر مسلمانوں کے ساتھ نکلتے تو بہت شر پھیلاتے ، مسلمانوں کو آپس میں لڑاتے ، دشمنوں کی طاقت کے بارے میں افواہیں پھیلا کر مجاہدین کو خوفزدہ کرتے ، الٹی سیدھی باتیں کر کے لشکر میں بزدلی اور تفرقہ پھیلاتے اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے خوب بھاگ دوڑ کرتے، ادھر مسلمانوں میں سے بعض افراد ایسے بھی ہیں جو پرانے تعلقات یا سادہ دلی کی وجہ سے ان کی باتیں سن لیتے ہیں اور اُن کا اثر بھی لیتے ہیں اس لئے منافقین کے ساتھ نہ جانے میں مسلمانوں کے لئے بہت خیر ہوئی باقی یہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے اللہ پاک ان سب ظالموں کو خوب جانتا ہے وہ ان سے نمٹ لے گا۔

اس بات کا بھی آج ہم اچھی طرح مشاہدہ کرتے ہیں کہ کچھ لوگوں کو اللہ نے ان کے فتنے کی وجہ سے جہاد سے محروم کر دیا، اور واقعتا اگر وہ مجاہدین کے ساتھ چلے بھی جائیں تو سوائے فتنہ پھیلانے کے مجاہدین کو کمزور کرنے ان کے درمیان غیبتیں کرنے بزدلی اور مایوسی پھیلانے کے علاوہ اور کچھ نہ کریں۔

کان بند رکھیں:

خلاصہ یہ ہوا کہ اگر کوئی مخلص مسلمان جہاد پر قائم رہنا چاہتا ہے تو اسے چاہئے کہ فتنہ باز لوگوں کی باتوں سے اپنے کان بند رکھے۔ تب ہی منافقین کے فتنے اور اختلاف سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

جہاد میں کامیابی کے لئے لازمی چیز:

امام رازی نے یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ وہ سب سے اہم اور بڑی چیز جس سے جہاد میں بچنا ضروری ہے آپس کا اختلاف ہے کیونکہ آپس کے اختلاف سے جماعت میں کمزوری آتی ہے اور ایسا لشکر آسانی سے شکست کھا جاتا ہے، چنانچہ اس آیت میں بتایا گیا کہ اگر یہ منافقین تمہارے ساتھ ہوتے تو تمہارے درمیان اختلافات کا فساد ڈالتے اور پھر تمہارے بڑوں کے درمیان خوب بھاگ دوڑ کر ایسی چغلیاں کرتے کہ وہ بھی آپس کے اتفاق سے محروم ہو جاتے، الغرض ان کے نہ جانے میں بڑی خیر ہوگئی کیونکہ جہاد کے لئے باہمی اختلاف سخت نقصان دہ ہے اور اگر یہ ساتھ ہوتے تو باہمی اختلاف ضرور ڈال دیتے۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ ۔۔۔

یہ منافقین اس غزوہ تبوک سے پہلے بھی کئی بار فتنہ بازی کر چکے ہیں، یہ لوگ غزوۂ احد کے موقع پر بھی راستہ سے واپس چلے گئے تھے تاکہ مسلمانوں کی ہمت ٹوٹ جائے اور اسلامی لشکر میں پھوٹ پڑ جائے اور یہ ماضی میں طرح طرح کی مکاریاں اور آپ کو ایذاء پہنچانے کی تدبیریں کرتے رہے ہیں یہاں تک کہ اللہ پاک نے آپ پر فتوحات کے دروازے کھول دیئے اور حق غالب آگیا اگرچہ یہ سب کچھ انہیں ناگوار تھا مگر ان کی ناگواری اور شرارتوں سے اسلام کو اور آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچا بالآخر خود انہیں بھی ظاہری طور پر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کرنا پڑا۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کو تسلی ہے کہ ان کی تدبیریں اور ان کی سازشوں کا الٹ پھیر آپ کے خلاف پہلے سے جاری ہے۔ اللہ تعالی نے ماضی میں آپ کو ان سے محفوظ فرمایا۔ آئندہ کے لئے بھی آپ ان کی مفسدانہ کارروائیوں کا خیال دل میں نہ لائیں اور اب جو یہ لوگ تبوک کے لئے آپ کے ہمراہ روانہ نہ ہوئے اس سے بھی آپ رنجیدہ نہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد نہ کرنا اور اسلام اور داعی اسلام کی دشمنی پر کمربستہ رہنا یہ ان کی پرانی عادت ہے۔ (انوار البیان مظہری وغیرہ)

وَ مِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي ---

بعض منافقین اپنے نفاق اور بزدلی پر دینداری کا پردہ ڈالتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہمیں جہاد چھوڑ کر گھر رہنے کی اجازت دے دیجئے کیونکہ اگر ہم جہاد میں گئے تو اپنی کمزوری کی وجہ سے گناہوں اور فتنوں میں مبتلا ہو جائیں گے۔ میدان کا ایک جھوٹا بہانہ ہے جہاد چھوڑ کر وہ گناہ اور فتنے میں تو مبتلا ہو ہی چکے ہیں (جہاد کے وقت بلا عذر جہاد سے پیچھے رہ جانا ایک بڑی خرابی اور فتنہ ہے) دراصل ان کافروں کو جہنم نے اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے کہ دنیا میں یہ ان گناہوں کے گھیرے میں رہتے ہیں جو جہنم میں لے جانے والے ہیں اور آخرت میں یہ جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو خود جہاد میں جانے کی دعوت دی مگر اس نے کہا کہ مجھے ساتھ نہ لیجایئے بلکہ گھر رہنے کی اجازت دے دیجئے کیونکہ میں عورتوں کا دیوانہ ہوں رومی عورتوں کو دیکھ کر فتنے اور گناہ میں مبتلا ہو جاؤں گا، البتہ مالی تعاون کروں گا، جس پر رسول مبارک صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوئے اور بادل نخواستہ اجازت دے دی۔

جس جہاد میں جانے پر یہ جعلی دینداری کا بہانہ کرکے جھوٹ بولتے ہیں کہ ہم فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ نفاق میں پہلے سے مبتلا ہو چکے ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ منکرین جہاد کے دو گروہ ہوئے: ایک تو وہ جو سرے سے جہاد میں جانے سے ہی انکاری ہوا، اور دوسرا وہ گروہ جو جعلی دینداری کا دعوی کرکے کوئی جھوٹا بہانہ کرتا ہے۔ اور یہ دونوں گروہ آج بھی ہمارے ارد گرد بھرپور طریقے سے موجود ہیں۔ اللھم احفظنا منھم

اگلی آیت میں ان منافقین کی ایک اور بڑی نشانی بیان کی

اِن تُصِبکَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ---

یہ منافقین خود کو مسلمان کہلواتے ہیں حالانکہ ان کی اسلام دشمنی اور دل کی گمراہی کا یہ عالم ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد میں فتح غنیمت اور کامیابی ملتی ہے تو ان کو تکلیف پہنچتی ہے یعنی ان کا دل جلنے لگتا ہے اور اگر آپ کو جہاد میں ظاہری طور پر کسی پریشانی یا شکست وغیرہ کا سامنا ہوتا ہے تو یہ لوگ بہت خوش ہو کر کہتے ہیں کہ اچھا ہوا کہ ہم نے احتیاط، حکمت اور دوراندیشی سے کام لیا اور ان کے ساتھ نہیں گئے اور ہم نے اپنے بچاؤ کی جو تدبیریں کیں کہ مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہیں نکلے اور کافروں سے اچھے تعلقات بنا کر رکھے وہ تدبیریں کام آگئیں....

منافقین کی عقلمندی اور احتیاطی تدابیر:

منافقین ایسے بدنصیب ہیں کہ جہاد اور شہادت سے محرومی پر خوشیاں مناتے ہیں گویا کہ جہنم کا مستحق بنے کو اپنی عقلمندی سمجھتے ہیں۔ اس آیت میں فرمایا گیا کہ مسلمانوں کی ظاہری شکست کے وقت وہ کہتے ہیں قَد أَخَذنَا اَمرَنَا من قبل یعنی ہم نے پہلے سے ہی احتیاطی تدابیر اختیار کرلی تھیں۔

یہ احتیاطی تدابیر کیا تھیں؟ جہاد میں نہ جانا، گھر میں بیٹھے رہنے، مجاہدین کی کردار کشی کرنا، یہی تھی ان کی احتیاطی تدبیر اور دانشمندی۔ اللہ ایسی منافقانہ دانشمندی سے بھی محفوظ رکھے۔ آمین

قُلْ لَّنْ يُّصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا

ایمان والے کبھی بھی مصیبت کے ڈر سے اللہ تعالیٰ کے

احکامات پر عمل کرنے سے نہیں رکتے ۔ وہ جانتے ہیں کہ جو تقدیر میں لکھا ہوا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ پھر جہاد اور دیگر فرائض کو موت اور شکست کے ڈر سے کیوں چھوڑا جائے۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا مددگار اور ولی ہے وہ ان کے لئے جو کچھ مقدر فرماتا ہے اس میں ان کے لئے خیر ہی خیر ہوتی ہے، فتح مقدر فرمائے تب بھی خیر اور شہادت و زخم عطاء فرمائے تب بھی خیر۔ پس اس قانون کو مد نظر رکھ کر ایمان والوں کو ظاہری اسباب پر نظر نہیں رکھنی چاہئے اور نہ ہی ظاہری تدبیروں کو سب کچھ سمجھنا چاہئے بلکہ ان کو چاہئے کہ صرف اللہ تعالی پر ہی توکل رکھیں۔ (شریعت کے مطابق اسباب اختیار کریں مگر منافقوں کی طرح اسباب اور تدبیر کو سب کچھ نہ سمجھیں بلکہ اللہ تعالی پر توکل کریں)

یہ آیت مسلمانوں کے لیے ایک بہترین تحفہ ہے جس سے مسلمان کو ہر طرح کے غم اور تکلیف میں سکون اور یکسوئی کے ساتھ صبر آجاتا۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ۔۔۔

جہاد میں نکلنے والے مومنوں کے لئے دونوں حالتوں میں خیر ہی خیر ہے انہیں فتح ملے تب بھی ان کے لئے اچھائی ہے اور ان کو شہادت ملے تب بھی ان کے لئے اچھائی ہے۔ اس لئے وہ منافق جو خود کو دوراندیش سمجھ کر جان بچانے کے لئے گھر بیٹھے ہوئے ہیں وہ اس بات کی توقع نہ کریں کہ مجاہد مسلمانوں کو کوئی برائی پہنچے گی۔ وہ واپس آگئے تب بھی خیر پانے والے ہوں گے اور واپس نہ آئے اور شہید ہوگئے تب بھی خیر پانے والے ہوں گے۔ مگر ناکامی تو منافقوں کے لئے ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے نفاق اور شرارتوں پر خود بلاواسطہ سزادی تب بھی وہ ناکام اور اگر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان سے لڑنے کی اجازت دے دی تب بھی وہ ناکام۔

پس مسلمان اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے پورا ہونے کا انتظار کریں اور منافق شیطان کے وعدوں کے پورا ہونے کا انتظار کریں۔ یقینا اللہ تعالیٰ ہی کے وعدے پورے ہوں گے۔ تب معلوم ہو جائے گا کہ مومنوں اور منافقوں میں سے زیادہ انجام بین اور دور اندیش کون تھا۔

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے یا قرآن پاک میں ہمیں بتادیا ہے کہ اگر ہم نے فتح پائی تو یہ فتح ہمارے لیے بھلائی ہے، اور اگر ہم قتل کر دیئے گئے تو شہادت ہمارے لیے فتح سے بھی بڑی بھلائی ہے۔ (قرطبی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جد ابن قیس کے بارے نازل ہوئی تھی جس نے کہا تھا کہ مجھے جہاد سے چھٹی دے دیں البتہ مالی تعاون کر دیتا ہوں،

پھر یہ آیت نازل ہوئی

قُل اَنفِقُوا طَوعاً او کَرھاً۔۔۔

تو ان منافقین کو کہا گیا کہ تم نافرمان لوگ ہو تمہارا مال بھی قبول نہیں کیا جائے گا۔

جبکہ اس سے اگلی آیت

وَمَا مَنَعَهم اَن تُقبَلَ مِنهم ۔۔۔

میں اللہ رب العزت نے فرمایا کہ ان کا مال قبول نہ ہونے کی وجہ ان کا اسلام کا دعوی ہونے کے باوجود یہ اللہ اور اسکے رسول کے منکر ہیں، جس کی نشانی یہ ہے کہ یہ نماز میں سستی کرتے ہیں، اور اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کو یہ جرمانہ سمجھتے ہیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ جب نماز میں سستی نفاق کی علامت ہے تو ترک نماز کس درجے کی چیز ہوگی (ماجدی)

فَلا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ ۔۔۔

مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ منافقوں کے زیادہ مال اور اولاد کو دیکھ کر متاثر نہ ہوں اور نہ اس کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھیں اور نہ یہ سمجھیں کہ منافق تو بڑی اچھی حالت میں ہیں کیونکہ منافقوں کا مال اور اولاد ان کے لئے رحمت نہیں بلکہ

اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ وہ اس مال اور اولاد کی وجہ سے دنیا میں طرح طرح کی تکلیفیں مشقتیں اور پریشانیاں اٹھاتے ہیں ۔اور اسی مال اور اولاد کے چھوٹ جانے کے ڈر سے جہاد میں بھی نہیں جاتے اور توبہ بھی نہیں کرتے چنانچہ ان کی موت بھی کفر کی حالت میں آتی ہے، یہ موت بھی بہت سخت ہوتی ہے اور اس کے بعد کا عذاب تو اور زیادہ سخت ہے۔

ظاہری طور پر تو آیت میں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر حقیقت میں یہ خطاب سب مسلمانوں کے لئے عام ہے۔

اور منافقین کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ قسمیں کھا کر خود کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کرتے

اگلی آیت میں ان کی اسی عادت کا ذکر فرمایا

وَيَحلِفونَ بِا اللہ اِنھم لَمِنکُم ۔۔

اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ بے شک وہ تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں وہ ڈرتے ہیں ۔(ان کا مقصد ان قسموں سے صرف اپنی جان بچانا اور اپنا نفاق چھپانا مقصود ہے)۔

اگلی آیت میں منافقین کی ایک اور خصلت بیان فرمائی:

لَو يَجِدُونَ مَلجَاً اَو مَغٰرٰتٍ۔۔۔

جب اسلام اور مسلمانوں کو قوت ملتی ہے تو یہ منافقین خوف اور نفرت میں جلنے لگتے ہیں چونکہ ان کے پاس بھاگنے کی کوئی جگہ نہیں ہوتی اس لئے ڈر کی وجہ سے خود کو مسلمان کہتے ہیں مگر وہ اس تاک میں رہتے ہیں کہ کوئی قوم ان کو پناہ دے دے یا کسی بھی جگہ وہ مسلمانوں سے دور اپنی بد دینی کی زندگی گزار سکیں۔ انہیں اگر ایسی کوئی پناہ گاہ مل جائے تو وہ دوڑ کر وہاں چلے جائیں۔

وہ اسلام اور مسلمانوں سے نفرت رکھتے ہیں:

پھر منافقین کی قلبی بے تعلقی کا تذکرہ فرمایا کہ انہیں کوئی دوسرا ٹھکانہ میسر نہیں اس لئے تم سے اپنا تعلق ظاہر کرتے ہیں اور تمہاری جماعت کی طرف منسوب ہوتے ہیں اگر انہیں کوئی ٹھکانہ مل جائے جس میں پناہ لے سکیں یا کوئی غار مل جائے جس میں چھپ سکیں یا داخل ہونے کے لئے کوئی دوسری جگہ مل جائے تو تیزی کے ساتھ اس میں چلے جائیں گے اور تمہاری طرف سے نظریں پھیر لیں گے اور پوری طرح طوطا چشمی اختیار کر لیں گے تم سے انہیں بالکل بھی قلبی تعلق نہیں۔ (انوار البیان)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَلْمِزُکَ فِي الصَّدَقٰتِ ۔۔۔

اب ایسے لوگوں کا تذکرہ آتا ہے جو جہاد سے صرف اس لئے بھاگتے ہیں کہ انہیں روپیہ (یعنی مال) نہیں ملتا، اگر آج روپیہ مل جائے تو ہر طرح کی خدمت کو تیار ہیں، گویا وہ روپیہ (یعنی مال) کے بندے (یعنی غلام) ہیں (تفسیر الفرقان)

یہ خود کو جہاد سے مستثنیٰ کرنے والوں کی تیسری قسم ہے کہ جن کو جہاد سے رضائے الٰہی اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم مطلوب نہیں بلکہ مال کمانا مقصود ہے اگر مال تھوڑا ملے تو وہ بگڑ جاتے ہیں، اگر انہیں مال مطلوب نہ ہوتا تو جتنا ملتا اس پر اکتفاء کرتے اور کہتے ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے جب ضرورت ہو گی پھر دے دے گا۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسٰكِينِ وَالْعٰمِلِينَ عَلَيْهَا۔۔۔

اس آیت میں صدقات کی تقسیم اور مصارف کا ذکر فرمایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات (زکوۃ) کی تقسیم کو نبی یا غیر نبی کسی کی مرضی پر نہیں چھوڑا بلکہ بذات خود اس کے مصارف متعین کر دیئے ہیں جو آٹھ ہیں: فقراء (جن کے پاس کچھ نہ ہو) مساکین (جن کو بقدر حاجت میسر نہ ہو) عاملین (جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات وصول کرنے پر مامور ہوں) مؤلفۃ قلوب (جن کے اسلام لانے کی امید ہو یا اسلام میں کمزور ہوں (وغیر ذلک من الانواع) اکثر علماء کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی وفات کے بعد (انتظاما) یہ مد نہیں رہی) رقاب (یعنی غلاموں کا بدل کتابت ادا کر کے آزادی دلائی جائے یا خرید کر آزاد کیے جائیں یا قیدیوں کو فدیہ دے کر رہا کرایا جائے) یا غارمین (جن پر کوئی حادثہ پڑا اور مقروض ہو گئے یا کسی ضمانت وغیرہ کے بار میں دب گئے) سبیل اللہ (جہاد وغیرہ میں جانے والوں کی اعانت کی جائے) ابن السبیل (مسافر جو حالت سفر میں مالک نصاب نہ ہو اگرچہ اپنے گھر میں مالدار ہو)۔ (تفسیر عثمانی تسہیل)

نوٹ: اس آیت میں فی سبیل اللہ سے اکثر مفسرین نے جہاد مراد لیا ہے۔

وَ مِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۔۔

جامع تفسیر

منافقین آپس میں بیٹھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بد گوئی کرتے، جب کوئی ان سے کہتا کہ یہ باتیں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائیں گی تو کہتے کیا پروا ہے۔ ان کے سامنے ہم جھوٹی تاویلیں کر کے اپنی براءت اور صفائی کا یقین دلا دیں گے کیونکہ وہ تو کان ہی کان ہیں جو سنتے ہیں فوراً تسلیم کر لیتے ہیں ان کو باتوں میں لے آنا کچھ مشکل نہیں۔ بات یہ تھی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (بعض اوقات) جھوٹے کا جھوٹ پہچان لیتے تب بھی اس کی پکڑ نہ فرماتے بلکہ اپنے عظیم اخلاق کی وجہ سے چشم پوشی اور مسامحت فرماتے اس پر وہ بے وقوف لوگ سمجھتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹ کا پتا ہی نہیں لگا، اللہ تعالی نے اس کا جواب دیا کہ اگر وہ کان ہی ہیں تو تمہارے بھلے کے واسطے ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تمہارے حق میں بہتر ہے ورنہ سب سے پہلے تم ہی پکڑے جاؤ گے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان عظیم اخلاق کو دیکھ کر تمہیں ہدایت نصیب ہو جائے کہ وہ کس طرح سے چشم پوشی اور درگزر کا معاملہ فرماتے ہیں۔ باقی تمہاری جھوٹی باتوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی اس لئے نہیں ہے کہ انہیں واقعی تمہارا یقین آجاتا ہے، یقین تو ان کو اللہ تعالیٰ پر ہے اور ایمان والوں کی بات پر، ہاں تم میں سے جو ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں ان کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاموشی اور چشم پوشی ایک طرح کی رحمت ہے کہ فوراً ان کے جھوٹ کو ظاہر کر کے ان کو رسوا نہیں کیا جاتا، باقی منافقین کی یہ بری حرکتیں اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں، یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بد گوئی کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کان کہہ کر جو ایذاء پہنچاتے ہیں اس پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سخت سزا کے منتظر رہیں۔ (تسہیل عثمانی)

يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ لِيُرْضُوكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولُهُ أَحَقُّ ۔۔۔

منافقین جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔ اور جہاد سے پیچھے رہ جاتے ہیں تو پھر اسلامی معاشرے میں اپنی عزت بحال کرنے اور مسلمانوں سے اپنی جان و مال کو محفوظ رکھنے کے لیے ان کے سامنے اپنی صفائی میں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اور ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسلمان ان سے خوش اور مطمئن رہیں۔ منافق کی نظر میں چونکہ صرف دنیا کا مفاد ہوتا ہے چنانچہ وہ اسی مفاد کو حاصل کرنے کے لیے مسلمانوں کو اپنے بارے میں مطمئن رکھنا چاہتے ہیں اور ان کے سامنے قسمیں کھا کھا کر بتاتے ہیں کہ ہم سچے مؤمن ہیں... حالانکہ اگر ان میں ایمان ہوتا تو یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی رکھنے کی فکر کرتے مگر یہ کم عقل لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار سمجھانے کے باجود ابھی تک یہ بات بھی نہیں سمجھ سکے کہ آخرت کی ذلت اور رسوائی بہت ہی زیادہ سخت ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا وہ اس رسوائی میں ضرور گرفتار ہو گا اگر منافقین اس یقینی

بات کو سمجھتے تو وہ سب سے پہلے ایمان، اخلاص اور اطاعت کے ذریعے اس بڑی رسوائی سے بچنے کی کوشش کرتے۔ اگلی آیت میں ساتھ یہ بھی بیان فرمایا کہ اگرچہ عام مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھا کر خود کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ہر وقت یہ دھڑکا لگا رہتا کہ کہیں کوئی سورت یا آیت ان کے نفاق کے بارے میں نازل نہ ہو جائے۔

وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ ۔۔

شان نزول و مختصر تفسیر

یہ آیت بھی غزوہ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی، منافقین ہمیشہ سے جہاد کا مذاق اڑاتے چلے آئے ہیں اور وہ ہمیشہ سے کافروں کو بہت طاقتور اور ناقابل شکست سمجھتے ہیں، غزوہ تبوک کے سفر میں بعض منافق بھی مسلمانوں کے ساتھ نکل پڑے تھے، انہوں نے راستے میں دین کا، جہاد کا اور مسلمانوں کا مذاق اڑایا۔ اس بارے میں کئی واقعات حضرات مفسرین نے لکھے ہیں ان سب کا خلاصہ درج ذیل عبارت میں ملاحظہ فرمائیں۔

تبوک میں جاتے ہوئے بعض منافقین نے از راہ تمسخر یعنی (مذاق اڑانے کے طور پر) کہا اس شخص (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھو کہ شام کے محلات اور روم کے شہروں کو فتح کرنے کا خواب دیکھتا ہے۔ انہوں نے رومیوں کی جنگ کو عربوں کی باہمی جنگ پر قیاس کر رکھا ہے۔ میں یقین کرتا ہوں کہ کل ہم سب رومیوں کے سامنے رسیوں میں بندھے ہوئے کھڑے ہوں گے۔ یہ ہمارے قرآن پڑھنے والے (یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم) پیٹو (یعنی زیادہ کھانے والے) جھوٹے اور بزدل لوگ روم کی باقاعدہ فوجوں سے کیا لڑیں گے۔ وغیر ذلک من الھفوات

ان کی یہ باتیں جو وہ مسلمانوں کو رومیوں سے مرعوب اور خوفزدہ کرنے کے لیے اور ان کے دلوں کو کمزور کرنے کے لیے کہہ رہے تھے، نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئیں۔ آپ ﷺ نے بلا کر ان سے پوچھا تو کہنے لگے حضرت! ہم نے سچے دل سے یہ باتیں نہیں کیں، ہم تو محض گپ شپ اور دل لگی کے طور پر کچھ کہہ رہے تھے تاکہ ان باتوں میں سفر بآسانی کٹ جائے۔ (ان سے کہہ دیجئے کیا دل لگی اور گپ شپ کا موقع اور محل یہ ہے کہ اللہ، رسول اور ان کے احکام کا مذاق اڑایا جائے؟ اللہ، رسول کا استہزاء اور احکام الٰہیہ کی توہین تو وہ چیز ہے کہ اگر صرف زبان سے دل لگی کے طور پر کی جائے تو وہ بھی کفر عظیم ہے، چہ جائیکہ منافقین کی طرح از راہ شرارت و بد باطنی ایسی حرکت سرزد ہو۔ اب چھوٹے بہانے تراشنے اور حیلے حوالوں سے کچھ فائدہ نہیں، جن کو نفاق و استہزاء کی سزا ملنی ہے مل کر رہے گی، ہاں اب بھی جو سچے دل سے توبہ کر کے اپنے جرائم سے باز آجائیں گے اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا۔ (تسہیل عثمانی)

دین کا مذاق اڑانا کفر ہے

امام رازی لکھتے ہیں:

علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ جو دین محمدی کے ساتھ تمسخر کرتا ہے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ (تفسیر حقانی)

مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ مذاق بکنے والے دو افراد تھے جب کہ تیسرے مخشی بن حمیر تھے، جنہوں نے ان منافقین کی بات سن کر اس پر ہنسے تھے لیکن فوراندامت ہوگئی توبہ کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہو کر اپنی توبہ کا اقرار کیا اور اپنا اور والد کا نام تبدیل کروایا، رسول مبارک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام عبد اللہ بن عبد الرحمن رکھا، یہ مخلص صحابی اس آیت کو پڑھتے تو بہت نادم ہوتے اور یہ دعا فرماتے کہ مجھے ایسی شہادت دے کہ کسی کو پتہ نہ چلے کہ کس نے غسل دیا کس نے دفن کیا، جس طرح اللہ رب العزت نے ان کی توبہ قبول فرمائی اسی طرح ان کی یہ دعا بھی

قبول فرمائی، جنگ یمامہ میں شہید ہوئے لیکن کسی کو ان کا پتا نہ چلا۔

نوٹ: مخلص صحابی بھی اپنی غلطی کا کفارہ شہادت کو ہی سمجھتے تھے باوجود اس کے کہ ان کی توبہ قبول کرلی گئی تھی۔ اللہ اکبر کبیرا

اَلْمُنٰفِقُونَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ

منافق مرد اور عورتیں خود کو مسلمان کہتے ہیں اور قسمیں کھا کر مسلمانوں کو اطمینان دلاتے ہیں کہ ہم تم میں سے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے منافق مرد اور عورتیں آپس میں ایک ہیں اور ان کا اسلامی برادری سے کوئی تعلق اور رشتہ نہیں ہے۔

منافق مرد اور عورتیں اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتے وہ کفر کے حامی اور اسلام و جہاد کے مخالف ہیں اور وہ مال کے لالچی ہیں، مسلمان ان سے ہوشیار رہیں۔

سب سے بڑے نافرمان یہی منافق ہیں جن کے مرد اور عورتیں اسلام کا زبانی اقرار کرنے کے باوجود دن رات اسی کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ ہر قسم کے حیلے اور فریب کر کے لوگوں کو اچھی باتوں سے بیزار اور برے کاموں پر آمادہ کریں (یعنی مسلمانوں میں ہر برائی پھیلا دیں اور ہر نیکی کو کمزور کر دیں) اور (دین کے لیے اور جہاد کے لئے) خرچہ کرنے کے اصلی موقعوں پر مٹھی بند رکھیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کلمہ تو اسلام کا پڑھتے رہیں لیکن نہ ان کی زبان سے کسی کو بھلائی پہنچے نہ مال سے، جب یہ اللہ تعالیٰ کو ایسا چھوڑ بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو چھوڑ دیا اور اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ان کے لیے اور کافروں کے لیے جہنم کے دائمی عذاب کا وعدہ کیا اور دنیا آخرت میں ان کو لعنت کا مستحق بنا دیا۔

كَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوا أَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً

منافقین یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے دل میں کفر چھپا کر اور جہاد میں نہ جا کر بڑا فائدہ حاصل کر لیا ہے اور وہ مزے میں ہیں کہ کافروں سے بھی یاری رکھتے ہیں اور خود کو مسلمان بتا کر مسلمانوں میں بھی گھسے رہتے ہیں اور دنیا کے خوب مزے پاتے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، یہ منافق ماضی کے ناکام لوگوں کی طرح ایک بہت بڑے خسارے اور نقصان کی طرف بڑھ رہے ہیں، پس ان کے ظاہری امن اور دنیا وی ٹھاٹھ دیکھ کر کوئی دھوکے میں نہ رہے ماضی کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ایسے لوگوں کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔ تمہاری شرارت کا نتیجہ بھی یہی نکلے گا

اے منافقین اتم سے پہلے بڑی بڑی طاقت والے فتنہ انگیز پیدا ہوئے اور دنیا آخرت کا خسارہ پا کر نامراد چلے۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۔۔

مؤمن مرد اور عورتیں آپس میں ایک جماعت ہیں، ایک دوسرے کے معاون، مددگار، حامی اور خیر خواہ ہیں، منافق اور کافر آپس میں ہم مسلک ہیں ان کے مقابلہ میں مؤمنین کی جماعت ہم مشرب ہے جس کا مقصد دین اور خیر کو پھیلانا اور کفر اور برائیوں کو مٹانا ہے۔

مؤمنین کی یہ جماعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتی ہے جس کا اعلیٰ ترین درجہ جہاد ہے۔

مؤمن اور منافق کے درمیان فرق پانچ چیزوں میں ہے:

(۱) منافق برائی کی دعوت دیتا ہے، (۲) نیکی سے روکتا ہے، (۳) نماز میں سستی کرتا ہے، (۴) زکوۃ میں بخل کرتا ہے، (۵) جہاد سے پیچھے رہتا ہے، اور جب اللہ تعالیٰ اسے جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیتا ہے تو وہ خود بھی نہیں نکلتا اور دوسروں کو بھی روکتا ہے۔

مومن اس کے برعکس ہے وہ نیکی کا حکم دیتا ہے، برائی سے روکتا ہے، نماز قائم کرتا ہے، زکوۃ ادا کرتا ہے، اور جہاد میں نکلتا ہے۔

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۔۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار اور منافقین سے جہاد کرنے اور ان پر سختی کرنے کا حکم فرمایا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ آپ اپنے متبع ایمان والوں کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں اور اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ کفار اور منافقین کا ٹھکانہ آخرت میں جہنم کی آگ ہے۔

ضحاک فرماتے ہیں کہ آیت کا مفہوم یہ ہے

کفار سے تلوار کے ساتھ جہاد کرو اور منافقین پر گفتگو سے سختی کرو

امام مقاتل اور ربیع کا بھی یہی قول ہے (حضرت لاہوری نے بھی اپنے حاشیہ میں اس کو اختیار فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں: کفار سے جہاد کیجئے اور منافقین کو منہ نہ لگایئے، بلکہ درشتی سے پیش آئے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

حسن بصری اور قتادہ فرماتے ہیں کہ منافقین سے جہاد یہ ہے کہ ان پر حدود کو قائم کیا جائے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان تمام اقوال میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ منافقین کے احوال کے مطابق ان کی پکڑ کی جائے گی، کبھی کسی طرح اور کبھی کسی طرح۔ واللہ اعلم بالصواب (تفسیر ابن کثیر)

يَحلِفُونَ بِاللّٰه مَا قَالُوا ۔۔۔

جس چیز کے بارے میں منافقین نے قسم کھائی زیادہ مشہور اقوال چار ہیں:

جلاس بن سوید کی بات کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کچھ کہتے ہیں وہ سچ ہے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں،

نیلی شیطانی آنکھوں والے ایک منافق اور اس کے ساتھیوں کی گستاخانہ گفتگو،

ان منافقین کا باہمی مشورہ کہ تبوک سے واپسی سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) نقصان پہنچایا جائے،

غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر عبداللہ بن ابی کی یہ بات کہ جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو (نعوذ باللہ) ان بے عزت مسلمانوں کو نکال دیں گے۔

منافقین نے کس چیز کا قصد کیا تھا؟

حضرات مفسرین نے اس میں چار اقوال لکھے ہیں:

انہوں نے غزوہ تبوک کے موقع پر حضور اکرم ﷺ کو نعوذ باللہ) نقصان پہنچانے کا قصد کیا تھا مگر ناکام ہوئے۔

انہوں نے مہاجرین اور انصار کو قومیت کی بنیاد پر لڑانے کی کوشش کی مگر ناکام ہوئے۔

انہوں نے قصد کیا تھا کہ ہم عزت والے لوگ ان مہاجر مسلمانوں کو مدینہ منورہ سے نکال دیں گے مگر وہ ایسا نہ کر سکے۔

انہوں نے قصد کیا تھا کہ غزوہ تبوک سے واپسی پر عبداللہ بن ابی (رئیس المنافقین) کی تاجپوشی کر کے اس کی سرداری کا اعلان کریں گے مگر وہ اس میں ناکام ہوئے۔ (البحر المحیط)

وَ مِنْهُم مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ ۔۔

(۱) خود کو جہاد سے مستثنیٰ رکھنے والوں (یعنی جہاد میں نہ نکلنے والوں) کی پانچویں قسم کا بیان ہے جو کہتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس اسباب اور وسائل ہوں تو ہم ضرور جہاد کریں گے مگر جب اسباب مل جاتے ہیں تو وہ بخل شروع کر دیتے ہیں اور مال بنانے ہی میں لگے رہتے ہیں۔ (مفہوم تحقیق حضرت لاہوری)

(۲) منافقین اللہ تعالیٰ سے عہد کرتے ہیں اور پھر اس عہد کو پورا نہیں کرتے،

(۳) منافقین مال کے بے حد حریص اور اس کے حقوق ادا کرنے میں بے حد بخیل ہوتے ہیں،

(۴) جو منافق اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے اس عہد کو توڑتے ہیں تو ان کا نفاق پکا ہو جاتا ہے اور ان کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی،

(۵)منافقین کا سارا نظام ان کے دماغ کی سوچوں اور آپس کے خفیہ مشوروں پر چلتا ہے کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ان کے رازوں کو بھی جانتا ہے اور خفیہ مشوروں کو بھی اور اللہ تعالیٰ غیب کی تمام باتوں کو خوب جانتا ہے

اَلَّذِیۡنَ یَلۡمِزُوۡنَ الۡمُطَّوِّعِیۡنَ مِنَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ فِی الصَّدَقٰتِ ۔۔۔

جو مسلمان جہاد میں اپنا مال تھوڑا یا زیادہ خرچ کرتے تھے منافقین ان پر طرح طرح کے اعتراضات کرتے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے اللہ تعالیٰ ان کو اس مذاق اڑانے پر سخت سزا دے گا اور یہ منافقین دردناک عذاب میں جلیں گے۔

ان کافر اور نافرمان منافقین کے لیے اگر رسول اللہ ﷺ بھی استغفار فرمائیں تو ان کی بخشش نہیں ہو گی۔

جب تبوک کے موقع پر رسول مبارک صلی اللہ علیہ وسلم نے مالی قربانی طلب کی تو ہر صحابی اپنی استعداد کے مطابق لا کر پیش کرتے تھے، اگر کوئی زیادہ مال لاتا تو یہ منافقین آوازیں کستے کہ ریاکاری اور دکھلاوے کے لیے لایا، اور اگر کسی کی گنجائش کم ہوتی تو اس پر بھی آوازیں کستے کہ اللہ کو اسکی کیا ضرورت،

غرض منافقین کو ہر وقت مسلمانوں کے ہر عمل سے تکلیف ہی ہوتی۔

اگلی آیت میں فرمایا کہ جو منافقین جہاد چھوڑ کر گھروں میں رک جانے کی وجہ سے خوش ہو رہے ان کو خوش ہونے کے بجائے رونا چاہیے ان اعمال کے بدلے جو وہ کرتے رہے ہیں۔

فَاِنۡ رَّجَعَکَ اللّٰہُ اِلٰی طَآئِفَۃٍ ۔۔۔

جو لوگ اپنے نفاق کی وجہ سے غزوہ تبوک میں نہیں نکلے ان کا نام غازیوں کی فہرست سے نکال دیا گیا ہے اب اگر یہ آئندہ نکلنے کی اجازت بھی مانگیں تو ان کو بتا دیا جائے کہ نہ تم کبھی ہمارے ساتھ نکل سکتے ہو اور نہ ہمارے ساتھ مل کر دشمنان اسلام سے قتال کر سکتے ہو۔ اب تم عورتوں، بچوں، اپاہجوں اور کمزور بڑھوں کے ساتھ گھر بیٹھے رہو اور جس چیز کو پہلی دفعہ تم نے اپنے لئے پسند کر لیا ہے مناسب ہے کہ اسی حالت پر مرو، تاکہ اچھی طرح عذاب الٰہی کا مزہ چکھ لو۔ (عثمانی)

وَلَا تُصَلِّ عَلٰۤی اَحَدٍ مِّنۡہُمۡ ۔۔۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو منع فرما دیا ،جب تک یہ زندہ ہیں انہیں اپنے ساتھ جہاد میں نہ لے جائیں ،مر جائیں تو ان کی نماز جنازہ ادا نہ کریں نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں، کیونکہ انہوں نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کفر کیا اور اسی حالت میں مرے۔

وَاِذَاۤ اُنۡزِلَتۡ سُوۡرَۃٌ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِاللّٰہِ وَجَاہِدُوۡا مَعَ رَسُوۡلِہِ

جب قرآن پاک میں یہ حکم نازل ہوتا ہے کہ ٹھیک طرح سے ایمان لے آؤ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں نکلو یعنی جہاد میں نکل کر اپنے ایمان کا ثبوت دو کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو مان لیا ہے تو ان منافقین میں سے مالدار لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر جہاد سے چھٹی اور رخصت مانگنے لگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ چھوڑ دیجئے۔

ان کی غیرت بالکل ختم ہو چکی ہے یہ گھر بیٹھی عورتوں اور دین کے لیے بے فائدہ لوگوں میں خود کو شامل کرنے پر راضی اور مطمئن ہیں۔

دراصل نفاق کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگ چکی ہے اس لئے یہ نہیں سمجھتے کہ جہاد میں کتنی کامیابی اور سعادت ہے اور بلا عذر جہاد سے پیچھے رہ جانے میں کتنی بد نصیبی اور ہلاکت ہے۔ یا یہ نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد میں ان کے لیے کتنے فائدے رکھے ہیں۔

لٰکِنِ الرَّسُوۡلُ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَہٗ جٰہَدُوۡا بِاَمۡوَالِہِمۡ ۔۔

اللہ تعالی کا حکم جہاد سن کر اگر منافقین نہیں نکلتے تو کیا ہوا وہ لوگ جو ان منافقین سے بہت بہتر اور افضل ہیں وہ اللہ تعالی کے حکم جہاد پر پورا عمل کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی علیہ وسلم اور ایمان والے اللہ کے راستے میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرتے ہیں۔

جب ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم جہاد کو پورا کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے انہیں دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا فرمائیں، انہیں کامیاب کیا اور ان کے لیے جنت تیار فرمائی یقینا یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔

نوٹ: جہاد کا حکم تو رسول مبارک صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا لیکن پھر بھی خاص طور پر ذکر کیا کہ محمد رسول اللہ بھی جہاد کرتے اور ایمان والے بھی، یعنی کہ جہاد نبی صلی اللہ علیہ وسلم والا کام ہے۔

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ

مدینہ منورہ سے باہر دیہاتوں میں رہنے والے لوگوں میں بھی منافقین موجود تھے، جب ان کو جہاد کے لیے بلایا گیا تو ان کا نفاق کھل گیا۔

جو لوگ ان میں سے اپنے کفر پر قائم رہیں گے ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

منافقین کے حیلوں بہانوں کے بعد اگلی آیت سے حقیقی معذرین کا ذکر بھی کر دیا کہ ایسا نہ ہو کہ منافقین کی وجہ سے معذرین کو بھی لوگ لعن طعن کریں یا منافق سمجھیں،

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ ۔۔۔

یہ تین طرح کے لوگ اگر جہاد میں نہ نکلیں تو ان پر کوئی حرج نہیں کیونکہ اللہ تعالی نے ان کو معذور قرار دے دیا ہے۔

کمزور جیسے بہت بوڑھے، نابینا لنگڑے وغیرہ بیمار جن کو ایسا مرض ہو جس کے ہوتے ہوئے نکلنا اور لڑنا محال ہو فقیر جن کو جہاد میں جانے کے اسباب اور وسائل کسی بھی طرح میسر نہ ہوں۔ ان لوگوں پر کوئی حرج نہیں ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخلص رہیں جس کی چند علامات ہیں، مثلا: ان کا ایمان بھی سچا ہو، اقرار بھی سچا ہو، جہاد میں شرکت کے جذبات بھی سچے ہوں، بس مجبوری کی وجہ سے رہ گئے ہوں، ان کے دلوں میں پوری سچائی کے ساتھ یہ بات ہو کہ اگر ہمیں استطاعت ہوتی تو ہم جہاد میں ضرور شریک ہوتے۔

گھر بیٹھ کر دین اور جہاد کے خلاف کوئی شرارت نہ کریں اور جہاں تک ممکن ہو خیر خواہی کرتے رہیں۔ اور جہاد میں جانے والوں کی ہمت پست نہ کریں اور خوف کی خبریں نہ پھیلائیں۔ پیچھے رہ کر جہاد اور مجاہدین کی جو خدمت کر سکتے ہوں کرتے رہیں۔

مفسرین نے یہ نکتہ بھی لکھا ہے کہ اصل میں یہ آیت ان سچے اور مخلص مسلمانوں کی دلجوئی کے لیے نازل فرمائی جن میں یہ تمام عذر پائے جاتے تھے لیکن وہ پیچھے رہ جانے کی وجہ سے پریشان اور بلک بلک کر رو رہے تھے۔

علامہ آلوسیؒ لکھتے ہیں کہ ان میں بعض وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے کہا سواریاں نہیں تو کوئی بات نہیں ہمیں پیوند لگے موزے یا جوتے دے دیں ہم دوڑ دوڑ کر پہنچ جائیں گے ۔(مظہری) اللہ اکبر کبیرا

امام قرطبی نے ان آیات کی تفسیر میں ان صحابہ کرام کا والہا نہ تذکرہ بھی فرمایا ہے جو مستقل معذور ہونے کے باوجود جہاد میں نکلے جیسے نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ اور پاؤں سے معذور صحابی حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ۔ (قرطبی)

إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ ۔۔

گناہ اور سزا تو ان لوگوں کے لیے ہی ہے جو جہاد کی استطاعت اور طاقت رکھتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ نہ جانے کی

اجازت مانگتے ہیں۔ وہ عورتوں کی طرح گھروں میں بیٹھے رہنے پر خوش ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے پس وہ جہاد کے دنیوی اور اخروی فائدوں کو نہیں جانتے۔

گناہ اور سزا کے مستحق:

یعنی سزا اور گناہ ان لوگوں پر ہے جو طاقت کے باوجود جہاد سے جی چرا رہے ہیں۔ (القرطبی) الزام فقط ان لوگوں پر ہے جو استطاعت رکھتے ہیں، صحیح سالم ہیں اور پھر جانے سے جی چراتے ہیں۔ (حضرت لاہوری)

یعنی باوجود قدرت و استطاعت جہاد سے پہلو تہی کرتے ہیں اور نہایت بے حمیتی سے یہ عار گوارا کرتے ہیں کہ عورتوں کی طرح گھر میں چوڑیاں پہن کر بیٹھ جائیں۔ (عثمانی)

امام ابو حیان لکھتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے پس وہ نہیں جانتے کہ جہاد میں دین اور دنیا کے کیا کیا فائدے ہیں۔ (البحر المحیط)

يَعْتَذِرُونَ إِلَيْكُمْ إِذَا رَجَعْتُمْ إِلَيْهِمْ قُلْ لَا تَعْتَذِرُوا۔۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مجاہد صحابہ کرام غزوہ تبوک سے واپس مدینہ منورہ تشریف لائیں گے تو پیچھے رہ جانے والے منافقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جھوٹے عذر پیش کریں گے کہ ہم فلاں عذر کی وجہ سے نہیں جاسکے تھے۔ (چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مدینہ واپسی پر منافقین نے جھوٹے عذر پیش کیے)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرمادیں کہ ہم تمہاری ان باتوں کو سچا نہیں مان سکتے ہمیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے حالات کی پوری خبر دے دی ہے۔

آئندہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری کارگزاری دیکھ لیں گے توبہ کرلی تو ٹھیک ہے ورنہ لوگوں کے سامنے تمہارے حالات آتے رہیں گے اور تمہاری ذلت ہوتی رہے گی

اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو جاؤ گے، اللہ تعالیٰ ظاہر اور پوشیدہ ہر چیز اور بات کو جانتا ہے وہ تمہیں تمہارے کرتوتوں کی خبر دے دے گا۔

منافقین مسلمانوں کے سامنے قسمیں کھائیں گے اور قسمیں کھا کر اپنی صفائی اور آئندہ کی وفاداری کا اعلان کریں گے تا کہ مسلمان ان سے اعراض اور درگزر کا معاملہ کریں۔ پس مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ ان سے اعراض کریں یعنی ان کو تنبیہ نہ کریں اور سزا نہ دیں کیونکہ وہ سراپا گندگی ہیں ان کی اصلاح کا امکان نہیں ہے وہ اپنے اعمال کی وجہ سے جہنم کے مستحق بن چکے ہیں۔ یا مسلمان ان سے اعراض کریں یعنی قطع تعلق کرلیں کیونکہ وہ سراپا نجاست ہیں اور جہنمی ہیں تو ایسے لوگوں سے دوستی اور اختلاط نہیں رکھنا چاہئے۔

منافقین قسمیں کھا کر مسلمانوں کو اپنے سے راضی کرنے کی کوشش کریں گے مسلمانوں کو ان سے راضی نہیں ہونا چاہئے، اگر بالفرض مسلمان ان سے راضی ہو بھی گئے تو اللہ تعالیٰ ایسے نافرمانوں سے راضی نہیں ہوتا۔

اگلی تین آیتیں بھی انہی منافقین کے لیے ہیں البتہ اس میں دیہاتی منافقین کو خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔

ان تین آیات کی مختصر تفسیر

ان آیات میں اعراب یعنی دیہات کے رہنے والوں کا حال بتایا ہے اوّل تو یہ بتایا کہ دیہاتی کفر اور نفاق میں بہت سخت ہیں اور علم کے ماحول سے دور ہونے کی وجہ سے ان کا یہی حال ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کا انہیں علم نہ ہو، جو اس نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائے، ایمان ویقین اور علم و عمل کے ماحول میں رہیں تو کفر سے بچیں اور نفاق سے بھی، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھی جانیں، لیکن مرکز علم و عمل سے دوری کی وجہ سے ان میں کفر شدید ہے اور نفاق اور جہالت میں بھی آگے آگے ہیں۔

وَ مِنَ الْأَعْرَابِ مَنْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ (الآیۃ)

اور دیہاتیوں میں بعض ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالی اور آخرت کے دن پر ایمان لاتے ہیں اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں اسے اللہ تعالیٰ کی نزدیکی کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا ذریعہ بنالیتے ہیں اور ان کا مقصد اجر و ثواب حاصل کرنا اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دعائیں لینا ہے۔ لہذا جو مال خرچ کرتے ہیں بطور تاوان بد دلی کے ساتھ نہیں بلکہ پوری بشاشت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے خرچ کرتے ہیں، ان کے اموال جو خرچ ہوتے ہیں واقعی وہ اللہ تعالی کی نزدیکی کا سبب ہیں، اللہ تعالی انہیں رحمت میں داخل فرمائے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ غفور ہے، رحیم ہے۔ (انوار البیان)

ایمان والے دیہاتی جہاد میں خوشی سے مال لگاتے ہیں:

ایمان والے دیہاتی جہاد اور صدقات میں مال خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ (المدارک)

وَالسّٰبِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهٰجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ

ایمان، ہجرت اور نصرت میں سبقت کرنے والے حضرات صحابہ کرام اللہ تعالی کے نزدیک مقبول جماعت ہیں۔

جو بھی قیامت تک ان مقبول حضرات کی اخلاص کے ساتھ اور حسن عقیدت کے ساتھ پیروی کرے گا وہ بھی کامیاب ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرام اور ان کے مخلص پیروکاروں سے راضی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔

اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے اور ان سب حضرات کو اللہ تعالیٰ یہ کامیابی اپنی رضا اور جنت کی صورت میں عطاء فرمائے گا۔

وَ مِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُونَ ۔۔

پچھلی آیت میں مہاجرین و انصار کے اتباع کا حکم تھا اب اس آیت سے مضمون شروع ہوتا ہے کہ جب حضرات مہاجرین و انصار کا اتباع نہیں ہوگا تو لوگوں کی کیسی کیسی صورتیں سامنے آئیں گی۔ تفسیر الفرقان میں ہے: اگر مہاجرین و انصار کا طریق عمل چھوڑ دیا گیا تو حسب ذیل قسموں کے لوگ پیدا ہوں گے۔ (تفسیر الفرقان)

پچھلی آیت میں کامیاب ترین مسلمانوں کا ذکر تھا یعنی مہاجرین وانصار میں سے جو سابق اور اول تھے اور اس آیت میں ناکام ترین لوگوں کا تذکرہ ہے یعنی وہ منافق جن کا نفاق اعتقادی ہے اور وہ بہت پکے اور گہرے منافق ہیں۔

وَاٰخَرُونَ اعْتَرَفُوا ۔۔۔

ان آیتوں سے انہی مخلص صحابہ کرام کا ذکر شروع ہو گیا ہے جو بغیر عذر کے جہاد میں شرکت سے رہ گئے تھے انکا قصہ تفصیلا پیچھے کی آیتوں میں گزر چکا۔

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِداً ضِرَاراً ۔۔۔

چونکہ مدینہ منورہ میں مسلمانوں کا غلبہ ہو چکا تھا، جس کی وجہ سے منافقین نے ظاہر میں اسلام قبول کر لیا تھا اور کھل کر اسلام کے خلاف کوئی مشورہ نہیں کیا جاسکتا تھا اور نہ کوئی مرکز بنایا جاسکتا تھا اس لئے انہوں نے اسلام ہی کے نام سے اپنا مرکز بنایا۔ یعنی مسجد کے عنوان سے ایک جگہ بنالی جو مسجد قباء کے قریب تھی، تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم نے مسجد بنائی ہے کہ آپ اس میں نماز ادا فرمالیں اور مقصد ان کا یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں نماز پڑھ لیں گے تو مسلمانوں کو اس کے مسجد ہونے کا یقین ہو جائے گا اور اس طرح کا کوئی شک و شبہ نہ کر سکیں گے کہ یہ مسجد کے علاوہ کوئی دوسری چیز ہے۔ ان لوگوں نے کہا یہ مسجد ہم نے ضعیف اور بیمار لوگوں کے لیے بنائی ہے تاکہ

سردی اور بارش کی راتوں میں یہ لوگ قریب ہی نماز پڑھ سکیں دور جانا نہ پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس وقت تو ہم سفر میں جا رہے ہیں جب واپس آئیں گے تو انشاء اللہ تمہاری فرمائش پوری کر دی جائے گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تبوک کے سفر میں تشریف لے گئے، جب وہاں سے واپس ہوئے تو مدینہ منورہ پہنچنے میں ابھی ایک دن یا اس سے کم مسافت باقی تھی کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے خبر دے دی کہ یہ مسجد مسجد ضرار» ہے جس کا مقصد اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانا اور کفر پر جمار ہنا اور مؤمنین کی جماعت میں تفریق پیدا کرنا ہے کہ جو لوگ مسجد قباء میں نماز پڑھتے ہیں ان کی جماعت کے کچھ لوگ اس مسجد ضرار میں آنے لگیں اور انہیں اپنے ڈھنگ پر ڈالا جا سکے۔ آنحضرت سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہنچے بھی نہ تھے کہ راستہ ہی سے آپ نے بعض صحابہ کرام کو بھیج دیا جنہوں نے مسجد ضرار کو آگ لگا دی اور اسے گرا دیا۔ حافظ ابن کثیر نے یہ بھی لکھا ہے کہ مسجد ضرار کے بنانے والے بارہ آدمی تھے اور ان لوگوں کے نام بھی لکھے ہیں جب ان لوگوں کا راز کھل گیا تو اپنی عادت کے مطابق وہی جھوٹی قسمیں کھانے لگے اور انہوں نے کہا اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا الْحُسْنٰی کہ ہم نے تو صرف خیر کا ارادہ کیا تھا لیکن واللہ یشھد انھم لکذبون سے اللہ رب العزت نے ان کی تکذیب کی کہ بلاشبہ یہ جھوٹے ہیں (انوار البیان)

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۔۔

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو جنت کے بدلے خرید لیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے پاس جان و مال بیچ دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی جہاد میں لڑتے ہیں جس میں کبھی قتل کرتے ہیں اور کبھی قتل کیے جاتے ہیں۔ یعنی وہ بیع (خرید و فروخت جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے) جہاد کرنا ہے، خواہ اس میں کوئی مسلمان قاتل رہے یا مقتول ہو جائے۔

اس قتال پر مسلمانوں سے جنت کا سچا اور پکا وعدہ کیا گیا ہے تو رات میں بھی، انجیل میں بھی، قرآن میں بھی، اور یہ بات یقینی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ اپنے عہد کو کون پورا کرنے والا ہے اور جب اس نے تم سے اس بیع (یعنی خرید و فروخت) پر جنت کا وعدہ کیا ہے تو اس حالت میں تم لوگ جو کہ جہاد کر رہے ہو اپنی اس خرید و فروخت پر جس کا تم نے اللہ تعالیٰ سے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ کہ تم نے فانی چیز دیکر ہمیشہ باقی رہنے والی چیز پالی ہے

اس خرید و فروخت میں تمہارے ساتھ جنت کا وعدہ ہے اور جنت کا ملنا بڑی کامیابی ہے پس تم کو ضرور یہ سودا کرنا چاہئے۔ (بیان القرآن تسہیل)

جہاد کی ترغیب پر مؤثر ترین آیت:

حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ پورے قرآن پاک میں جہاد کی ترغیب پر آنے والی آیتوں میں یہ آیت سب سے زیادہ دلکش اور مؤثر ہے۔ کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے جہاد کو ایک ایسے سودے کے طور پر بیان فرمایا ہے جس میں خریدار خود اللہ تعالیٰ ہے اور قیمت جنت کی وہ نعمتیں ہیں جن کا کسی نے ابھی تک تصور بھی نہیں کیا۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس سودے میں یہ شرط بھی نہیں رکھی کہ لازماً تمہیں قتل ہونا ہو گا، بلکہ جو بھی نکل پڑے خواہ قتل کرے یا قتل کیا جائے اس کے لیے یہ وعدہ پکا ہے۔ اور اس وعدے پر تین آسمانی کتابیں قرآن پاک، تورات اور انجیل گواہ ہیں اور وعدہ کرنے والا اللہ تعالیٰ ایسا سچا ہے کہ اس کا اُدھار دوسروں کے نقد سے زیادہ یقینی ہے۔ بس مسلمانوں کے لیے اس سے بڑھ کر خوشی اور سرور والی اور کونسی بات ہو سکتی ہے۔

اس آیت کا وعدہ قیامت تک ہر مجاہد کے لئے:

البحر المحیط میں ہے:

یہ آیت ہر اس شخص کے لیے عام (بشارت) ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے قیامت تک جہاد فی سبیل اللہ میں حصہ لے، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مسجد میں نازل ہوئی تو لوگوں نے (خوشی سے) تکبیر کہی تب ایک انصاری صحابی (تکبیر سن کر) آئے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا یہ آیت نازل ہوئی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جی ہاں۔ تو انہوں نے عرض کیا یہ تو بہت نفع والا سودا ہے ہم اسے کبھی نہیں توڑیں گے اور نہ توڑنے کی درخواست کریں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ اس وقت جہاد میں نکل گئے اور شہید ہو گئے۔ (البحر المحیط)

اَلتَّآئِبُونَ الْعٰبِدُونَ الْحٰمِدُونَ ۔۔۔

اس آیت میں نو ایسی صفات جن کو مجاہدین اختیار کریں تو ان کی فضیلت اور ثواب میں مزید اضافہ ہو جائے اور تمام اہل ایمان ان کو اختیار کریں تو ان کے لیے بھی بشارت ہے کیونکہ یہ وہ صفات ہیں جن سے ایمان میں کمال پیدا ہوتا ہے:

توبہ کرنے والا، عبادت کرنے والا، اللہ تعالیٰ کی حمد، شکر، روزہ، دنیا سے بے تعلقی، رکوع، سجدہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور حدود اللہ کی پاسداری کرنے والا ہو تو فضیلت میں مزید اضافہ ہو جائے۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

مجاہدین کے لیے تو صرف جہاد پر ہی جنت کا وعدہ ہے جبکہ باقی مؤمنین کے لیے ان صفات کو اختیار کرنے پر جنت کا وعدہ ہے بشرطیکہ وہ جہاد کی مخالفت نہ کریں اور ترک جہاد کا قصد نہ کریں۔ یعنی فرض عین ہو جانے کی صورت میں نکلنے کے لیے تیار رہتے ہوں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ ۔۔

ایمان والوں نے جب اپنی جان اور مال اللہ تعالیٰ کے پاس بیچ دیا ہے تو ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تنہا اسی کے ہو کر رہیں اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے محبت اور مہربانی کا کوئی تعلق نہ رکھیں، یہاں تک کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کے لیے جو کفر و شرک پر مر چکے ہیں استغفار بھی نہ کریں۔ جو اللہ تعالیٰ کا باغی ہے وہ مسلمانوں کا دوست کس طرح سے ہو سکتا ہے؟ اگرچہ قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔

باقی رہا حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کا اپنے والد کے لیے استغفار کرنا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اس سے استغفار کا وعدہ کر لیا تھا۔ پھر جب وہ کفر پر مر گیا اور یہ بات یقینی ہو گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دشمنی پر مرا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس سے بیزاری کا اعلان کر دیا اور اس کے لیے استغفار کرنا بند کر دیا۔ بے شک حضرت ابراہیم علیہ السلام بڑے نرم دل اور متحمل مزاج تھے۔

اب تک جو مسلمان اپنے مشرک آباء واجداد کے لیے استغفار کرتے رہے ہیں تو ان کی اس بات پر اللہ تعال کی طرف سے کوئی پکڑ نہیں ہو گی کیونکہ پہلے اس سے صراحۃً منع نہیں کیا گیا تھا۔ پکڑ تو ان کاموں پر ہوتی ہے جن کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے واضح ممانعت کر دی گئی ہو۔

کفار سے برأت اور قطع تعلق:

تفسیر کبیر اور بیان القرآن میں ہے کہ:

ان آیات کا تعلق کفار کے ساتھ اس اعلان برات سے ہے جو اس سورۃ مبارکہ کے شروع میں ہوا تھا اور اسی پر جہاد کا حکم ہوا تھا اب بتایا جاتا ہے کہ یہ بیزاری، قطع تعلق اور مخالفت صرف زندگی ہی میں نہیں بلکہ ان کے مرنے کے بعد بھی تمہارے دلوں میں ان کے لیے کوئی نرمی نہیں آنی چاہئے خواہ وہ تمہارے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

امام رازی لکھتے ہیں:

شروع سورۃ سے یہاں تک ارشاد فرمایا گیا کہ کفار و منافقین سے مسلمانوں کو ہر طرح کا قطع تعلق کرنا واجب ہے۔ اب ان چار آیتوں میں فرمایا جارہا ہے کہ ان کے مرنے کے بعد بھی ان سے براءت یعنی بے زاری اور قطع تعلق واجب ہے، اگرچہ بہت قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

اتمام حجت سے پہلے گمراہ نہیں کرتا:

آیت میں سمجھایا گیا کہ اتمام حجت اور اظہار حق سے پہلے اللہ تعالیٰ کسی کو گمراہ نہیں کرتا، گمراہی یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے احکام صاف کھول کر بیان کر چکا پھر اس پر عمل نہ کیا جائے، گویا اشارہ کر دیا کہ جو لوگ ممانعت سے قبل مشرکین کے لیے استغفار کر چکے ہیں ان پر مواخذہ نہیں لیکن اب اطلاع پانے کے بعد ایسا کرنا گمراہی ہے۔ (عثمانی تسہیل)

انّ اللّٰہ لہٗ مُلْکُ السّمٰوتِ وَالْأَرْضِ ---

ایمان والوں کے لیے قتال فی سبیل اللہ کی ترغیب ہے کہ وہ مشرکین اور کفار کے خلاف قتال کریں اور اللہ تعالیٰ جو آسمان وزمین کا مالک ہے اس کی نصرت پر بھروسہ رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا یار و مددگار ہے۔ (ابن کثیر)

مسلمانوں کو کافروں کی ضرورت نہیں:

پچھلی آیات میں مسلمانوں کو کافروں سے براءت اور قطع تعلق کا حکم دیا گیا تو سوال یہ اٹھتا ہے کہ تب تو مسلمان اکیلے رہ جائیں گے تو اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ نہیں اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے۔ تفسیر الفرقان میں ہے: اور مسلمانوں کو ان کی امداد کی ضرورت نہیں وہ اس خدا پر اعتماد کیے ہوئے ہیں جو زمین و آسمان کا مالک ہے اور جس کے ہاتھ میں موت وحیات کا رشتہ ہے، وہ مسلمانوں کو بہت جلد خلافت کبریٰ تک پہنچادے گا اور اگر ان کی استعداد میں کچھ کمی ہوئی تو اس کو پورا کر دے گا۔ (تفسیر الفرقان)

جہاد کی ترغیب:

حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں ابن جریر سے نقل کیا ہے کہ آخر میں یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی یار و مددگار نہیں، اس میں اہل ایمان کو ترغیب ہے کہ مشرکین اور رؤساء کفر سے قتال کرو اور اللہ تعالیٰ کی مدد کا یقین رکھو اسی پر بھروسہ کرو اور اس کے دشمنوں سے نہ ڈرو، اللہ تعالیٰ تمہارا ولی اور مددگار ہے۔ (انوار البیان)

لَقَدْ تَابَ اللّٰہُ عَلَی النَّبِیِّ وَالْمُھٰجِرِیْنَ وَالْأَنْصَارِ ---

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے حال پر توجہ فرمائی (یعنی خوب مہربانی فرمائی) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور امامت جہاد اور تمام خوبیاں عطاء فرمائیں اور مہاجرین اور انصار کے حال پر بھی توجہ فرمائی کہ ان کو ایسی مشقت کے جہاد میں ثابت قدم رکھا جنہوں نے ایسے تنگی کے وقت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا اس کے بعد کے ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا اور وہ جہاد میں جانے سے ہمت ہارنے کو تھے مگر پھر اللہ تعالیٰ نے اس گروہ کے حال پر توجہ فرمائی کہ ان کو سنبھال لیا اور آخر ساتھ ہو ہی لیے۔ پس بلاشبہ اللہ تعالیٰ سب پر بہت ہی شفیق مہربان ہے کہ اپنی مہربانی سے ہر ایک کے حال پر کس طرح سے توجہ فرمائی۔ (بیان القرآن تسہیل)

برحق جہاد میں بھی مشکلات آتی ہیں:

اس طرح کی آیات اور غزوہ تبوک کے پورے بیان سے یہ سبق بار بار ملتا ہے کہ وہ جہاد جو بالکل برحق اور خالص شرعی ہو اس میں بھی تکلیفیں، مشقتیں اور پریشانیاں آتی ہیں، یہ سبق ذہن میں رہے تو بہت سے اشکالات ختم ہو سکتے ہیں، غزوہ تبوک میں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود کمان اور قیادت فرمارہے تھے اور ساتھ ساتھ مشکلات اور تکلیفیں بھی آرہی تھیں تو کیا یہاں اللہ تعالیٰ کی نصرت موجود نہیں تھی؟

بے شک موجود تھی مگر اللہ تعالیٰ کی نصرت مختلف رنگوں اور صورتوں میں نازل ہوتی ہے۔ مثلاً کبھی اسباب کی فراوانی کی صورت میں اور کبھی صبر واستقامت نازل کرنے کی صورت میں۔ یہاں نصرت کا رنگ یہ تھا کہ اللہ پاک نے اس قدر تکلیفوں کے باجود ان کو ثابت قدم رکھا اور اپنے راستے پر ان کو چلاتا رہا اور ہر قدم پر ان کو اجر ورحمت سے نوازتا رہا۔ جہاد ہو مشقت اور تکالیف نہ ہوں یہ ممکن نہیں۔(واللہ اعلم بالصواب)

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوا ۔۔۔

اس آیت سے پھر سے ان تین انصاری صحابہ کا ذکر کیا گیا جو تبوک میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے، یہ تین صحابی کعب بن مالک، مرارہ بن ربیع، اور حضرت ہلال ابن امیہ تھے رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

(ان کا واقعہ پیچھے گزر چکا)

مَا كَانَ لِأَهْلِ الْمَدِينَةِ وَمَنْ حَوْلَهُم مِّنَ الْأَعْرَابِ ۔۔۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں تشریف لے جائیں اور مدینہ منورہ اور آس پاس کے لوگ پیچھے رہ جائیں یہ کہاں جائز ہے؟

کوئی مسلمان اپنی جان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ عزیز سمجھے یہ کہاں جائز ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق میں سب سے افضل، انبیاء علیہم السلام کے سردار، اللہ تعالیٰ کے حبیب ہیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاد میں نکل رہے ہیں اور اپنی قیمتی جان مبارک کو تکلیف، مشقت اور خطرے میں ڈال رہے ہیں تو اس سے معلوم ہوا کہ جہاد کتنا اہم کام ہے۔ تو پھر پیچھے رہ جانے والوں نے کتنی بڑی محرومی اپنے سر لی۔ اور جو لوگ جہاد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے انہوں نے اپنی جھولی بھر لی، اطاعت اور محبت کا حق بھی ادا کیا اور اپنے ہر اختیاری اور غیر اختیاری عمل پر اجر بھی پایا۔ انہیں پیاس پر بھی اجر ملا، تھکاوٹ پر بھی اجر ملا، بھوک پر بھی اجر ملا، ان کے ہر اس قدم پر بھی انہیں اجر ملا جس کے اٹھانے سے کافروں کو تکلیف پہنچی، اور انہوں نے دشمن سے جو کچھ چھینا یا اسے نقصان پہنچایا اس پر بھی اجر ملا اور ان کا شمار ان محسنین میں ہوا جن کے اجر کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرماتا۔ معلوم ہوا کہ جہاد بھی احسان یعنی بھلائی ہے۔

اور یہ مجاہدین جہاد میں جو کچھ خرچ کرتے ہیں تھوڑا یا زیادہ اور جو میدان بھی آتے جاتے عبور کرتے ہیں وہ سب ان کی نیکیوں میں شامل کر کے لکھ لیا جاتا ہے تاکہ اللہ پاک انہیں بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ ۔۔

عام حالات میں کافروں کے ملکوں اور علاقوں کی طرف جاکر جہاد کو قائم کرنا مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ ہے، یعنی کچھ لوگ جائیں اور کچھ پیچھے رہ کر علم سیکھیں اور دیگر انتظامات سنبھالیں۔

جب مجاہدین واپس آجائیں تو وہ دین کا علم سیکھیں اور دوسرے لوگ جہاد میں نکل جائیں تاکہ فرض ادا ہوتا رہے۔ یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ جہاد فرض کفایہ ہو لیکن جب فرض عین ہو جائے اور کفار ان پر حملہ آور ہوں تو پھر سب مسلمانوں پر جہاد لازم ہو جائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ ۔۔۔

فرضیت جہاد کی ترتیب:

اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ کافروں سے جہاد کا آغاز الاقرب فالاقرب کے طریقے پر کیا جائے، رہائشی اور نسبی قرابت کے اعتبار سے جو کافر قریب ترین ہوں ان سے جہاد شروع کیا جائے، قریب ترین کافروں کو اصلاح طلبی اور شفقت کا سب سے زیادہ حق ہے (پس ان سے شفقت کا

تقاضا یہی ہے کہ ان سے جہاد کیا جائے تا کہ وہ کفر اور سرکشی سے باز آنے کا راستہ پائیں) اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے اپنے قریب ترین خاندان والوں کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا، اور ہجرت کے بعد بنی قریظہ بنی نضیر اور خیبر کے یہودیوں سے جہاد کرنے کا حکم سب سے پہلے دیا گیا جب عرب سے جہاد ختم ہو گیا اور ضرورت نہ رہی تو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا، اس آیت میں (ایک روایت کے مطابق) رومیوں سے جہاد کرنے ہی کا حکم دیا گیا۔ رومی شام میں رہتے تھے اور عراق کی بہ نسبت شام مدینہ منورہ سے قریب تھا، اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبوک کی طرف رومیوں سے جہاد کرنے کیلئے خروج کیا جیسا کہ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے نقل کیا ہے۔ اس آیت کے مقتضا کا لحاظ کرتے ہوئے علماء فقہ نے صراحت کی ہے کہ کفار کی سرحد کے قریب جو مسلمان رہتے ہوں ان پر سرحدی کافروں سے جہاد کرنا واجب ہے اگر وہ کافی نہ ہوں اور زیادہ طاقت کی ضرورت ہو یا وہ سستی کریں اور حکم جہاد کی پروانہ کریں تو ان سرحدی مسلمانوں کے متصل جو مسلمان رہتے ہوں، ان پر سرحدی کافروں سے جہاد کرنا واجب ہو جاتا ہے اور ان میں بھی اگر بقدر ضرورت طاقت نہ ہو یا سستی کی وجہ سے وہ جہاد ترک کر بیٹھیں تو ان سے پیچھے والے مسلمانوں کا وہی فریضہ ہو جاتا ہے جو سستی کرنے والوں کا تھا۔ اسی ترتیب کے ساتھ مشرق، مغرب کے تمام مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت ہو جاتی ہے، میت کی تجہیز و تکفین کا سامان مہیا کرنا اور میت کی نماز پڑھنے کا بھی یہی حکم ہے۔ (مظہری

وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَنْ يَقُولُ ۔۔۔

(۱) منافقین چونکہ کسی حکم الٰہی کی تعمیل کے لیے تیار نہیں اس لئے حکم الٰہی نازل ہونے سے ان کی قوت ارادی میں کوئی طاقت اور ہمت پیدا نہیں ہوتی۔ ہاں وہ حکم مؤمنین میں ایک نئی زندگی کی روح پھونک دیتا ہے ان کی قوت ایمانی میں طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۲) منافقین اور زیادہ غیظ و غضب میں پیچ و تاب کھاتے ہیں کہ مسلمانوں میں نئی زندگی کی روح آگئی، ہماری سازشوں کا پختہ سد باب ہو گیا اور اسلام سے دشمنی کرنے اور مٹانے کی امیدوں پر پانی پھر گیا۔ (حضرت لاہوری)

(۳) قرآن پاک میں آیات جہاد کے نزول کے وقت منافقین کے کفر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ (امام رازی)

(۴) کیا یہ منافق لوگ نہیں دیکھتے کہ ہر سال میں ایک یا دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، امراض میں مبتلا ہوتے ہیں، جہاد میں جانے کا حکم ہوتا ہے تو پیچھے رہ جاتے ہیں جس سے ان کا نفاق کھل جاتا ہے اور اس کی وجہ سے رُسوا ہوتے ہیں۔ پھر بھی توبہ نہیں کرتے اور نصیحت بھی حاصل نہیں کرتے۔ (انوار البیان)

آیات جہاد کے نزول سے منافقین کا کفر بڑھ جاتا ہے:

پہلی دو آیات اور میں اشارہ فرمایا گیا کہ قرآن پاک کی سورۃ نازل ہوتی ہے تو وہ ایمان والوں کے ایمان میں ترقی کرتی ہے اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن لوگوں کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے ان کی گندگی میں اور اضافہ ہو جاتا ہے، اس پر امام رازی لکھتے ہیں:

یعنی جب (منافق کا فانی دنیا سے محبت کرنے والا نفس) ایسی سورۃ سنتا ہے جو جہاد کے حکم پر مشتمل ہوتی ہے اور اس میں جان کو موت کے لیے اور اپنے اموال کو لٹنے کے لیے پیش کرنے کا حکم ہوتا ہے تو اس کے کفر میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّم ۔۔

سورۃ التوبہ میں مشکل احکامات کا بیان ہے، آخر میں ایسی بات فرمادی کہ جس سے یہ مشکل احکامات (جہاد کافروں سے

قطع تعلق و برات وغیرہ) میٹھے لگنے لگیں اور ان پر عمل کرنا آسان ہو جائے

یہ تمام احکامات تمہارے پاس حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ چھ صفات موجود ہیں:

(۱)وہ اللہ تعالی کے عظیم الشان رسول ہیں، یعنی کمال کے سب سے اونچے درجے پر فائز ہیں اور جو کچھ لاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاتے ہیں۔

(۲)وہ تم میں سے ہیں یعنی بنی آدم میں سے ہیں۔ پس تمہارے خیر خواہ ہیں اور تمہارے مزاج، طبیعت اور دکھ سکھ کو سمجھتے ہیں۔

(۳)وہ تمہارے مشقت میں پڑنے کو گوارا نہیں کرتے بلکہ ہر وقت تمہارے لئے بھلائی اور آسانی کے طلبگار رہتے ہیں۔

(۴)وہ تمہاری ہدایت اور تمہارے لئے دنیا آخرت کی ہر بھلائی کے خواہشمند رہتے ہیں۔

(۵)وہ ایمان والوں کے لیے بہت شفیق ہیں

(۶)وہ ایمان والوں کے لیے بڑے مہربان ہیں

اب خود سوچیں کہ جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ تمام صفات موجود ہوں تو وہ تمہارے لئے کوئی تکلیف اور نقصان کی بات کہاں کر سکتے ہیں، پس وہ جو احکامات لائے ہیں ان میں تمہارے لئے خیر ہی خیر اور برکت و کامیابی ہے۔

اگر یہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہیں مانیں گے تو اپنا ہی نقصان کریں گے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو اللہ تعالیٰ کافی ہے جو عرش عظیم کا رب ہے۔ پس اگر یہ لوگ نہیں مانیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین کا کوئی نقصان نہیں ہو گا، یہ دین آگے بڑھتا چلا جائے گا اور اس کا ساتھ نہ دینے والے پیچھے رہ جائیں گے۔

عجیب نکتہ

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر زیادہ محبت ہو گی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر زیادہ پہچان ہو گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جس قدر تعلق زیادہ ہو گا اسی قدر جہاد سمیت پورے دین پر عمل کرنا آسان ہو جائے گا۔

دعوت جہاد کا ایک خاص طریقہ:

سورۃ الانفال اور سورۃ التوبہ جہاد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، ان دو سورتوں میں جہاد کے بارے میں ہر بات موجود ہے۔ اب سورۃ کا اختتام بہت دلنشین انداز میں ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کو جہاد سمجھانا ہو تو ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑ دو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت ہو گی تو جہاد کو سمجھنے میں کچھ مشکل پیش نہیں آئے گی۔ مگر جہاد ہو گا کیسے؟ تو بالکل آخری آیت میں "تَوَكَّلُ عَلَى اللہ" کا حکم دیا گیا کہ جہاد توکل سے ہو گا۔ عرش عظیم کے رب پر مکمل بھروسا اور توکل رکھو گے تو تمہارے لئے جہاد بالکل آسان ہو جائے گا۔

سورۃ محمد مدنیۃ

اس میں ۳۸ آیات ہیں۔

وجہ تسمیہ: ایک آیت میں لفظ محمد آیا ہے۔

اس سورت کے موضوعات

ایمان

جہاد

مجاہدین کی تسلی کا سامان مہاجرین کے لیے خوشخبری

انفاق فی سبیل منافقین کی حقیقت اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت۔

مومنوں اور کافروں کا انجام:

سورت کے ابتداء میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے، اللہ ان کے گناہ معاف فرماتے ہیں اور ان کے حالات درست کرتے ہیں، جبکہ کافروں کے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

حق و باطل کا فرق:

پختہ ایمان اعمال صالحہ کا تقاضہ کرتا ہے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری۔۔۔

قرآن اللہ کا کلام ہے۔

روئے زمین پہ جتنی بھی اشیاء ہیں س، انسان سے لے کر چرند پرند نباتات جمادات کائنات کا ذرہ ذرہ سب ہی اللہ کی مخلوق ہیں، سوائے قرآن پاک کے قرآن اللہ کی صفت ہے اور اللہ کا کلام ہے۔ اس کو انسان کی بہتری کے لئے نازل کیا گیا۔

افلا یتدبرون القرآن

کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے؟

قرآن میں غور و فکر کرنے سے دنیا و آخرت کی کامیابی کا راز حاصل ہوتا ہے۔

منافقین کی نشانیاں:

منافقین کا ذکر ہے کہ وہ زبان سے ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن دل سے مخلص نہیں ہوتے۔ جب دین کے لیے قربانی کا وقت آتا ہے تو پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔

نفاق انسان کو دنیا و آخرت کے خسارے کا باعث بنتا ہے۔

ہر ممکن کوشش بندہ کو نفاق سے خود کو بچانا چاہیے۔

دنیا کی زندگی کو عارضی کھیل تماشا قرار دیا گیا ہے جبکہ اصل کامیابی آخرت کی کامیابی ہے۔

مہاجرین کی تسلی اور ان کے مخلصانہ جذبہ ہجرت کی بارگاہ الٰہی میں قبولیت کی بشارت ہے۔

مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ دین حق کی سربلندی کے لیے ثابت قدم رہیں۔

اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے:

إن تنصروا اللّٰہ ینصرکم ویثبت أقدامکم

اگر تم اللہ کے دین کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں ثابت قدم رکھے گا۔

دین کی مدد کا مطلب ہے کہ دین کو غالب کرنے میں اپنی پوری طاقت جھونک دینا

بذل الجھد فی قتال کفار لاعلاء کلمۃ اللّٰہ

اپنی پوری قوت کفار سے قتال کرنے میں جھونک دینا کلمہ کی سربلندی کے مقصد سے۔۔۔ قرآن نے اس کے لئے خاص لفظ کا استعمال کیا ہے جہاد فی سبیل اور قتال۔

جنگ و جدل کا سلسلہ اس کائنات ارضی میں ہمیشہ سے رہا ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔

باطل طاقتیں بھی اپنے ناپاک مقاصد کی سربلندی کے لئے کبھی دفاعی کبھی اقدامی جنگیں لڑتی رہی ہیں جس طرح غیر مذہبی جنگیں ایک تسلسل کے ساتھ جاری ہیں اس طرح جہاد کا سلسلہ بھی جاری ہے اور رہے گا۔

پچھلی قوموں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا بائبل میں مذہبی جنگوں کا ذکر موجود ہے۔

سورہ بقرہ میں ایک جنگ کا ذکر کیا گیا، جو جالوت جیسے ظالم و جابر حکمراں کے خلاف حضرت طالوت علیہ السلام نے لڑی

اور اس کو کیفر کردار تک پہنچا کر ظلم کا خاتمہ کیا اس جنگ میں حضرت داؤد علیہ السلام بھی اپنے کم سنی میں شریک تھے اور انہوں نے ہی جالوت کو قتل کیا تھا۔ بعد میں داؤد علیہ السلام نبوت سے سرفراز ہوئے اور ان کو حضرت طالوت علیہ السلام کی حکومت وراثت میں ملی۔

اللہ کا نام بلند رکھنے والی جنگوں پہ تو اعتراض کیا جائے اور جو جنگیں حقیر مقاصد کے لئے لڑی جارہی ہیں ان کا دفاع کیا جائے۔

ماضی میں بھی اور اس وقت بھی بڑی چھوٹی طاقتیں ایکدوسرے کے ساتھ ٹکرا رہی تھیں آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے۔

بہت زیادہ وقت نہیں گزرا کہ جرمن نے جرمن نسل کی برتری کے لئے دنیا پر دو عظیم جنگیں مسلط کیں لاکھوں کروڑوں لوگ ختم ہوگئے۔

روس نے اپنی طبقاتی بالادستی کے عنوان سے اپنی طاقت و قوت کا بے دریغ استعمال کیا

غرض یہ کہ جنگیں لڑی جاتی ہیں اور آئندہ بھی لڑی جائیں گی۔

جہاد فی سبیل اللہ کو اسی تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے یہ کوئی وحشیانہ عمل نھیں ہے وحشیانہ عمل تو وہ ہے جو نسلی برتری حاصل اپنی بالادستی اور چوہدراہٹ برقرار رکھنے کے لئے کیا جارہا ہے۔

اسلام نے جنگ کو اسلام مشروع کیا ہے تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو۔۔۔

انسانی معاشرے میں اللہ کے احکام اور اس کی تعلیمات نافذ ہوں اس کے ذریعہ نامال وزر کمانا مقصود ہے نا وطن و قوم کی حمایت نا اپنی طاقت کا اظہار۔۔۔

اگر ان مقاصد کے لئے مسلمان کسی جنگ کا حصہ بنتا ہے تو وہ جہاد ہے ہی نہیں وہ محض ایک لڑائی ہے

جہاد وہ ہے جو خلاص اللہ کی رضا کے حصول کے لئے ہو اور اس میں کوئی دنیاوی غرض کا شائبہ تک نا ہو

بہر حال جہاد زندگی کا ایسا لازمی جزو ہے جسے الگ کیا ہی نہیں جاسکتا۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی کتاب سے ایک اقتباس:

فرماتے ہیں کہ جہاد کی مشروعیت اس وجہ سے ہے کہ روئے زمین پر فتنہ و فساد نا رہے امن عام ہوجائے اللہ کا کلمہ بلند ہو اور کفر کا کلمہ ذلیل ورسوا ہو۔ نیز جہاد ان رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے مشروع کیا گیا ہے جو حق کی دعوت کے راستے میں داعیوں اور مبلغوں کے آڑے آتی ہیں۔ اس طرح ان لوگوں کا ہاتھ پکڑنے کے لئے جہاد مشروع کیا گیا ہے جن کا نفس ان داعیان کو تکلیف دینے اور ان پر ظلم کرنے کو آمادہ کرتا ہے۔

غرض جہاد اپنے مفہوم میں بڑی وسعت رکھتا ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ

نصرت دین

انفاق فی سبیل اللہ

یہ مؤمن کی شان ہے

اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا بنیادی فایدہ آدمی کے اندر سے بخل ختم ہوتا ہے۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

ای داء ادوء من البخل بخل سے بڑھ کر کونسی بیماری ہوسکتی یعنی بخل قلب کی سب سے بڑی بیماری ہے۔

انفاق فی سبیل اس بیماری کے لئے اکسیر کا کام کرتا ہے۔

مومن حق کی پیروی کرتے ہیں جو اللہ کی طرف سے آیا ہے اور کافر باطل کے پیچھے چلتے ہیں۔ اسی وجہ سے دونوں کے انجام میں فرق ہے مومن آخرت میں اللہ کی نعمتوں اس کی رضا میں ہوگا اور کافر عذابوں میں اور اللہ کے غضب میں

ہو گا۔

دنیا کی زندگی فانی ہے آخرت کی زندگی دائمی ہے۔ جب دنیا کی بنا اور آخرت کے بقا کا یقین پختہ ہو گا

بندہ گناہوں سے اجتناب کرنے میں اور اعمال صالحہ کے کرنے میں جت جائے گا۔ ایمان و یقین اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اخلاص اور دین حق کی نصرت سربلندی کے لئے کوشاں ہونا ہی دنیا و آخرت کی کامیابی کا راستہ ہے۔

سورۃ الفتح مدنیۃ

اس میں ۲۹ آیات ہیں

یہ سورت صلح حدیبیہ کے بعد نازل ہوئی جب بظاہر مسلمانوں کو اپنی بعض خواہشات سے دستبردار ہونا پڑا لیکن اللہ تعالی نے اسے فتح مبین (واضح فتح) قرار دیا۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ تاریخ اسلام کا عظیم الشان واقعہ ہے بعد کے سماجی اور سیاسی حالات پر اس واقعے نے بڑے بہترین اثرات مرتب کئے اور مسلمانوں کے لیے مکہ مکرمہ میں باعزت واپسی کی راہیں ہموار کیں معاہدے کے بعد بہ ظاہر ایسا لگ رہا تھا کہ مسلمانوں نے زبردست عسکری قوت و طاقت رکھنے کے باوجود دب کر صلح کر لی ہے تقریباً سب ہی صحابہ اس فیصلے سے شکستہ دل اور آزردہ خاطر نظر آئے لیکن اللہ نے اس وقت کی پسپائی میں مستقبل کے روشن امکانات رکھ دئے تھے، گویا یہ صلح فتح مبین کی خوش خبری تھی جو پوری ہو کر رہی اور جن لوگوں کو مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر عمرہ کرنے سے روکا گیا تھا وہ دو سال بعد فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں داخل ہو گئے۔

مقام حدیبیہ:

مکہ مکرمہ سے تقریبا پچیس کلو میٹر پر حدیبیہ واقع ہے، جدہ سے مکہ جانے والے مسافر اس جگہ سے ہو کر گزرتے ہیں اس کا وہ حصہ جو مکہ مکرمہ کی طرف ہے حدود حرم میں داخل ہے اور جو حصہ جدہ کی طرف ہے وہ حدود حرم سے یہاں ایک پرانا کنواں تھا جس کو حدیبیہ کہا جاتا تھا بعد میں پورے علاقے کو حدیبیہ کہا جانے لگا فی الحال یہاں حدیبیہ کے باغات ہیں اور ایک عظیم الشان مسجد بھی ہے۔

ابتداء یہ سفر عمرے کے لئے ہوا تھا اس لئے اس اس کو عمرہ الحدیبیہ بھی کہتے ہیں اور آگے جا کے جنگ کے حالات پیدا ہوئے اس لئے اسے غزوہ حدیبیہ بھی کہا جاتا ہے۔

سورت کی ابتداء عظیم اعلان کے ساتھ کی گئی۔

انا فتحنا لک فتحا مبینا

بے شک ہم نے آپ کو ایک کھلی فتح عطا فرمائی

اس سے مراد زیادہ تر مفسرین کے نزدیک صلح حدیبیہ ہے کیونکہ اس صلح کے نتیجے میں اسلام تیزی سے پھیلا اور بعد میں مکہ فتح ہوا۔

قرآن کریم نے اس پسپائی کو فتح مبین سے تعبیر کیا ہے بظاہر یہ تعبیر حیرت انگیز معلوم ہوتی ہے کیوں کہ مسلمانوں نے دب کر صلح کی اور مشرکین نے جو چاہا وہ لکھوایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ہر مطالبہ تسلیم کیا۔

مگر بعد میں اس صلح کے جو اثرات مرتب ہوئے اور عرب کی فضا خود بہ خود اسلام اور مسلمانوں کے حق میں جس طرح ساز گار ہوتی چلی گئی وہ قرآن کے اس دعوے کو تسلیم کرنے کے لیے کافی ہے۔

دیکھا جائے تو اس سے مسلمانوں کی اہمیت میں اضافہ ہوا اور خطے میں ان کا دبدبہ بڑھا اس سلسلے میں یہ امور قابل غور ہیں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ قریش نے پہلی مرتبہ مسلمانوں کے وجود کا کھلے طور پر اور اعتراف کیا

کیوں کہ معاہدہ طرفین میں برابری کی بنیاد پر ہوتا ہے اپنے سے کمزور لوگوں معاہدہ سے کوئی مصالحت کے معاہدے

نہیں کرتا، نیز پہلی بار قبائل عرب نے یہ محسوس کیا کہ خود کو قائد اور سردار کہلانے والے قریش میں گھبراہٹ ہے بظاہر انہوں نے اپنی کچھ باتیں منوالی ہیں مگر در اصل یہ مطالبے خوف کی نفسیات کے زیر اثر کئے گئے تھے۔

طاقتور کبھی اس طرح کے مطالبوں سے اپنا وقار بحال نہیں کرتا۔

پہلی مرتبہ قبائل عرب نے یہ بھی محسوس کیا کہ اس پورے معاملے میں قریش کا رویہ غیر منصفانہ رہا ہے طواف بیت اللہ سے روکنا اور قربانی نہ ہونے دینا کسی بھی حال میں صحیح فیصلہ نہیں ہو سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس مصالحت کے بعد مشرکین کے حملوں کے خطرات مل گئے مسلمانوں کو موقع ملا کہ وہ اطمینان کے ساتھ اسلام کی دعوت و نشر و اشاعت کے کام میں لگیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا تذکرہ کیا گیا۔

اللہ تعالی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مغفرت ہدایت نصرت اور اپنی نعمت کی تکمیل کی بشارت دی۔

اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دلوں میں اطمینان اور سکون نازل کیا تاکہ ان کا ایمان مزید مضبوط ہو جائے۔

ان لوگوں کا ذکر ہے جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بدگمانی رکھتے تھے۔

بدگمانی سے مراد وہ موقع تھا جب منافقین نے یہ گمان کر لیا تھا کہ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان کبھی اپنے گھروں (مدینہ) واپس نہیں آسکیں گے اور مشرکین مکہ انہیں ختم کر دیں گے۔

مگر ان کا یہ گمان کہ مسلمان ختم ہو جائیں گے جھوٹا ثابت ہوا اور وہ خود ذلیل ہوئے۔

اللہ تعالیٰ کا ان پر غضب ہوا اور انہیں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے دور کر دیا۔ ان کا آخری ٹھکانا جہنم کی آگ ہے جو بدترین جگہ ہے۔

صحابہ کرام نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت فرمائی۔

لقد رضی اللّٰہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ۔۔۔

یقینا اللہ ان مؤمنوں سے بڑا خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ (محبت اور خلوص تھا وہ بھی اللہ کو معلوم تھا اس لئے اس نے ان پر سکینت اتار دی اور ان کو انعام میں ایک قریبی فتح عطا فرمادی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوشش یہی تھی کہ وہ اپنے عمل سے بھی اچھی طرح واضح کر دیں کہ ہم محض عمرے کے لیے آئے ہیں لڑنا ہمارا مقصد نہیں، اس لئے آپ نے وہ راستہ تبدیل کر دیا جدھر جانے سے ٹکراؤ کا اندیشہ تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ پہنچ کر ٹھہر گئے آپ قریش کو یہ بات سمجھانا چاہتے تھے کہ بیت اللہ کی زیارت اور تعظیم و تکریم مسلمانوں کا بھی حق ہے۔

جس طرح غیر مسلم آکر خانہ کعبہ کی زیارت کرتے ہیں اس طرح مسلمانوں کو بھی اس کی اجازت ہونی چاہئے۔ قریش کو یہ بات سمجھانے کے لیے سب سے پہلے آپ نے حضرت خراش بن امیہ کو بھیجا مگر قریش نے ان کی بات ہی نہیں سنی بلکہ انہیں گرفتار کر لیا ان کا اونٹ ذبح کر کے کھا گئے وہ لوگ انہیں قتل بھی کرنا چاہتے تھے۔ مگر کچھ سمجھ دار لوگوں نے ان کی جاں بخشی کرائی اور انہیں قریش کی قید سے نکالا۔ خراش نے حدیبیہ پہنچ کر تمام قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو قریش کی طرف بھیجنا چاہا مگر انھوں نے یہ کہہ کر معذرت کر دی کہ

اب مکہ مکرمہ میں بنی کعب کا کوئی فرد موجود نہیں ہے قریش کو مجھ سے سخت دشمنی ہے، اگر میں مکے جاتا ہوں اور قریش میرے ساتھ ناروا سلوک کرتے ہیں تو وہاں میری حمایت کرنے والا کوئی نہ ہو گا مناسب ہو تو آپ عثمان کو بھیج دیجئے۔ ان کے کافی رشتے دار مکے میں موجود ہیں تجویز معقول تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمائی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس پیغام کے ساتھ مکہ روانہ فرمادیا کہ وہ جا کر قریش سے کہیں کہ ہم لوگ جنگ کی غرض سے یہاں نہیں آئے ہیں ہم تو بس عمرہ کرنا چاہتے ہیں تم انہیں اسلام کی دعوت بھی دینا اور ان پر یہ بات واضح کر دینا کہ عن قریب ہمیں فتح حاصل ہونے والی ہے اللہ اپنے دین کو ہر حال میں غالب کر کے رہے گا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ یہ پیغام لے کر مکہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ابھی بلدح نامی وادی میں پہنچے ہی تھے کہ قریش کے کچھ لوگ مل گئے۔

انھوں نے پوچھا کہاں کا قصد ہے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں تم لوگوں کے پاس ہی جارہا ہوں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے تا کہ میں تمہیں اسلام کی دعوت دوں اور تمہیں یہ بتلادوں کہ ہم اس وقت لڑنے کے ارادے سے نہیں آئے ہیں۔

ہم صرف عمرہ ادا کرنا چاہتے ہیں

قریش کے لوگوں نے کہا ٹھیک ہے

تمہیں جیسا کہا گیا ہے ویسا کرو

ابان بن سعید بن العاص بھی وہاں موجود تھے انھوں نے حضرت عثمان کو خوش آمدید کہا اور اپنے ساتھ گھوڑے پر بٹھا کر مکہ پہنچے اور انہیں اپنے گھر میں ٹھہرایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ نے قریش کے سرداروں سے ملاقات بھی کی اور بات بھی کی مگر وہ کسی بھی طرح اس پر راضی نہ ہوئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوں البتہ انھوں نے حضرت عثمان سے کہا کہ آپ چاہیں تو طواف کر سکتے ہیں لیکن حضرت عثمان صلی اللہ نے فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر طواف نہیں کروں گا۔ بعض مسلمانوں کا خیال تھا کہ عثمان نے طواف کر لیا ہو گا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں

وہ ہمارے بغیر طواف نہیں کریں گے۔

لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں؟

عثمان کو موقع ملا ہے وہ احرام کی حالت میں ہیں سامنے بیت اللہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان کو جو محبت ہم سے ہے اس کی بنا پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انھوں نے طواف نہیں کیا ہے چناں چہ جب وہ واپس آئے ساتھیوں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے طواف کر لیا انھوں نے کہا نہیں میں حضور کے بغیر کیسے طواف کر لیتا اگر مجھے سال بھر بھی احرام کی حالت میں رہنا پڑتا تب بھی میں طواف نہ کرتا تم لوگوں نے میرے متعلق غلط گمان قائم کر لیا قریش نے مجھ سے طواف کرنے کے لیے کہا مگر میں نے انکار کر دیا قریش نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ میں روکے رکھا، بلکہ بعض روایات میں تو یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو طواف کرنے سے انکار کرنے کی وجہ سے قریش نے ان کو قید کر دیا تھا مگر بعد میں جب مسلمانوں کے حملے کا خطرہ ہوا تو انہیں چھوڑ دیا واپسی میں تاخیر کی وجہ سے مسلمانوں میں یہ افواہ پھیل گئی تھی کہ حضرت عثمان کو شہید کر دیا گیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر سن کر آپ کو شدید صدمہ پہنچا آپ اس وقت کیکر کے ایک درخت کے نیچے تشریف فرما تھے صحابہ بھی وہیں جمع ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ بیٹھ کر تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جاں نثاری اور وفا شعاری پر بیعت لی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر شخص سے الگ الگ اس بات پر عہد لیا کہ اگر قریش کے ساتھ جنگ ہوتی ہے تو وہ راہ فرار اختیار نہیں کرے گا اور نہ اپنی جان کی پرواہ کرے گا حدیث سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں اس بیعت کو بیعت رضوان کا نام دیا گیا ہے۔

سب سے پہلے ابو سفیان الاسدی رضی اللہ نے بیعت کی، سلمہ بن الاکوع رضی اللہ نے تین مرتبہ بیعت کی ایک مرتبہ شروع میں دوسری مرتبہ درمیان میں تیسری مرتبہ آخر میں ہر شخص نے اپنا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر رکھ کر اس طرح کے الفاظ کہے کہ اگر جنگ ہوئی تو میں موت سے نہیں ڈروں گا اور نہ میں راہ فرار اختیار کروں گا۔ ایک شخص کے علاوہ تمام صحابہ کرام نے بیعت کی۔ اس شخص کا نام جد بن قیس ہے وہ بیعت کے وقت اونٹ کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گیا تھا۔ آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بایاں ہاتھ دائیں پر رکھا اور فرمایا یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے۔ یہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظیم فضیلت ہے۔

سورت کے آخر میں صحابہ کرام کی صفات بیان کی گئی ہیں۔

محمد رسول اللّٰہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔۔۔

محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان کے ساتھ والے کافروں پر سخت آپس میں نرم دل ہیں۔ تُو انہیں رکوع کرتے ہوئے سجدے کرتے ہوئے دیکھے گا، اللہ کا فضل و رضا چاہتے ہیں، ان کی علامت ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان سے ہے۔ یہ ان کی صفت تورات میں (مذکور) ہے اور ان کی صفت انجیل میں (مذکور) ہے۔ (ان کی صفت ایسے ہے) جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی باریک سی کونپل نکالی پھر اسے طاقت دی پھر وہ موٹی ہوگئی پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی کسانوں کو اچھی لگتی ہے (اللہ نے مسلمانوں کی یہ شان اس لئے بڑھائی) تاکہ ان سے کافروں کے دل جلائے۔

اللہ نے ان میں سے ایمان والوں اور اچھے کام کرنے والوں سے بخشش اور بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔

اشداء علی الکفار۔۔۔ اس سے مراد کافروں اور باطل پرستوں کے سامنے ایمانی غیرت شجاعت اور ڈٹ جانا ہے یہ شدت غیض و غضب یا ذاتی دشمنی پر مبنی نہیں، بلکہ کفر کے نظام اور نظریات سے بیزاری اور حق کی سربلندی کے لیے ہے۔

انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ اپنے محبوب کے دشمنوں سے نفرت کرتا اور ان پر سختی کرتا ہے اور اس میں بھی جس کی محبت جتنی زیادہ ہو اس کی اپنے محبوب کے دشمن سے نفرت اور سختی بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ چیز اس کے عشق و محبت کی علامات میں سے ایک اہم علامت شمار کی جاتی ہے۔

رحماء بینھم۔۔۔ اس سے مراد اہل ایمان کا باہمی اخوت محبت اور ہمدردی کا رشتہ ہے۔

یہ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونے اور آپس میں عاجزی و انکساری برتنے کی بہترین تصویر کشی ہے۔ صحابہ کرام کا اعزاز ہے یہ صفت کمال بطور خاص صحابہ کرام کے لیے بیان کی گئی ہے کیونکہ وہ کفر کے مقابلے میں بے مثال قوت اور اہل ایمان کے لیے سراپا رحمت تھے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم:

وہ مبارک ہستیاں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت بے مثال اور لا زوال ہے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی انہیں اپنے مال اولاد اہل و عیال حتّٰی کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب اور عزیز تھی اور اسی بے انتہاء عشق و محبت کا یہ نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں یعنی کفار سے سخت نفرت

کرتے اور ان پر انتہائی سختی فرمایا کرتے تھے

اور ان کے اسی عمل کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے ایک وصف کے طور پر بیان فرمایا ہے کہ میرے حبیب اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کا ایک وصف یہ ہے کہ وہ کافروں پر سخت ہیں۔

صحابہ کرام کی عبادت کا حال بیان کیا گیا ہے۔

تراھم رکعا سجدا -تو انہیں رکوع کرتے ہوئے سجدے کرتے ہوئے دیکھے گا یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کثرت سے اور پابندی کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں اسی لئے کبھی تم انہیں رکوع کرتے اور کبھی سجدہ کرتے ہوئے دیکھو گے اور اس قدر عبادت سے ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا ہے۔

سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود

ان کی علامت ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان سے ہے۔

یعنی ان کی عبادت کی علامت ان کے چہروں میں سجدوں کے اثر سے ظاہر ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ علامت وہ نور ہے جو قیامت کے دن اُن کے چہروں سے تاباں ہو گا اور اس سے پہچانے جائیں گے کہ انہوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بہت سجدے کئے ہیں۔

ذالک مثلھم فی التوراۃ و مثلھم فی الانجیل

یہ ان کی صفت توریت میں ہے اور ان کی صفت انجیل میں ہے۔

اس آیت کی ایک تفسیر یہ ہے کہ یہاں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے جو اوصاف بیان ہوئے یہ توریت میں مذکور ہیں اور انجیل میں مذکور ہیں کہ ان کی مثال ایسے ہے جیسے ایک کھیتی ہو جس نے اپنی باریک سی کونپل نکالی۔

پھر اسے طاقت دی پھر وہ موٹی ہو گئی۔ پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہو گئی اور ان چیزوں کی وجہ سے وہ کسانوں کو اچھی لگتی ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اسلام کی ابتداء اور اس کی ترقی کی مثال بیان فرمائی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تنہا اٹھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو آپ کے مخلص اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے تقویت دی۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ کے اصحاب کی مثال انجیل میں یہ لکھی ہے کہ ایک قوم کھیتی کی طرح پیدا ہو گی اس کے لوگ نیکیوں کا حکم کرینگے اور برائیوں سے منع کرینگے۔

ایک قول یہ ہے کہ کھیتی سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس کی شاخوں سے مراد صحابہ کرام اور (ان کے علاوہ) دیگر مومنین ہیں۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کھیتی سے اس لئے تشبیہ دی کہ جیسے کھیتی پر زندگی کا دار و مدار ہے ایسے ہی ان پر مسلمانوں کی ایمانی زندگی کا مدار ہے اور جیسے کھیتی کی ہمیشہ نگرانی کی جاتی ہے ایسے ہی اللہ تعالیٰ ہمیشہ صحابہ کرام کی نگرانی فرماتا رہے گا۔

نیز جیسے کھیتی ابتداء کمزور ہوتی ہے پھر طاقت پکڑتی ہے ایسے ہی صحابہ کرام ابتداء بہت کمزور معلوم ہوتے تھے پھر طاقتور ہوئے۔

لیغیظ بھم الکفار

تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔

یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کھیتی سے تشبیہ اس لئے دی گئی ہے تاکہ ان سے کافروں کے دل جلیں۔۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے جلنا کافروں کا طریقہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کی اُلفت و محبت نصیب فرمائے

وعـــده اللّٰه الذيـــن امنـــوا و عملـــوا الصالحـــات منهـــم

اللہ نے ان میں سے ایمان والوں اور اچھے کام کرنے والوں سے وعدہ فرمایا ہے۔

اس آیت کے شروع میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے اوصاف و فضائل بیان کیے گئے اور آخر میں ان کو مغفرت اور اجرِ عظیم کی بشارت دی جارہی ہے۔

یاد رہے کہ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین صاحب ایمان اور نیک اعمال کرنے والے ہیں، اس لئے یہ وعدہ سبھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہے۔

سورت کا خاصہ یہ ہے کہ

اللہ کی حکمت انسان کی ظاہری سوچ سے بلند ہوتی ہے۔

بعض اوقات جو چیز نقصان معلوم ہوتی ہے۔

وہی بڑی کامیابی کا سبب بنتی ہے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کامیابی کی کنجی ہے۔

ایمان والوں کے لیے سکینت نصرت اور فتح اللہ کی طرف سے ہے۔

صحابہ کرام کی محبت اور ان کے مقام کا احترام ایمان کا تقاضا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فیصلوں پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔

اور مجاہدین کے لیے سب سے اھم نکتہ کہ

بظاہر مشکل یا نقصان دہ نظر آنے والے حالات بھی اللہ کی حکمت سے عظیم فتوحات کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔۔۔(استقامت اور شریعت کے مطابق عمل شرط ہے)

تفسیر سورۃ الکافرون

درس: شیخ خالد حقانی رحمہ اللہ

قل یأیھا الکافرون۔۔۔جیسا کہ میں نے آپ سے عرض کی تھی کہ لفظ قُل قرآن میں جواب کے لئے مستعمل ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قُل فی القرآن جواب وقد یکون محذوفاً

یعنی لفظِ قُل قرآن میں جواباً وارد ہے اور کبھی یہ جواب محذوف ہوتا ہے اور اسے تلاش کر کے سامعین کے سامنے بیان کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ لفظِ قُل ایک طرح سے طریقِ تعلیم بھی ہے کہ آپ جب اپنی قوم سے مخاطب ہوں، تو کن طریقوں سے انہیں اسلام کی تعلیمات سے روشناس کروائیں گے۔ تو آیئے وہ طریقے جاننے کی کوشش کرتے ہیں، جو قُل کے زمرے میں شامل ہیں۔

قل یأیھا الکافرون۔۔۔اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہو، اے کافرو! اس میں ایک طریقۂ افتاء بیان کیا گیا ہے، کہ جو کافر ہے، اس پر سست کلامی سے کام لئے، بغیر دلیری اور وضاحت کے ساتھ کفر کا فتوی لگا کر، اسے یوں پکارو کہ، اے کافر یا اے کافرو!

اور یاایھا الکافرون کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ، ان کفار کی اسلام بیزاری کی علت اور سبب کفر ہے، جیسا کہ نحو کی کتاب میں آپ نے پڑھا ہو گا کہ، جب مشتق پر کوئی حکم لاگو ہوتا ہے، تو وہ علت کا فائدہ دیتا ہے، لہٰذا کافر پر جب کفر کا فتویٰ صادر ہو گا ، تو وہ کفر اس کی برات پر علت قرار دیا جائیگا۔

آیاتِ مبارکہ کا ترجمہ اور تکرار کی حکمت:

اے کافرو! لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عابدون ما اعبد

ولا انا عابد ما عبدتم ولا انتم عابدون ما اعبد

کلام میں چونکہ تکرار ہے تو ہم یہاں تاسیس کا معنی کرینگے، اس لئے کہ «التاسیس اولی من التاکید» کے پیشِ نظر ہر آیت کا علیحدہ ترجمہ کیا جائیگا۔

لا اعبد ما تعبدون

ترجمہ: میں عبادت نہیں کرتا، ان معبودوں کی جن کی تم عبادت کرتے ہو

ولا انتم عابدون ما اعبد

ترجمہ: اور نہ تم اس معبود کی عبادت کرنے والے ہو، جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔

میں جس معبود یعنی اللہ کی عبادت کرتا ہوں اس کی عبادت تم نہیں کرتے اور جن باطل معبودوں کی تم عبادت کرتے ہو، ان کی عبادت میں نہیں کرتا۔ یہ اچھی طرح سن لو۔

اب دوسری آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بھی مضارع کا صیغہ ہے اور دوسری جانب بھی مضارع کا صیغہ ہے جو اس بات کا فائدہ دیتا ہے، کہ نہ میں بالفعل تمہارے باطل معبودوں کی عبادت کرتا ہوں، اور نہ ہی مستقبل میں کوئی امکان ہے، اس لئے کہ فعل مضارع حال اور استقبال دونوں کا فائدہ دیتا ہے اور کافروں کے لئے اسم فاعل کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے کہ ولا انتم عابدون ما اعبد یعنی فی الحال تو تم عبادت کرنے والے نہیں، شاید آئندہ کوئی امکان ہو کہ، تم اللہ کی عبادت کرنے لگ جاؤ۔

اب یہاں یہ سوال ذہن میں آسکتا ہے، کہ جس ذات کی رسول صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کرتے تھے، مشرکین بھی تو اسی ذات (اللہ) کی عبادت کرتے تھے؟

جواب اول: مذکورہ آیات میں غیر اللہ کی عبادت سے مکمل نفی کی گئی ہے اس لئے کہ مشرکین اللہ کے ساتھ غیر اللہ کی عبادت بھی کیا کرتے تھے۔

جواب دوم: جس طریقہ وعقیدۂ توحید سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عبادت فرمایا کرتے تھے، اسی طریقہ وعقیدۂ توحید سے مشرکین، اللہ کی عبادت نہیں کرتے تھے، بلکہ عقیدۂ شرک کے ساتھ مشرکین اللہ کی عبادت کرتے تھے۔

یاد رکھیں کہ اسلام میں کسی بھی عبادت یا حکم کی ادائیگی کے

لئے تین چیزوں کا ہونا بہت ضروری ہے:

۱۔ منبع (سرچشمہ) --- ۲۔ مقصد --- ۳۔ طریق (طریقہ)

منبع، مقصد اور طریق ان تینوں کا شریعت کے مطابق ہونا بہت ضروری ہے جب یہ تینوں چیزیں پائی جائیں تو ایک حکم ، شرعی حکم کہلائے گا، یہ نہیں کہ منبع اور قوانین تو سامراجی ہوں، لیکن حکم اسلام کا لگے، یہ ہر گز نہیں ہو سکتا، بلکہ منبع ، مقصد اور طریق یہ تینوں شریعت کے مطابق ہونگے، تو ایک حکم اور اس پر عمل شرعی عمل کہلائیگا۔

اب اگر منبع تو اسلامی ہے، لیکن طریقہ، غیر اسلامی ہے، جیسا کہ اسلام تو نافذ کرنا ہے، لیکن جمہوریت کے راستے، تو یہ اسلامی نفاذ نہیں، اس لئے کہ طریقۂ غیر اسلامی ہے، اسی طرح، شرعی حکم کا مقصود بھی رضائے الٰہی ہو گا، تو حکم ، شرعی سمجھا جائیگا ورنہ نہیں۔

تو یاد رکھیں کہ «خصلتان یُسأل عنھما یوم القیامہ لم فعلت وکیف فعلت» دو عادتیں ایسی ہیں، جن کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائیگا؛ ایک ہے، لم فعلت کہ یہ کام تو نے کیوں کیا تھا، وکیف فعلت اور کس طرح کیا تھا؟

یہاں نظامِ جمہوریت کا ایک نیا قاعدہ ہے کہ «الغایۃ تبرر الوسیلۃ (The end justifies the means) جس کا معنی ہے بس مقصد نیک ہونا چاہئے، خواہ وہ غلط اور باطل طریقہ سے کیوں نہ حاصل کیا جائے، جیسے پشتو میں ہے کہ:

مقصد زما دیار تر درہ رسیدل دی، خیر دی کہ پہ ډیرو وسیلو ورسیدم

اب جمہوری نظام کا تقاضا ہے کہ، مقصد کے لئے کوئی بھی راستہ اختیار کیا جا سکتا ہے، یہ اس طرح ہے جیسے کوئی شخص اس غرض سے سینما تعمیر کروائے کہ، اس کی آمدنی جمع ہونے کے بعد مسجد تعمیر کرونگا، تو کیا شرعاً اس مسجد کی تعمیر جائز ہو گی؟۔

تو معلوم ہوا کہ شرعی مقصد و حکم کے لئے طریقہ بھی شرعی اور نبوی طریقہ اختیار کرنا ہو گا، اب خود دیکھیں کہ، اللہ پاک نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا کہ، ان کافروں سے کہہ دو کہ ولا انتم عابدون ما اعبد کہ تم اس رب اور معبود کی عبادت کرنے والے نہیں، جس کی میں عبادت کرتا ہوں، اس لئے کہ تمہارا طریقہ اسلامی نہیں، بلکہ شرک کی وجہ سے غیر اسلامی ہے۔

اسی طرح پاکستان کے اساسی قانون کو دیکھا جائے تو شروع میں یہ درج ہے حاکمیتِ اعلیٰ اللہ کو حاصل ہے، اس بات سے مجھے مذاکرات کے وقت اپنا دعویٰ یاد آگیا کہ ہم نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ پاکستان کے آئین میں ایک حرف بھی اسلامی نہیں یا یوں کہا جائے کہ پاکستان کے قوانین میں سے ایک قانون بھی اسلام کے کسی قانون سے میل نہیں کھاتا، بلکہ مکمل غیر اسلامی ہے، جب یہ دعویٰ زور پکڑنے لگا، تو مذاکرات کے دنوں علماء کی ایک کمیٹی نے جو وزیرستان میں تشکیل کی گئی تھی، مجھ سے کہا کہ آپ کا یہ دعویٰ، کہ پاکستان کا آئین مکمل طور پر غیر اسلامی ہے، درست نہیں اس لئے کہ آئین پاکستان کے پہلے صفحہ پر یہ بات درج ہے حاکمیتِ اعلیٰ اللہ کو حاصل ہو گی اور اسی طرح صفحہ نمبر ۲۲۷ پر درج ہے کہ ملک میں کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہیں ہو گا، لہٰذا آپ کا دعویٰ درست نہیں۔ میں نے کہا یہ دونوں باتیں غیر شرعی ہیں، اس لئے کہ پہلی بات شرعی طریقہ یعنی قرآن کھول کر «الیس اللہ باحکم الحاکمین» کو مد نظر رکھتے ہوئے نہیں لکھی گئی، بلکہ ووٹنگ اور اکثریت کی آراء کے نتیجہ میں یہ قانون پاس کیا گیا، کہ پہلے اس پر ووٹنگ ہوئی اور لوگوں کے سامنے رکھا گیا، جب دو تہائی اکثریت نے اپنی آراء ظاہر کی، کہ ہاں، اب یہ قانون کہ حاکمیتِ اعلیٰ اللہ کو حاصل ہے، پاس کیا جائے، تب جاکر یہ قانون پاس ہوا ہے۔

جس طرح یہ دو تہائی کی اکثریت سے پاس ہوا ہے اسی طرح

کل یہ دو تہائی کی مخالفت سے فیل بھی ہو سکتا ہے، تو جب یہ فیل بھی ہو سکتا ہے، تو یہ ایک غیر شرعی طریقہ سے پاس ہوا ہے، اس لئے کہ اس قانون کا منبع قرآن و سنت اور اجماع و قیاس نہیں بلکہ اس قانون کا منبع ایک وضعی طریقہ کار تھا، کہ تمہارا کسی بھی قانون کو پاس کرنے کا طریقہ ہی یہ ہے، کہ جب تک دو تہائی کی اکثریت اسے پاس نہ کرے، اسے قانون کا درجہ نہیں دیا جا سکتا، حتیٰ کہ اگر آپ اسی وضعی طریقہ پر حدِ سرقہ اور حدِ زنا بھی قائم کرلیں، تب بھی وہ غیر قانونی ہی کہلائیگا، اس لئے کہ غیر شرعی طریقہ سے آپ نے اسلامی قوانین کا نفاذ کیا ہے۔

تو یہاں « **ولا انتم عابدون ما اعبد** » کی روشنی میں مشرکین کی عبادت بھی اس لئے کالعدم قرار دی گئی کہ، وہ عبادت اس لئے نہیں کرتے تھے، کہ قرآن میں اللہ نے اس کا حکم دیا ہے، بلکہ وہ ایک غیر شرعی طریقہ، یعنی شرک کے ساتھ اللہ کی عبادت کیا کرتے تھے۔ نتیجتاً اللہ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا کہ، ان کفار و مشرکین نے سرے سے اللہ کی عبادت کی ہی نہیں۔

ولا انا عابد ما عبدتم

اور نہ میں ان معبودوں کی عبادت کرنے والے ہوں، جن کی تم عبادت کرتے ہو۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں « **مـــا** » کا معنی یوں کیا جائے گا کہ، ان طریقوں پر میں عبادت کرنے والا نہیں، جن طریقوں پر تم عبادت کرتے ہو۔ تو کفر اور شرک سے بائیکاٹ بھی اسی طرز پر کیا جائیگا، جس طرز پر اس آیت میں کیا گیا ہے کہ، طریقہ اگر غیر اسلامی ہو، تو عمل قابلِ قبول نہیں ہو گا، اب اگر کوئی غیر شرعی جمہوریت کے راستہ، اسلام نافذ کرنا چاہے تو اس سے بھی بائیکاٹ کیا جائیگا، اس لئے کہ منبع، مقصد اور طریقہ تینوں کا اسلامی و شرعی ہونا ضروری ہے۔

ولا انتم عابدون ما اعبد

اور نہ تم اس معبود کی عبادت کرنے والے ہو جن کی میں عبادت کرتا ہوں۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ، اس سے ما قبل والی آیت، زمانہ حال سے متعلق تھی اور اس آیت میں زمانہ استقبال مراد ہے، یعنی ابھی بھی میں تمہارے باطل طریقے سے اجتناب کرتے ہوئے، تمہارے معبودوں کی عبادت نہیں کرتا ہوں اور آئندہ بھی نہیں کرونگا اور نہ تم آئندہ، کبھی میرے رب کی، عبادت کروگے۔

اب یہاں کوئی سوال کر سکتا ہے کہ، بعض کفار تو بعد میں اسلام قبول کر کے خالص اللہ کی عبادت کرنے لگ گئے تھے؟ تو جواب یہ ہے کہ استقبال والی آیت میں بعض معاندین کفار مراد ہیں جنہوں نے کبھی اسلام قبول نہیں کیا بلکہ حالتِ کفر میں موت کے گھاٹ اتارے گئے۔

یا اس سوال کا جواب ما قبل کی توجیہ بھی بن سکتا ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار و مشرکین کے باطل طریقہ عبادت اور باطل معبودوں کے سبب انکی عبادت کی نفی کروائی ہے اور یہ جواب پہلے جواب کی نسبت زیادہ بہتر ہے۔ تو اب خود دیکھ لو کہ دین مقاصد و کیفیات دونوں سے عبارت ہے، یہ نہیں کہ آپ کہیں کہ میں اسلامی نظام تو نافذ کرنا چاہتا ہوں لیکن اب میری مرضی کہ اس نفاذ کے لئے میں کوئی بھی طریقہ اختیار کروں تو اسلام ہر گز اس بات کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ اگر مقصد اسلامی ہے تو طریقہ بھی اسلامی و شرعی اختیار کرنا ہو گا۔ اسلئے کہ دین عبارت ہے، مقاصد و کیفیات دونوں سے۔

لکم دینکم ولی دین

(راستوں کی جدائی)

لکم دینکم ولی دین: اب یہاں سے اسلام و کفر کے راستے جدا کر دئے گئے کہ تمہارے لئے تمہاری زندگی کا خاص طریقہ،

یعنی تمہارا دین خاص تمہارے لئے اور میرے لئے میرا دین ہے، اس سے معلوم ہوا کہ باطل دین پر بھی دین کا اطلاق ہوتا ہے اور دینِ حق میں تو، کوئی کلام ہی نہیں کہ، اس پر دین کا اطلاق تو ہوتا ہی ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ اس سورۃ کی تفسیر کی روشنی میں یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ دین عبارت ہے ،غایات و مقاصد اور کیفیات دونوں سے کہ ما قبل میں دو چیزوں کا ذکر چلا ہے:

(ا) میرا مقصد: تمہارے مقصد سے سراسر مختلف ہے، میرا مقصد اللہ ہے اور تمہارا مقصد غیر اللہ ہے۔

(ب)میرا طریقہ بھی، تمہارے طریقہ سے مختلف کہ میں جس راستہ اسلام پر عمل پیرا ہوں وہ راستہ بھی تمہارے راستہ سے مختلف ہے، اب ان دونوں اصطلاحات (مقاصد و کیفیات) کو دین کہا گیا کہ جو میرا مقصد اور میرا طریقہ ہے، اسلام پر چلنے کا وہ میرا دین ہے اور جو تمہارا باطل مقصد اور باطل طریقہ ہے وہ تمہارا دین ہے۔

تو اب خود دیکھ لو کہ دین مقاصد و کیفیات دونوں سے عبارت ہے ،یہ نہیں کہ میں اسلامی نظام تو نافذ کرنا چاہتا ہوں لیکن اب میری مرضی کے اس نفاذ کے لیے کوئی بھی طریقہ اختیار کروں تو اسلام اس بات کی ہر گز اجازت نہیں دیتا بلکہ اگر مقصد اسلامی ہے تو طریقہ بھی اسلامی و شرعی اختیار کرنا ہوگا، اس لیے کہ دین عبارت ہے مقاصد و کیفیات دونوں سے۔

انسان کی پیدائش کا مقصد

مولانا فضل اللہ رحمہ اللہ

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام علىٰ من لا نبى بعده، وعلى آله واصحابه واخوانه ومن والاه

اما بعد!

فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم:

﴿ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلَىٰ شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّهُمْ لَن يُغْنُوا عَنكَ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۚ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۖ وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِينَ﴾

محترم مہاجرین اور مجاہدین بھائیو!

میں نے سورۂ جاثیہ کی ۱۸ویں اور ۱۹ویں آیات آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہماری زندگی کی وہ ذمہ داری بیان فرمارہے ہیں جس کے لیے اس نے ہمیں پیدا کیا ہے؛ کہ تمہارا کام کیا ہوگا، اور تمہارا دنیا میں آنا کس مقصد کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سے اس ذمہ داری کا مطالبہ کرتے ہیں، اور اگر بالفرض ہم نے یہ ذمہ داری ادا نہ کی تو اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے بارے میں ہم سے پوچھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وعیدیں بھی قرآنِ حکیم میں بہت زیادہ ہیں۔

لہٰذا جس کا اللہ تعالیٰ اور اس کے دین پر ایمان ہو، اور جو قیامت کو مانتا ہو کہ ایک دن آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے، ننگے پاؤں اور ننگے سر، اور ہمارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی ترجمان نہیں ہوگا، تو اگر یہ منظر کسی کے سامنے ہو تو وہ شتر بے مہار نہیں بنے گا، بلکہ اللہ کے حدود کے تحت زندگی گزارے گا۔

اس آیتِ کریمہ کا ترجمہ یہ ہے:

”پھر ہم نے آپ کو دین کے معاملے میں ایک شریعت پر قائم کیا، پس آپ اسی کی پیروی کریں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو علم نہیں رکھتے۔ یقیناً وہ اللہ کے مقابلے میں آپ کے کسی کام نہیں آسکیں گے، اور بے شک ظالم ایک دوسرے کے دوست ہوتے ہیں، جبکہ اللہ پرہیز گاروں کا دوست ہے۔“

اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر ﷺ سے فرمارہے ہیں کہ ہم نے آپ کو ایک دین (شریعت) پر قائم کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ یہ شریعت اللہ کا دین اور قانون ہے۔ اے پیغمبر ﷺ! آپ اس کے تابع ہو جائیں۔

آپ دیکھیں کہ نبی کریم ﷺ امام الناس ہیں، انسانوں اور انبیاء میں سب سے افضل و اکرم ہیں، لیکن وہ بھی شریعت سے بالاتر نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں حکم دے رہے ہیں کہ آپ شریعت کے تابع ہو جائیں۔ یعنی شریعت رسول اللہ ﷺ سے بھی بالاتر ہے، تو پھر کون ہے جو شریعت سے بالاتر ہو جائے یا شریعت سے ماورا اپنا حکم چلانے کی کوشش کرے؟

”اور ان نادان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔“

اس لیے کہ اگر اللہ کے قانون کے مقابلے میں آپ نے کسی اور کا قانون مان لیا تو اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی سزا دے گا۔ اسی لیے فرمایا:

”وہ اللہ کے مقابلے میں آپ کے کسی کام نہیں آسکیں گے۔“

کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کے معاملے میں کسی کی نہیں مانتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ہمیں ڈرا رہے ہیں کہ اللہ کے قانون کے مقابلے میں کسی کی اطاعت نہ کرو، کسی کا لحاظ نہ کرو اور کسی کے سامنے سر نہ جھکاؤ، اگرچہ تمہارا خون ہی کیوں نہ

بہادیا جائے۔

یہی تمہارے لیے فائدے کی بات ہے کہ اگر دنیا سے جاؤ تو عزت اور غیرت کے ساتھ جاؤ۔ لیکن اگر غلامی کی زندگی اختیار کر لو اور انسان، انسانوں کی تابعداری کرنے لگے تو یہ اس کے لیے نقصان ہے، چاہے وہ دنیا میں کتنا ہی عرصہ زندہ رہے۔

"اور بے انصاف لوگ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔"

وہ تمہارے دشمن ہیں۔ تم جتنا بھی ان کے قریب ہو جاؤ، وہ تمہارے دوست نہیں بنیں گے۔

"اور اللہ پرہیز گاروں کا دوست ہے۔"

اور تقویٰ بھی یہی ہے کہ شریعت کی پیروی کی جائے۔

اسی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں واضح راستہ دکھایا ہے کہ زندگی کیسے گزارنی ہے، اور خواہشات کی پیروی نہیں کرنی۔ جس نے خواہشات کو شریعت پر ترجیح دی، اس نے گویا جہنم کا ویزا حاصل کر لیا، اور جس نے شریعت کو خواہشات پر ترجیح دی، اس نے جنت کا ویزا حاصل کر لیا۔ جنت کی حوروں کا یہی حق مہر ہے۔

ہمیں اکثر لوگ کہتے ہیں کہ تحریک طالبان پاکستان کا مقصد، مؤقف اور مدعا کیا ہے؟

ہمارا مقصد یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ شریعت کے تابع تھے تو ہم بھی شریعت کے تابع ہیں، اور اس قوم کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت کے لیے پیدا کیا ہے، کفر کے لیے پیدا نہیں کیا، نہ انگریز کے قانون کے لیے پیدا کیا ہے۔

زمین اللہ تعالیٰ کی ہے، آسمان اللہ تعالیٰ کا ہے، تو قانون بھی اللہ تعالیٰ کا ہو گا۔

اسی وجہ سے ہمارا مؤقف بھی واضح ہے کہ نظریۂ پاکستان کو عملی شکل دی جائے، اور اس مقصد کے لیے جو قربانیاں دی گئی تھیں ان کا حساب لیا جائے۔ لاکھوں لوگوں نے قربانیاں اس لیے دی تھیں کہ پاکستان کفری قوانین سے جدا اور آزاد خطہ ہو گا، نہ کہ اس لیے کہ سرخ انگریز جائے اور کالا انگریز اس کی جگہ آ بیٹھے۔

ہماری دشمنی انگریز کی سبز اور نیلی آنکھوں یا سرخ چمڑے سے نہیں تھی، بلکہ اس کے قانون سے تھی۔ آج بھی وہی قانون نافذ ہے، فرق صرف اتنا ہے کہ اب اسے کلمہ گو لوگ نافذ کر رہے ہیں۔

نمازی اور روزہ دار انگریز پیدا ہو گئے ہیں، جیسا کہ ابو جہل اور عبد اللہ بن اُبی بھی اپنے زمانے میں بعض ظاہری مذہبی اعمال رکھتے تھے، لیکن وہ کافر اور بے دین تھے۔

بھائیو!

ہمارے جہاد کا مقصد بھی شریعت ہے، اور اگر امن آ سکتا ہے تو وہ بھی شریعت کی وجہ سے آ سکتا ہے۔ اگر بالفرض شریعت کے بغیر امن آ سکتا ہوتا تو آج افغانستان میں امن ہوتا، جہاں دنیا کی بڑی بڑی طاقتیں موجود ہیں، لیکن وہاں لوگ قتل ہو رہے ہیں، گاڑیاں چوری ہو رہی ہیں اور روزانہ اتنے زیادہ قتل ہوتے ہیں کہ ان کا مکمل حساب حکومت کو بھی معلوم نہیں۔

پھر طالبان کے دور کو دیکھیں کہ جب ایمان اور شریعت موجود تھی تو ایسا امن تھا کہ سات سال میں دس قتل بھی نہیں ہوئے۔ نہ زنا تھا، نہ چوری، نہ مہنگائی، بلکہ اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل تھیں۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے کہ اگر تم میری اطاعت کرو گے تو میں تمہاری مدد کروں گا۔ اور جب شریعت نافذ ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ تم پر بارشیں برسائیں گے، تمہاری اولاد اور مال میں اضافہ فرمائیں گے، اور تمہارے باغات اور جنگلات میں برکت عطا فرمائیں گے۔

ہم کون ہیں؟

شیخ ابو محمد خالد حقانی رحمہ اللہ

۱۔ الحمد اللہ ہم تحریک طالبان پاکستان کے مجاہدین، پاکستان کے رہنے والے مسلمان ہیں۔

۲۔ ہم اللہ جل جلالہ کی وحدانیت کے قائل ہیں، اور یہ ہمارا اور ہر مسلمان کا ایمان ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی انسان، جن اور فرشتے وغیرہ کو ہم الوہیت کا حق نہیں دیتے، اللہ تعالیٰ نے نو مرتبہ قرآن مجید میں فرمایا: {اللہُ لَآ اِلٰہ اِلَّا ھُوَ} «اللہ (وہ معبود برحق ہے کہ) اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں»۔ {وَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ} (البقرۃ:۱۶۳) «اور (لوگو) تمہارا معبود ایک ہی (یعنی اللہ تعالیٰ) ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے»۔

۳۔ ہم محمد رسول اللہ ﷺ اور ان سے پہلے گذرے ہوئے تمام انبیاء پر ایمان لاتے ہیں اور ان کو اللہ تعالیٰ کا برحق اور آخری نبی سمجھتے ہیں اور جو شخص یا گروہ ختم نبوت کا منکر ہے اس کو ہم کافر سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: {مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ وَکَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا} (الاحزاب: ۴۰) «محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں، بلکہ اللہ کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی ان کو ختم کرنے والے) ہیں، اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے»۔

۴۔ ہم رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ کرام کو برحق سمجھتے ہیں اور ان میں کسی قسم کی تفریق نہیں کرتے، اہل السنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق ہم شیخین (ابو بکر الصدیق اور عمر رضی اللہ عنہما) کو فضیلت دیتے ہیں اور ختنین (حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہما) سے محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَھُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ} (الانفال: ۷۴) «اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کر گئے اور اللہ کی راہ میں لڑتے رہے اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی، یہی سچے مؤمن ہیں»۔ امام ابو حنیفہ سے اہل السنت والجماعت کے عقیدے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب میں فرمایا: (ھو ان تفضل الشیخین وتحب الختنین)۔ «وہ یہ ہے کہ تو شیخین (ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما) کو فضیلت دے اور ختنین (عثمان و علی رضی اللہ عنہما) کے ساتھ محبت کرے»۔ (شرح العقیدۃ الطحاویہ للمیدانی، ص ۱۱)

۵۔ شیخین اور دوسرے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو گالی دینے والوں، ان پر لعنت بھیجنے والوں اور ان صحابہ کرام کو جن کا اسلام بالتواتر ثابت ہے کافر کہنے والوں کو ہم دائرہ اسلام سے خارج اور کافر سمجھتے ہیں۔

۶۔ ہم قرآن کریم کو اللہ کا بھیجا ہوا کامل اور مکمل قانون سمجھتے ہیں، تیس پاروں اور ۱۱۴ سورتوں پر مشتمل قرآن جو ہمارے درمیان موجود ہے اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جبریل علیہ السلام کے واسطے خاتم النبیین ﷺ پر نازل شدہ کتاب سمجھتے ہیں اور اس کو ناقص سمجھنے والوں یا اس کے علاوہ کسی دوسرے قرآن کو ماننے والوں اور اس میں تحریف کے قائل لوگوں کو ہم کافر سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ} (الحجر: ۹) «بیشک ہم ہی نے ذکر

(قرآن) نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں»۔ اور یہ بات دین اسلام میں بالضرورۃ معلوم ہے (روز روشن کی طرح واضح ہے) کہ الذکر سے مراد قرآن ہے بین الدفتین اور مقروء بالالسنۃ ہے (جو دو گتھوں کے درمیان موجود ہے اور زبانوں سے پڑھا جاتا ہے) جو چودہ سو سال سے موجود ہے، اس کا کوئی حصہ محذوف ہے اور نہ غائب۔

۷۔ ہم تمام انبیاء علیہم السلام کو گناہ سے معصوم سمجھتے ہیں اور جو شخص انہیں گنہگار ثابت کرے ہم اسے ضال و مضل (گمراہ اور گمراہ کرنے والا) سمجھتے ہیں، اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے علاوہ ہم کسی انسان کو معصوم نہیں سمجھتے۔

۸۔ ہم نبی کریم محمد ﷺ کے صحابہ کو معیارِ حق (حق پہچاننے کی کسوٹی) اور اپنے لئے مقتدا اور پیشوا سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَا اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا} (البقرۃ:۱۳۷) «تو یہ لوگ بھی اگر اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لے آئے ہو تو ہدایت یافتہ ہو جائیں»۔

۹۔ اسماء و صفات کے مسئلے میں ہم، اہل السنۃ والجماعت کے مسلک کے تابع ہیں نہ ہم اللہ تعالیٰ کے لیے جسم ثابت کرتے ہیں اور نہ ہم صفات کو اللہ تعالیٰ کی ذات سے نفی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ} (الشوریٰ:۱۱) «اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ سننے، دیکھنے والا ہے»۔

۱۰۔ ایمان و کفر کے مسئلے میں ہم اہل سنت و جماعت کے معتدل مسلک پر ہیں، ہم اس مسئلے میں افراط تفریط سے برائت کرتے ہیں، نہ تو ہم جھمیہ و مرجئہ کی طرح اعمال کو ہدر (بے فائدہ) سمجھتے ہیں اور نہ ہی خوارج و معتزلہ کی طرح ہر گناہ پر کسی کو اسلام سے خارج کرتے ہیں۔

۱۱۔ ہم اہل اسلام اور عالم اسلام میں اصل، اسلام سمجھتے ہیں یعنی ہم ان کو مسلمان سمجھتے ہیں جب تک کہ ان سے کوئی ایسا قول یا فعل صادر نہ ہو جائے جو اسلام سے خارج کرنے والے مکفرات اور اماراتِ کفر میں سے ہو: الایمان هو التصديق بجميع ما جاء به النبی ﷺ من حيث ما جاء به النبی ﷺ اجمالا فيما علم اجمالا وتفصيلا فيما علم تفصيلا مع التزام الطاعة من غير ان يقترن بامارات التكذيب والانكار (کشف الباری) «ایمان ان تمام (وحی) کی تصدیق ہے جو نبی ﷺ لائے ہیں اس حیثیت سے کہ نبی ﷺ لائے ہیں، اجمالی تصدیق ان امور میں جو اجمالی معلوم ہیں اور تفصیلی تصدیق ان میں جو تفصیلی معلوم ہیں، التزامِ طاعت کے ساتھ تاوقتیکہ اس (تصدیق) کے ساتھ تکذیب و انکار کی علامات مقترن و پیوست نہ ہوں»۔

۱۲۔ تحریک طالبان پاکستان سے تعلق رکھنے والے مجاہدین کی اکثریت فروعی مسائل میں اہل سنت و جماعت کے چار مذہبوں میں امام ابو حنیفہ کے مذہب پر عمل پیرا ہے۔ اور اس کے ساتھ اہل سنت و جماعت سے متعلق دوسرے مذاہب کو برحق سمجھتے ہیں اور ان سے کسی قسم کی نفرت نہیں کرتے۔ امت کی وحدت اور خلافت اسلامیہ کی خاطر ہم ہر مسلمان کو اپنی اس تحریک میں جگہ دیتے ہیں۔ اور ہر قسم کے مسلکی، لسانی اور قومی تعصبات سے اپنے آپ کو دور رکھتے ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے: [مثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد الواحد اذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى] (صحیح مسلم:۲۵۸۶) «مؤمنوں کی مثال آپس میں محبت، رحم اور ایک دوسرے سے نرمی کرنے میں ایک جسم کی مانند ہے، جب اس کے ایک عضو کو تکلیف ہو تو پورا جسم اس کے لئے بے خوابی اور بخار میں مبتلا رہتا ہے»۔

۱۳۔ اور جب ہم ان کو مسلمان سمجھتے ہیں جیسا کہ رحمۃ للعالمین ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا: [فان اللہ حرم علیکم دمائکم واموالکم واعراضکم کحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھذا فی بلدکم ھذا] (صحیح بخاری: ۱۷۴۲) «بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے خون، اموال اور عزتیں تمہارے اوپر حرام کی ہیں، تمہارے اس دن (یوم الحج) کی حرمت کی طرح، تمہارے اس مہینے میں، تمہارے اس شہر میں»۔ پس ہم ان حملوں کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہیں جو عام بے گناہ مسلمانوں پر ان کے بازاروں اور مساجد میں کیے جاتے ہیں، اسی طرح طالبان کے نام پر پیسے وصول کرنے کو ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں اور اس کو پاکستان کے کالے نیٹ ورک (آئی۔ ایس۔ آئی) اور بدنام زمانہ امریکی ایجنسی بلیک واٹر کا کام سمجھتے ہیں۔

۱۴۔ ہم اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے متبادل وضعی (خود ساختہ) قوانین بنانے یا اس میں کسی قسم کی تبدیلی اور ترمیم کرنے اور غیر اللہ کے قانون کو اللہ تعالیٰ کے قانون پر ترجیح دینے کو غیر اسلامی فعل اور کفر سمجھتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: [من بدل دینہ فاقتلوہ] (صحیح بخاری: ۶۹۲۲) «جس نے اپنا دین تبدیل کیا اسے قتل کرو»۔

۱۵۔ ہم تحریم و تحلیل (کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا) کا حق صرف اللہ کے لئے تسلیم کرتے ہیں اور کسی بھی انسان کے لیے یہ جائز نہیں سمجھتے کہ وہ کسی چیز کو جائز یا ناجائز بنادے۔

۱۶۔ ہم قرآن و سنت کے نصوص اور اکابر علماء کی تشریحات کے مطابق مسلمانوں کی طرف سے کفار کے ساتھ دوستی اور محبت، حرام اور ناجائز سمجھتے ہیں، اور مسلمانوں اور کفار کے درمیان جنگ کے دوران مسلمانوں کے خلاف کفار کی صف میں کھڑے ہونے اور ان کی فتح اور اسلام اور مسلمانوں کی شکست کے لئے لڑنے کو کفر سمجھتے ہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: {یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْیَھُوْدَ وَالنَّصٰرٰی اَوْلِیَاءَ بَعْضُھُمْ اَوْلِیَاءُ بَعْضٍ وَمَنْ یَّتَوَلَّھُمْ مِّنْکُمْ فَاِنَّہٗ مِنْھُمْ اِنَّ اللہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ} (المائدۃ: ۵۱) «اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو شخص تم میں سے انہیں دوست بنائے گا وہ بھی انہی میں سے ہو گا، بیشک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا»۔

فقیہ العصر شاہ انور شاہ کشمیریؒ اکفار الملحدین ص: ۱۲۹ میں فرماتے ہیں: ومن ذب عنہ او تاول قولہ یکفر قطعا لیس فیہ توان۔ «اور جس نے اس (غلام احمد قادیانی) کا دفاع کیا یا اس کے قول کی تاویل کی تو وہ قطعی کافر ہے اور اس بات میں کوئی کمزوری نہیں ہے۔ یہ عبارت صرف غلام احمد قادیانی تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر کافر کے کفر، نظام اور اس کے قانون کا دفاع کرنے کو شامل ہے»۔

۱۷۔ ہم جہاد اور قتال فی سبیل اللہ کو شرعی فرضہ سمجھتے ہیں اور قتال فی سبیل اللہ کے منکر اور اس پر یقین نہ رکھنے والوں کو اسلام سے خارج سمجھتے ہیں جس طرح کہ نماز اور دوسرے شرعی احکام پر یقین نہ رکھنے اور اس سے انکار کرنے والوں کو ہم کافر سمجھتے ہیں، اور اسلام کی حاکمیت اور غلبے کا واحد ذریعہ جہاد قتال فی سبیل اللہ کو سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: {وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ} (الانفال: ۳۹) «اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (کفر کا فساد) باقی نہ رہے اور دین سب اللہ ہی کا ہو جائے»۔ الایمان ھو التصدیق بجمیع ما جاء بہ النبی ﷺ ومنہ الجھاد۔

۱۸۔ ہم اسلام اور اسلامی خلافت کے علاوہ ہر ازم کو کفر سمجھتے ہیں: {وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ} (آل عمران:۸۵) «اور جو شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کا طالب ہو گا وہ اس سے ہر گز قبول نہیں کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں ہو گا»۔

۱۹۔ ہم سیکولر اور جمہوری نظام کو کفر سمجھتے ہیں اور اس کو کفار کی طرف سے مسلمانوں کے علاقوں پر قبضے کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ چنانچہ ہم اپنے علاقوں کو اس قبضے سے چھڑانے کے لیے تمام امت مسلمہ کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ اٹھ کھڑے ہوں تاکہ اپنے ممالک سے اس کفری نظام کا خاتمہ کریں اور اس کی جگہ خالص اسلامی نظام اور خلافت علی منہاج النبوہ قائم کریں۔

۲۰۔ ہم فدائی حملوں کو جائز سمجھتے ہیں اور اس کو اس جہاد میں دشمن کے خلاف ایک مؤثر ہتھیار سمجھتے ہیں، لیکن چونکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اس لئے ہم اپنے اجتہاد کو دوسروں پر تحمیل نہیں کرتے اور کسی سے صرف اس بات پر کہ وہ فدائی حملے نہیں مانتا، دشمنی نہیں کرتے، بشرطیکہ وہ دشمن کا معاون نہ ہو۔

۲۱۔ ہم اسلامی زمین کو ایک گاؤں جیسی سمجھتے ہیں اور بعثت نبوی سے لے کر آج تک جس زمین پر ایک دن کے لیے بھی خلافت قائم ہوئی ہو وہ اسلامی زمین ہے اور ہم کفار کی طرف سے لسانی اور قومی بنیادوں پر سرزمین اسلام کی تقسیم نہیں مانتے اور اس کو ایک منظم سازش سمجھتے ہیں، جیسا کہ فقہاء فرماتے ہیں: وبلاد الاسلام كلها بمنزلة البلدة الواحدة۔ (مجموع الفتاویٰ: ج۵) «اور اسلام کے تمام شہر ایک گاؤں کی مانند ہیں»۔ چنانچہ ہم ان ممالک کو کفری نظام کے تسلط سے چھڑانا اپنے اوپر فرض سمجھتے ہیں۔

۲۲۔ اقوام متحدہ (جو ایک ملغوبہ ہے، جس نے افغانستان سمیت پوری دنیا پر ایک عظیم جنگ مسلط کر رکھی ہے اور جس کا منشور اور چارٹر غیر اسلامی کفری قوانین پر مشتمل ہے) کا اور اس کے قوانین کا ہم انکار کرتے ہیں اور اس کو طاغوتِ اکبر اور کفر کا امام سمجھتے ہیں، اس کا انکار ہر مسلمان پر فرض ہے: {فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى} (البقرۃ:۲۵۶) «جو شخص طاغوت (معبود و مطاع من دون اللہ) کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے ایسی مضبوط رسی تھام لی جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں»۔

۲۳۔ ہمارا منشور، قرآن و سنت اور ائمہ دین کی تشریحات ہیں، ہم بدعتی ہیں اور نہ ہی خواہشات کے متبع، ہم قرآن و سنت کی من مانی تشریحات کو حرام اور زندقہ سمجھتے ہیں۔

نوٹ: یہ تحریر شیخ خالد حقانی رحمہ اللہ نے ۲۰۲۰ سے قبل لکھی تھی۔

مفتی غفران حفظہ اللہ

پاکستان میں مسلح قیام اکابر علماء دیوبند ومشائخ عظام کی امیدوں کی تکمیل ہے

الحمد للّٰہ رب العالمین ولاعدوان الا علی الظالمین

والصلوۃ والسلام علی قائد الخیر محمد والہ وصحبہ اجمعین

امابعد

قال اللہ تعالی:

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُونِ مِنْ قَبْلِكُمْ أُولُو بَقِيَّةٍ يَنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْأَرْضِ إِلَّا قَلِيلًا مِمَّنْ أَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مَا أُتْرِفُوا فِيهِ وَكَانُوا مُجْرِمِينَ

[۱۱۶]

ترجمہ: سو کیوں نہ ہوئے ان جماعتوں میں جو تم سے پہلے تھیں ایسے لوگ جن میں اثر خیر رہا ہو، کہ منع کرتے رہتے بگاڑ کرنے سے ملک میں، مگر تھوڑے کہ جن کو ہم نے بچا لیا ان میں سے اور چلے وہ لوگ جو ظالم تھے وہی راہ جس میں عیش سے رہے تھے اور تھے وہ گناہ گار

زیر نظر تحریر میں ہمارا مطمح نظر صرف یہی ہے کہ قیام پاکستان کے وقت علماء کرام اور عام مسلمانوں نے نظریہ پاکستان کی خاطر کس قدر قربانیاں دی تھیں؟ ان قربانیوں کا ثمرہ سات دہائیوں میں ایک دن کے لئے بھی نظر نہیں آیا

اسکے بعد سات دہائیوں میں بھی مسلمانان پاکستان نے نفاذ اسلام کی خاطر مسلسل جدوجہد کی، قربانیاں دیں اور پر امن اصلاحی کوششیں کیں

مثلا: شریعت کے نفاذ کے لئے مسلمانان پاکستان نے پر امن تحریکیں چلائیں

تحریکیں چلائیں

سیاسی اور اصلاحی جماعتیں کی تشکیل دی گئیں

اسلامی نظریاتی کونسل کا قیام عمل میں آیا

شریعت بنچوں کی تشکیل

اسلامی حدود وتعزیرات کا نفاذ

نظام عشر وزکوۃ کا اجراء

شریعت بل کو رائے عامہ پر بارہا پیش کرنا

کئی عشروں سے ووٹوں کے ذریعے یہ خوشنما تبدیلیاں

شرعی اصطلاحات

اور پرکشش نعرے

یہ وہ سب کچھ ہے جو مسلمانان سنتے تو آرہے ہیں مگر یہ تمامتر کوششیں سیاسی مقاصد، اشرافیہ، غلام خاندانوں کی ذاتی مفادات اور جمہوریت وآمریت کی نذر ہوجاتی ہیں۔

ہمارے اکابر علماء کرام ان پر امن اور اصلاحی کوششوں کی ناکامی کو دیکھتے ہوئے ہمیں کیا ہدایات اور وصیتیں چھوڑ گئے ہیں؟ ان ہدایات کے تناظر میں ہمارا کیا فرض اور زمہ داری بنتی ہے؟

لہذا اولا اجمالی طور پر ان قربانیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو قیام پاکستان کے وقت دی گئیں اور اسکے بعد علماء کے انقلابی اقوال کا تذکرہ ہوگا اور آخر میں عام مسلمانان پاکستان کی قربانیوں اور ان پر مرتب ہونے والے نتائج کا ذکر کرینگے۔

قیام پاکستان کے وقت مسلمانوں کی قربانیاں:

پاکستان جس مقصد کی خاطر وجود میں آیا تھا

"پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ"

"یہاں اسلام کا بول بالا ہوگا"

"تیرا میرا رشتہ کیا؟ لا الہ الا اللہ"

ان دعوؤں، وعدوں اور نعروں کے حصول کے لئے مسلمانوں نے کس قدر عظیم قربانیاں دی ہیں؟

بقول امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ:

پاکستان کو ہندوستان سے اسلام کی خاطر الگ کرنے کیلئے ایک کروڑ مسلمانوں نے ہجرتیں کیں، دس لاکھ مسلمانوں نے شہادتیں دیں، ایک لاکھ عصمتیں لوٹی گئیں۔

(خطبات امیر شریعت ص ۱۳۳)

بقول نور محمد قریشی:

برصغیر کی تقسیم کے نتیجے میں کروڑوں مسلمان بے گھر ہوئے، پندرہ لاکھ مسلمان قتل ہوئے، تقریبا نوے ہزار مسلمان بیٹیاں بے آبرو کی گئیں۔

چند سطر اگے لکھتے ہیں:

تقسیم برصغیر کے تسلسل میں ہی ۱۹۴۸ء میں حیدر آباد دکن میں پانچ لاکھ مسلمان مارے گئے۔ اسکے بعد ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں ۲۰ بیس لاکھ پنجابی اور بہاری مسلمان، بنگالیوں نے قتل کئے۔ اسکے رد عمل میں پچیس لاکھ بنگالی پاکستانی فوج نے مار دیئے۔

(تو صاحب منزل ہے یا بھٹکا ہوا راہی صفحہ ۴۰۔ مصنف نور محمد قریشی ایڈوکیٹ)

قریشی صاحب نے یہ اعداد و شمار "ارمغان عجم" از عزیز احمد صدیقی سے نقل کیا ہے۔

قارئین!

یہ تمام قربانیاں پاکستان کی قیمت ہے۔

مگر کائد اعظم محمد علی جناح کی تاریخی غدر سے سرزمین پاکستان پر اسلام کی بجائے جمہوریت نما امریتی نظام مسلط کر دیا گیا۔ گویا ایک کروڑ سے زائد ہجرتوں، بیس لاکھ شہادتوں اور ایک لاکھ سے زائد عصمتوں کی پامالی کے نتیجے میں سرزمین پاکستان کے اٹھانوے فیصدی مسلمانوں پر امریکہ اور برطانیہ کا مراعات یافتہ، مغرب کے وظیفوں پر پلنے والا سیکولر طبقہ مسلط اور قابض کر دیا گیا۔

چنانچہ اس حقیقت کا اندازہ آپ کائد اعظم محمد علی جناح کی اس تقریر سے بخوبی لگاسکتے ہیں، جو اس نے سن ۱۱ اگست ۱۹۴۷ء میں قانون ساز اسمبلی کے ارکان کو مخاطب کر کے کی تھی۔

"آپ سب آزاد ہیں اپنے مندروں میں جانے کے لئے، آپ سب آزاد ہیں اپنی مسجدوں میں جانے کے لئے، اور کسی بھی عبادتگاہ میں جانے کے لئے، اس مملکتِ پاکستان میں۔ آپکا تعلق کسی بھی مذہب، ذات یا عقیدے سے ہو مملکت کا اس سے کوئی سروکار نہیں۔ آپ دیکھیں گے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہندو ہندو نہیں رہیں گے اور مسلمان مسلمان نہیں رہیں گے۔ مذہبی معنوں میں نہیں، کیونکہ یہ ہر فرد کا ذاتی عقیدہ ہے، بلکہ سیاسی معنوں میں وہ ایک ہی ریاست کے برابر کے شہری ہوں گے"۔

مولانا عبدالستار خان نیازی (استاد اسلامیہ کالج لاہور) فرماتے ہیں:

کہ ۱۹۴۶ء کے آغاز میں نے قائد اعظم سے ملاقات کی، میں نے قائد اعظم سے پوچھا کہ آپ پاکستان میں کس قسم کی حکومت قائم کریں گے، تو انہوں نے بلا تامل فرمایا کہ، جسطرح کی حکومت اتاترک نے ترک میں قائم کی تھی۔

(تو صاحب منزل ہے کہ بھٹکا ہوا راہی ص ۳۹۸)

اس تقریر سے قارئین نے بخوبی اندازہ لگایا ہو گا کہ پاکستانی حکمران شروع دن سے ہی سیکولر نظریات کا بیڑہ اٹھا کر اللہ رب العالمین کی حکمرانی کے انکار اور بغاوت پر کمر کس چکے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ جناح نے اپنے پہلے خطاب ہی میں اللہ کی حاکمیت کو لغو قرار دیکر تمام پاکستانیوں کو انسانوں کے بنائے ہوئے حکومت اور ریاست کا بلا امتیاز (اسلام و کفر، مرد و زن) برابر کے شہری قرار دیا اور مذہب (عبادات) کو

بازیچۂ اطفال بنا کر ذاتی معاملہ قرار دیا۔

مسلح قیام پر ابھارنے والے اقوال زرین:

اب ملاحظہ ہو اکابر علماء کرام، مشائخ اور مفتیان عظام کی وہ عبارتیں جو ہمیں مسلح قیام ہر ابھارنے کیلئے کب سے پکار رہی ہیں!

(۱) مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ سے کسی نے سوال کیا کہ پاکستان میں زندگی اسلامی تقاضوں کے مطابق کیسے ممکن ہو سکے گی؟ اسکے جواب میں مفتی صاحب نے فرمایا:

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہماری موجودہ زندگی اسلام کے تقاضوں سے بہت دور ہٹ چکی ہے، لہذا اپنے اصل مقام پر واپس لوٹنے کے لئے کوئی جزوی نوعیت کا اقدام مؤثر نہیں ہو سکتا، بلکہ اگر سچے دل سے یہ مقصد پیش نظر ہو تو انقلابی نوعیت کے اقدامات کے بغیر یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

چند سطور آگے فرماتے ہیں:

اگر واقعتاً ہمارے دل میں اصلاح کی خواہش ہے تو ہمیں یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ اس کے لئے ہمیں چند سطحی اور اوپری کاموں کی بجائے فساد کے ان سر چشموں پر ہاتھ ڈالنا پڑیگا جہاں سے ساری خرابیوں کے سوتے (منبع) پھوٹتے ہیں۔

چند بنیادی اصلاحات ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

آخر میں یہ بات ایک بار پھر دہرا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو تجاویز اوپر پیش کی گئی ہیں ان میں سے بہت سی ایسی ہیں جو ہمارے موجودہ تن آسان مزاج کو اچنبھی بلکہ ناگوار محسوس ہوں گی لیکن ہمیں اس تلخ حقیقت کے اعتراف کی جرأت ہونی چاہئے کہ ہم ایک ایسی قوم کے افراد ہیں جو اپنی متواتر بد عملی کی وجہ سے زندگی کے ہر محاذ پر پٹی اور دھتکاری ہوئی قوم ہے۔

ایک ایسی قوم جو سیاسی طور پر بے بس معاشی اعتبار سے مفلوک الحال، تعلیمی اعتبار سے پسماندہ اور اخلاقی اعتبار سے دیوالیہ ہو، اسے ذلت اور پسماندگی کے غار سے ابھارنے کیلئے کوئی سرسری اور سطحی کوشش کامیاب نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اگر عزت وخوش حالی اسکے مقدر میں ہے تو اسکا راستہ اسکے سوا اور کوئی نہیں کہ اس میں ایک ایسی سرگرم، پرجوش، اور فعال تحریک کو ابھارا جائے جو ایک مرتبہ جرأت کر کے زندگی کے فرسودہ ڈگر کو بدلنے کا عزم لے کر کھڑی ہو، عوام کو نیا حوصلہ، نئی امنگ اور نیا ولولہ عطا کرے، کسی کی اندھی تقلید کی بجائے دنیا میں اپنا راستہ خود بنائے اور عزم وہمت سے کام لے کر اس پر چل کھڑی ہو۔ چند سطر آگے فرماتے ہیں:

لہذا اگر پاکستان میں واقعی اسلامی اصولوں کے مطابق کوئی انقلاب پیش نظر ہے تو ہمیں بھی ایک مرتبہ جرأت کر کے بہت سے کڑوے گھونٹ پینے پڑیں گے۔ اور اگر ہم اس کے لئے تیار نہ ہوئے تو ہمارا مستقبل آج سے کہیں زیادہ ویران اور تاریک ہو گا۔ (نفاذ شریعت ص ۸۴)

مفتی اعظم پاکستان کی دلسوز تجاویز میں سے چند باتیں نہایت ہی قابل غور ہیں:

(۱) انقلابی نوعیت کے اقدامات کے بغیر یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا

(۲) فساد کے ان سر چشموں پر ہاتھ ڈالنا پڑیگا جہاں سے ساری خرابیوں کے سوتے (منبع) پھوٹتے ہیں

(۳) سرگرم، پرجوش، اور فعال تحریک کو ابھارا جائے

(۴) زندگی کے فرسودہ ڈگر کو بدلنے کا عزم لے کر کھڑی ہو

(۵) عوام کو نیا حوصلہ، نئی امنگ اور نیا ولولہ عطا کرے

(۶) کسی کی اندھی تقلید کی بجائے دنیا میں اپنا راستہ خود بنائے اور عزم وہمت سے کام لے کر اس پر چل کھڑی ہو۔

(۷) ہمیں بھی ایک مرتبہ جرأت کر کے بہت سے کڑوے گھونٹ پینے پڑیں گے

(۸) اگر ہم اس کے لئے تیار نہ ہوئے تو ہمارا مستقبل آج سے کہیں زیادہ ویران اور تاریک ہو گا

مفتی اعظم پاکستان اسلامیان پاکستان کو ان جرأتمندانہ اور حوصلہ افزا باتوں سے کیا درس دینا چاہتے ہیں؟ کیا ان صریح اقوال کے باوجود بھی اس انقلاب سے وہی فرسودہ جمہوری انقلاب مراد ہو سکتا ہے؟ (کلا و حاشا)

(۲) شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے کیا فرمایا تھا؟:

اسد ملتانی مرحوم مولانا شبیر احمد عثمانی کے پاس تشریف لائے، اور یہ کہا کہ قرارداد مقاصد کیلئے کوشش نہ کریں۔ اس لئے کہ جو یہاں انگریزی دان طبقہ ہے وہ دین سے بھاگتا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہاں اسپین کی تاریخ دہرائی جائے۔ اس پر مولانا عثمانی نے ارشاد فرمایا کہ آپ کے ذہن میں اسپین کی مثال ہے اور ہمارے ذہن میں افغانستان کی مثال ہے۔ جب دین کی مخالفت کی تو امان اللہ خان کو تخت چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ اور فرمایا، ہم تو دین کی جدوجہد جاری رکھیں گے، دیکھتے ہیں کہ اسپین کی مثال سامنے آتی ہے یا امان اللہ کی طرح آپکو بھاگنا پڑتا ہے۔ (خطبات احتشام ج ا ص ۳۸۰)

کیا وہ وقت اب بھی نہیں پہنچا کہ افغان مجاہدین کی طرح منت سماجت اور پرامن اصلاحات والی سیاست کی بجائے شرعی نہج پر قائم جہادی سیاست کو اختیار کرتے ہوئے مغرب کے غلاموں کو انکے آقا کی طرح ملک بدر کر کے ملک میں شرعی قوانین رائج کئے جائیں؟۔

(۳) مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالی نے ارباب اقتدار کو بار بار مقصد وجود پاکستان کی طرف متوجہ کیا مگر کسی نے بھی انکی تنبیہات پر کان نہ دھرے، بالآخر یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ "پاکستان مین سب کچھ ہے مگر اسلام کی بالادستی نہیں ہے۔" قیام پاکستان کے وقت ہم نے خدا اور سول سے جو عہد کیا تھا وہ طاق نسیان کی زینت بن چکا ہے۔ جب تک نئے سرے سے اس عزم کی تجدید نہیں کی جاتی اور جتنی غفلت و کوتاہی اب تک ہو چکی ہے جب تک خدا کے حضور میں اس سے توبہ کر کے اسکی اصلاح و تلافی کے لئے انقلابی قدم نہیں اٹھایا جاتا تب تک پاکستان اپنے مقصد وجود سے ہمکنار نہیں ہو گا۔ محض چند خوشنما نعرے، اعلانات اور بیانات پاکستان کی تقدیر نہیں بدل سکتے۔

(ارباب اقتدار سے کھری کھری باتیں ص ۷۷)

لدھیانوی رحمہ اللہ نے سابقہ غفلت اور کوتاہی سے تائب ہو کر مقصد وجود پاکستان کے لئے پرامن اصلاحی، جمہوری، اور لسانی تحریک نہیں بلکہ انقلابی قدم اٹھانا ضروری قرار دیا تھا۔

قدم اٹھانے کا معنی ہر ذی عقل سمجھتا ہے۔

(۴) شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے سن ۱۹۸۷ء میں وزیر اعظم محمد خان جنیجو کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

پاکستان میں شریعت کا نفاذ اس ملک کی حیات وبقاء کیلئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کسی جسم کے زندہ رہنے کیلئے اسمیں روح کا وجود ضروری ہوتا ہے۔ یہ اسلئے بھی ضروری ہے کہ ہم سب مسلمان ہیں۔ اور ہم پر اللہ تعالی کی طرف سے یہ فرض عائد ہے کہ ہم اسکے احکام کو اسکی زمین پر نافذ کریں۔ اس لئے بھی ضروری ہے کہ پاکستان کا مقصد وجود ہی یہ تھا کہ اس خطے میں مسلمان اپنے دین کو عملا برپا کریں۔ (نفاذ شریعت اور اسکے مسائل ص ۱۱۵)

دیکھو مفتی صاحب حفظہ اللہ تعالی نے شریعت کے عملی نفاذ کو پاکستان کی حیات وبقاء کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔ تو کیا پاکستان میں عملا اسلام کا نفاذ سات دہائیوں میں ایک دن کے لئے بھی دیکھنا ہمیں نصیب ہوا ہے؟ مفتی صاحب کے قول کے مطابق پاکستان ستر سال سے بے جان اور مردہ پڑا ہوا ہے

مفتی صاحب محترم نے پاکستان میں عملاروح اور جان (شرعی نظام) ڈالنے کو تمام پاکستانی مسلمانوں کا
تین وجوہ کی بناء پر فرض اور زمہ داری قرار دیا ہے:
(۱) مسلمان ہونے کے ناطے
(۲) ہم پر اللہ تعالی کی طرف سے یہ فرض عائد ہے کہ ہم اسکے احکام کو اسکی زمین پر نافذ کریں
(۳) اس لئے بھی ضروری ہے کہ پاکستان کا مقصد وجود ہی یہ تھا کہ اس خطے میں مسلمان اپنے دین کو عملا برپا کریں

اغیار کا جادو چل بھی گیا
ہم ایک تماشا بن بھی گئے

بقول شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب:

شریعت تو اٹل خدائی قانون ہے جس کے واجب العمل ہونے کے لئے ووٹ گننے کی ضرورت نہیں، اور اگر خدانخواستہ رائے عامہ کا ایک ووٹ بھی اسکے حق میں نہ آئے تب بھی اسکے واجب العمل ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (نفاذ شریعت)

ایک صاحب کو اپنے خط کے جواب میں فرماتے ہیں:

جو حضرات اسلامی نظام کی خاطر سیاست میں اور پھر اسمبلی میں داخل ہوئے تھے وہ یہ سوچ کر مطمئن ہیں کہ جمہوریت اسلامی نظام کی پہلی سیڑھی ہے، لہذا اس راہ میں ہماری ہر کوشش اسلام ہی کی خاطر ہے، جب یہ پہلی سیڑھی طے ہو جائیگی تو ہم اسلام کے لئے آگے بڑھیں گے، لیکن مشکل یہ ہے کہ وقت ایسا فلسفی نہیں ہے جو ان منطقی توجیہات کی رعایت کرکے اپنی رفتار بدل دے، اسکا سفر تو لگاتار جاری ہے، اور الحاد و بے دینی کے جو بیج عرصہ دراز پہلے بوئے گئے تھے وہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ تناور درخت بن چکے ہیں، ان پر نت نئے پھل پھول آرہے ہیں، ہم اٹھائیس سال سے ان درختوں کو جڑ سے اکھاڑنے کے لئے اس بات کے منتظر ہیں کہ پہلے ان تک پہنچنے کا راستہ صاف اور آرام دہ ہو، قطع نظر اس سے کہ جب تک یہ آرام دہ راستہ تیار ہو گا اسوقت تک یہ درخت کتنے جوان اور توانا ہو چکیں گے اور انکی آل اولاد پیداء ہو کر کتنی طاقتور بن چکی ہو گی۔ (نفاذ اسلام اور اسکے مسائل ص۹۸)

مفتی اعظم پاکستان محسن ملت مولانا مفتی محمودؒ کی جامعہ عثمانیہ شیر شاہ کراچی میں آخری تاریخی تقریر سے اقتباسات اور ان کے مختصر دور حکومت کی ایک جھلک

محدث کبیر، مفتی اعظم پاکستان، داعیِ اسلامی انقلاب، شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ ملت اسلامیہ کا روشن ستارہ، ملک وملت کے عظیم محسن، عالم اسلام کے ایک عظیم رہنما، ایک عالمگیر تحریک، ہر میدان کے شہسوار، علم و حکمت کے پہاڑ، ہر مظلوم کا خیر خواہ اور ظالم کے لئے سیف بے نیام، جو بیک وقت مفتی اعظم، شیخ الحدیث والتفسیر مجددِ وقت، میدان سیاست کے بے تاج بادشاہ اور اتحاد امت کی علامت تھے۔

یہاں حضرت مفتی صاحب کی زندگی کی آخری تاریخی تقریر کا کچھ حصہ قارئین کے استفادہ کے لئے ضروری سمجھا گیا، جو انہوں نے ۶ جون ۱۹۸۰ء کو جامعہ عثمانیہ شیر شاہ کراچی کے یوم تاسیس کے موقع پر جامع مسجد طور شیر شاہ میں ایک عظیم الشان اجتماع میں کی تھی۔

خطبہ مسنونہ کے بعد حضرت مفتی صاحبؒ نے فرمایا: ہم نے اپنی زندگی کا مقصد طے کرلیا ہے، یا تو اسلام کا نظام عدل پاکستان میں حاصل کرکے رہیں گے یا پھر اپنی جان دیدیں گے۔ تیسرا درمیان میں کوئی راستہ نہیں۔ اسلام کے علاوہ کسی باطل نظام سے صلح نہیں کرسکتے۔

}بشکریہ: جنگ گروپ تحریر: قاری محمد عثمان{

قارئین!

مفتی صاحب نے اپنی زندگی کا نصب العین پاکستان میں نظامِ عدل کے قیام کو قرار دیا تھا۔ کہ یا تو نظام عدل حاصل کر کے رہیں گے اور یا پھر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کریں گے۔ درمیان والا راستہ (باطل کیساتھ مصالحت کی راہ کو) مفتی صاحب نے کالعدم قرار دیا تھا۔

کہ اسلامی نظام کا قیام نہ ہو، اور وہ زندہ سلامت زندگی گوارا کرے۔ یا اسلام کے علاوہ کسی اور باطل نظام (جمہوریت) کیساتھ مل کر چلے۔

وارثان مفتی صاحب کے لئے اس تقریر میں عبرت کا بڑا سامان موجود ہے۔

"فاعتبروا یا أولی الأبصار"

اس عبارت سے میرا مقصود یہ ہے کہ مفتی صاحب نے بھی اپنا ذمہ فارغ کر کے اپنے پیروکاروں کو انقلاب ہی کا راستہ بتا دیا تھا کہ اگر اسلامی نظام کا نفاذ نہ ہوا تو پھر اس انقلاب کو اختیار کرنا ہو گا جس میں جانوں کے نذرانے پیش ہوتے ہیں، اور وہ ہے جہادی سیاست نہ کہ جمہوری سیاست۔ کیونکہ جمہوری سیاست میں جانوں کے نذرانے نہیں بلکہ ایمان و غیرت کے جنازے نکالے جاتے ہیں۔

اذن امام، اولو الامر، بغاوت اور شہید

مولانا عبد الحکیم حفظہ اللہ

تمہید و مقدمہ

پاکستانی فوج اور اس کے اداروں کی طرف سے ہر کچھ عرصہ بعد جہاد اور مجاہدین کے بارے میں بعض مسائل کو فتووں اور تحریروں کی شکل میں اٹھایا جاتا ہے اور اُنہیں بہت ہوا دی جاتی ہے جس کا بنیادی مقصد وطنِ عزیز پر غاصب پاکستانی فوج اور اس کے اداروں کے خلاف جاری مقدس جہاد کے بارے میں مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات پیدا کرنا ہوتا ہے۔ فوج اور اس کے ادارے اپنے ایسے من گھڑت فتووں کے ذریعے کوشش کرتے ہیں کہ پاکستان میں جاری اس مقدس جہاد کو مسلمانوں کے سامنے باطل اور حرام ثابت کریں اور اس میں مصروفِ عمل مجاہدین کو بھی بیرونی ایجنٹ اور باطل قرار دیں۔ یہ وہی باطل طریقۂ واردات ہے جو انگریز نے برصغیر ہند پر اپنا استعماری قبضہ جمانے کے بعد انگریز سے جہاد و قتال کرنے والے مجاہدین کے خلاف اختیار کیا تھا۔ اس لیے جہاد پاکستان کو غیر شرعی اور حرام ثابت کرنے کے لیے اٹھائے جانے والے یہ اشکالات اور اعتراضات آج کے نہیں بلکہ دو صدی پُرانے ہیں۔

سقوطِ خلافتِ عثمانیہ کے بعد جب انگریزوں نے اسلامی علاقوں کی بندر بانٹ شروع کی اور اُن پر ظالمانہ قبضے جمائے تو ہر علاقے میں غیور مسلمانوں نے اہلِ حق علماء کی سرپرستی میں غاصب انگریزوں کے خلاف جہاد کا آغاز کیا۔ جب غاصب انگریزوں کو مجاہدین کے جہاد سے مشکلات کا سامنا ہوا اور انہیں جانی و مالی نقصان اٹھانا پڑا تو اِس کو ختم کرنے کے لیے اُس نے اپنے مستشرقین کو استعمال کیا۔ اِن مستشرقین نے انگریز کے خلاف جاری جہاد کو غیر شرعی اور حرام ثابت کرنے کے لیے اپنی طرف سے فتوے گڑھے کہ انگریز حاکمِ وقت اور اولو الامر ہیں، اِن کے خلاف لڑنے والے باغی ہیں وغیرہ اور پھر اپنے زر خرید نام نہاد مسلمان شخصیات کے نام سے وہ فتوے مسلمانوں میں پھیلائے۔

یہی بات مولانا محمد میاں صاحب اپنی کتاب ”تحریکِ شیخ الہند“ (ص: ۱۱۸) پر کچھ اس طرح لکھتے ہیں:

”شیخ الہند رحمہ اللہ نے حاجی ترنگ زئی صاحب کو مطلع کیا اور ضروری قرار دیا کہ وہ یاغستان (صوبہ سرحد (کے پی کے) کے آزاد قبائلی علاقہ جات) چلے جائیں اور ضروری عملی کارروائی شروع کریں۔ چنانچہ حاجی ترنگ زئی صاحب قبائلی علاقہ پہنچے۔ مجاہدین کا مجمع شمار سے زیادہ ہو گیا، کچھ عرصہ بعد جنگ چھڑ گئی اور بحمد اللہ مجاہدین کو غیر متوقع کامیابی ہونے لگی اور انگریز پسپا ہو کر واپس اپنی چھاؤنی میں پناہ لینے پر مجبور ہو گیا۔ اس کے ردِ عمل میں انگریز نے جہاد اور مجاہدین کے خلاف جو اقدامات کیئے اُن میں سے چند ملاحظ فرمائیں:

۱۔ عوام میں پروپیگنڈہ کیا جائے کہ یہ جہاد نہیں ہے، جہاد بغیر بادشاہ کے نہیں ہوتا، بغیر بادشاہ کے جہاد حرام ہے۔

۲۔ پیسہ پانی کی طرح بہایا جائے اور اپنے لوگوں کو قبائل کے سرداروں کے پاس بھیج کر بے شمار پیسہ دے کر مجاہدین اور حاجی صاحب سے لوگوں کو توڑا جائے۔

۳۔ عوام میں یہ تبلیغ کی جائے کہ مسلمانانِ (صوبہ) سرحد (کے پی کے) اور افغانوں کا بادشاہ امیر حبیب اللہ (والیٔ افغانستان) ہے، مسلمانوں کو ان سے بیعتِ جہاد کرنا چاہیے اور اُس وقت تک انتظار کرنا چاہیے جب تک کہ وہ عَلَمِ جہاد بلند نہیں کرتے۔

۴۔ اِس وقت مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ کاغذوں پر بیعتِ

جہاد کر کے دستخط کریں اور امیر کابل کے نائب سلطنت سردار نصر اللہ خان کے دفتر میں یہ کاغذات بھیج دیں۔

۵۔ امیر حبیب اللہ خان کو مختلف وعدوں کے سبز باغ دکھا کر بے تحاشا مال دیکر جہاد میں کھڑا ہونے سے روکا جائے۔

۶۔ انگریزوں سے جو ترکوں کی جنگ ہے اس کے متعلق یہ پروپیگنڈا کیا جائے کہ یہ مذہبی جنگ اور جہاد نہیں بلکہ یہ سیاسی جنگ ہے۔

۷۔ سلطان عبدالمجید خان جو ترکی خلیفہ تھے، ان کی طرف سے انگریز نے ایک جھوٹا فرمان حاصل کیا اور پورے ہندوستان میں شائع کیا کہ سلطان کے اسی فرمان پر عمل کرنا مسلمانوں کے لیے فرض ہے۔ وہ فرمان یہ تھا کہ انگریز کی اطاعت ضروری ہے، ان سے لڑنا نہیں چاہیے۔ چنانچہ اس سے لوگوں کے جذبات ٹھنڈے پڑگئے۔" (تحریکِ شیخ الہند، ص:۱۱۸)

اسی طرح جب علمائے ہند نے قابض انگریزوں کے خلاف جہادی تحریک شروع کی تو اُس تحریک کو ناکام کرنے کے لیے انگریز نے ایک حربہ یہ استعمال کیا کہ اپنے ایک ایجنٹ غلام احمد قادیانی کو اٹھایا اور مشہور کیا، جس نے بعد میں نبوت کا دعویٰ بھی کیا جو کہ مشہور ہے، اس کا بنیادی مقصد بھی مسلمانوں کو جہاد سے روکنا تھا۔

اسی طرح مولانا نور محمد وزیرستانی اپنی کتاب "جہادِ افغانستان" (ص:۱۱۳) میں لکھتے ہیں:

"انگریز ڈپلومیسی نے اپنے دارالافتاء سے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے خلاف ایک فتویٰ شائع کروایا کہ انگریز حاکمِ وقت ہے، مسلمان اس کی پناہ میں ہیں (یعنی مستامن ہیں)، پس انگریز کی اطاعت واجب ہے اور غدر حرام ہے۔"

پاکستانی فوج بھی انگریز کے طریقے پر کار فرما ہے۔ پاکستانی فوج چونکہ ہندستان میں انگریز کی شاہی ہندی فوج کا تسلسل ہے، اس لیے اس کا بھی جہاد و مجاہدین کے خلاف اپنے انگریز استاد کا آزمایا ہوا وہی پُرانا طریقہ کار ہے، نہتے مسلمانوں کا قتلِ عام ہو، اُن کے گھر، مساجد و مدارس کو مَسمار کرنا ہو، اُن پر اندھا دھند بمباری ہو، لاکھوں کی تعداد میں اُنہیں بے گھر کر کے کیمپوں میں ہجرت و مظلومیت کی زندگی گزارنے پر مجبور کرنا ہو، بے گناہ مسلمانوں پر نام نہاد دہشت گردی کا الزام لگا کر لاپتہ کرنا ہو، اُنہیں سالہا سال اندھیری بند کوٹریوں میں ہاتھ پیر باندھ کر رکھنا ہو یا اُنہیں شہید کر کے اُن کی مسخ شدہ لاشوں کو سڑکوں پر پھینکنا ہو۔ اُن کے خلاف باطل پروپیگنڈا کر کے اُن کے جہاد کو حرام قرار دینا اور اُن کے دفاع کے حق کو بھی سَلب کرنا ہو، یہ فوج اور اُس کے ادارے پوری طرح اپنے انگریز آقا کے نقشِ قدم پر چلتی ہے۔

اس تمہید کے بعد اب ہم وہ موضوعات اور اُن کی صحیح شرعی حیثیت قرآن و حدیث اور فقہاء کی تعلیمات کی روشنی میں بیان کریں گے جو کہ انگریز مستشرقین جہاد اور مجاہدین کے خلاف اُٹھاتے ہیں اور اُن کی تابع پاکستانی فوج بھی مجاہدین کے حملوں سے بچنے کے لیے اُنہیں پاکستانی مجاہدین کے خلاف بطورِ ہتھیار استعمال کرتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

يُرِيدُونَ لِيُطْفِـُٔوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ [۸] (الصف:۸)

زیرِ نظر تحریر میں ہم چار موضوعات ذکر کریں گے:

- پہلا موضوع: جہاد کے لیے بادشاہ یا حاکم کی اجازت شرط نہیں
- دوسرا موضوع: پاکستان کی حکومت اسلامی نہیں اور اس کے حکمران اولوالامر نہیں
- تیسرا موضوع: پاکستانی حکمرانوں اور فوج کے خلاف مسلح قیام کرنے والے باغی نہیں
- چوتھا موضوع: مجاہدین کے خلاف لڑ کر مرنے والے پاکستانی

سیکورٹی اہلکار شہید نہیں۔

پہلا موضوع:

جہاد کے لیے بادشاہ یا حاکم کی اجازت شرط نہیں

یہ مستشرقین اور پاکستانی فوج کا ایک خود ساختہ فتویٰ ہے کہ جہاد کے لیے حکمران کا اعلان اور اجازت ضروری ہے، اور حکمران کے اعلان کے بغیر جہاد ناجائز اور حرام ہے۔ اسی فتوے کو انگریزوں نے مسلمانانِ ہند کے جہاد کو کمزور کرنے کے لیے استعمال کیا تھا، اسی فتوے کی ترویج کے لیے غلام احمد قادیانی جیسے کافر اور سر سید احمد خان جیسے ملحد کو انگریزوں نے مشہور کیا تھا، اور آج پاکستانی فوج اور حکومت بھی مجاہدینِ پاکستان کے جہاد کو کمزور اور غیر مشروع قرار دینے کے لیے یہی خود ساختہ فتویٰ استعمال کرتی ہے۔ شرعی لحاظ سے یہ ایک باطل اور غلط نظریہ ہے۔ آئندہ سطور میں ہم اسی بارے میں صحیح شرعی مسئلے کی وضاحت کریں گے۔

جہاد کے جواز کے لیے حاکم کی اجازت یا حاکم کا ہونا ضروری نہیں:

اسلام میں جہاد ایک اعلیٰ عبادت ہے، عام حالات میں یہ فرضِ کفایہ ہوتا ہے اور کبھی فرضِ عین بھی ہو جاتا ہے، کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی جائز و مستحب ہوتا ہے۔

ثم فريضة الجهاد على نوعين أحدهما عين على كل من يقوى عليه بقدر طاقته وهو ما إذا كان النفير عاما قال الله تعالى {انْفِرُوا خِفَافاً وَثِقالا} [التوبة: ٤١] وقال تعالى {مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ} [التوبة: ٣٨] إلى قوله {يُعَذِّبْكُمْ عَذَاباً أَلِيماً} [التوبة: ٣٨] ونوع هو فرض على الكفاية إذا قام به البعض سقط عن الباقين لحصول المقصود وهو كسر شوكة المشركين وإعزاز الدين. (المبسوط للسرخسی)

فرضِ کفایہ جہاد، اقدامی جہاد کی صورت میں ہوتا ہے۔ جب مسلمانوں کو غلبہ اور شوکت حاصل ہو تو اسلام کو مزید پھیلانے کے لیے کفار کے علاقوں پر حملہ کر کے انہیں اسلامی سرزمین میں داخل کرنا مسلمانوں پر فرض ہوتا ہے۔ علماء نے اس کے لیے شرائط ذکر کی ہیں، جیسے والدین کی اجازت، امارتِ شرعیہ، حملے سے پہلے دعوت الی الاسلام وغیرہ۔

فرضِ عین جہاد، دفاع کی صورت میں ہوتا ہے۔ جب کفار مسلمانوں کے کسی علاقے پر حملہ کر دیں تو اس وقت مسلمانوں پر اپنی جان، مال، عزت کی حفاظت کے لیے جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ یہ جہاد پہلے قرب و جوار کے لوگوں پر فرضِ عین ہوتا ہے اور اگر وہ لوگ مقابلے کے لیے ناکافی ہوں تو رفتہ رفتہ پورے عالمِ اسلام کے مسلمانوں پر یہ جہاد فرضِ عین ہو جاتا ہے۔ جہاد کی اس قسم کے لیے کوئی شرائط نہیں ہیں، جس کی جتنی طاقت ہو، اسے استعمال کرتے ہوئے اس پر کفار کا مقابلہ فرض ہو جاتا ہے۔ (الاخذ من "دعوت الجهاد" للشیخ فضل محمد حفظہ اللہ)

عام حالات میں جہاد کا اعلان حکمران کا اختیار ہے البتہ بعض حالات میں یہ کام مسلمان اپنے میں سے کسی کو امیر بنا کر بھی کر سکتے ہیں، جیسا کہ جب امام غیر موجود یا مفقود ہو اور دشمنِ دین سے مقابلہ ضروری ہو یا مسلمانوں کا حاکم اپنی شرعی حیثیت کھو دے اور واجب العزل ہو جائے اور جہاد اُسی کے خلاف ہو تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے لیے جائز ہے کہ اپنے میں سے کسی کو متفقہ طور پر امیر بنا کر اُس کی اِمارت میں جہاد کریں۔

دلائل:

ابو بصیر رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ ﷺ کے اذن کے بغیر قریش کے خلاف جہاد

صلح حدیبیہ میں رسول اللہ ﷺ نے قریش سے جنگ بندی کا معاہدہ کر لیا تھا لیکن اس کے باوجود سیدنا ابو بصیر رضی اللہ عنہ نے قریش کے خلاف اپنا جہاد جاری رکھا ہوا تھا، رسول اللہ ﷺ بذاتِ خود موجود تھے لیکن ابو بصیر رضی اللہ

عنہ نے آپ کی اجازت کے بغیر قریش کے خلاف جنگ کا محاذ کھول رکھا تھا اور آپ رضی اللہ عنہ قریش کے خلاف جہاد کی قیادت کررہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اس وقت کے مسلمانوں کے حاکم تھے لیکن آپ ﷺ نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ پر کوئی نکیر نہیں فرمائی بلکہ آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف کی اور فرمایا کہ کاش اُن کے ساتھ اور بھی کوئی مل جائے، «وَيْلُ أُمِّهِ مِسْعَرَ حَرْبٍ، لَوْ كَانَ لَهُ أَحَدٌ» (البخاري:۲۷۳۴). آج تک امت میں کسی کا یہ مذہب نہیں رہا کہ سیدنا ابو بصیر رضی اللہ عنہ کا قریش کے خلاف جہاد جائز نہیں تھا کیوں کہ اُن کے جہاد میں بادشاہ نہیں تھا۔

ابنِ قدامہ رحمہ اللہ کا قول

ابنِ قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَأَمْرُ الْجِهَادِ مَوْكُولٌ إلَى الْإِمَامِ وَاجْتِهَادِهِ، وَيَلْزَمُ الرَّعِيَّةَ طَاعَتُهُ فِيمَا يَرَاهُ مِنْ ذَلِكَ ..... فَإِنْ عُدِمَ الْإِمَامُ، لَمْ يُؤَخَّرْ الْجِهَادُ؛ لِأَنَّ مَصْلَحَتَهُ تَفُوتُ بِتَأْخِيرِهِ. وَإِنْ حَصَلَتْ غَنِيمَةٌ، قَسَمَهَا أَهْلُهَا عَلَى مُوجَبِ الشَّرْعِ (المغني ص:۳۵۲ ج:۸)

یعنی اگر امام نہ ہو تو جہاد کو مؤخر نہیں کیا جائے گا، کیوں کہ جہاد کو مؤخر کرنے سے جنگی حکمتِ عملی اور مصلحت فوت ہوسکتی ہے، اور اگر اس میں غنیمت حاصل ہو تو مجاہدین خود سے شریعت کے مطابق تقسیم کریں گے۔

اسی طرح ابنِ قدامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قال الشربيني في الشرح استثني البلقيني من الكراهة صورا احدهما ان يفوت المقصود بذهابه للاستئذان ثانيهما اذا عطل الامام الغزو واقبل هو وجنوده ولي امور الدنيا كما يشاهد. ثالثهما اذا غلبت علي ظنه انه لو استاذن لم ياذن له (مغني المحتاج ص:۲۲۰ ج:۴)

اس کا حاصل یہ ہے کہ تین صورتیں ایسی ہیں کہ جو امام کی اجازت کے بغیر جہاد کی کراہیت سے مستثنیٰ ہیں، ایک یہ کہ امام سے اجازت لینے میں مقصود فوت ہونے کا اندیشہ ہو، دوسری صورت یہ کہ امام اور اس کی فوج نے خود جہاد کو چھوڑ رکھا ہو اور دنیا میں مگن ہوگئے ہوں، اور تیسری صورت یہ کہ غالب گمان یہ ہو کہ امام جہاد کی اجازت نہیں دے گا بلکہ اس سے روک دے گا تو ایسی صورت میں امام کی اجازت کے بغیر بھی جہاد بلا کراہت جائز ہے۔

امام الحرمین رحمہ اللہ کا قول:

امام الحرمین اپنی کتاب ''غیاث الامم'' میں فرماتے ہیں:

لَوْ شَغَرَ الزَّمَانُ عَنْ وَالٍ، تَعَيَّنَ عَلَى الْمُسْلِمِينَ الْقِيَامُ بِمُجَاهَدَةِ الْجَاحِدِينَ، وَإِذَا قَامَ بِهِ عُصَبٌ فِيهِمْ كِفَايَةٌ سَقَطَ الْفَرْضُ عَنْ سَائِرِ الْمُكَلَّفِينَ ; [فَهَذَا] إذَا عَدِمُوا وَالِيًا. (غياث الامم)

فقیہ العصر مفتی اعظم پاکستان مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

مفتی رشید احمد صاحب سے ''احسن الفتاویٰ'' میں برما کی حکومت کے خلاف جہاد کے بارے میں اس طرح سوال کیا گیا ہے:

''حکومتِ برما اپنے مسلمان باشندوں پر ظلم کررہی ہے، حتیٰ کہ اُن کے مذہبی احکام پر پابندی لگارہی ہے، فرائضِ شرعیہ کی ادائیگی میں مانع ہورہی ہے، دریں حالت مسلم باشندوں پر ایسی حکومت سے جہاد کرنا فرض ہے یا نہیں؟''

مفتی صاحب اس کے جواب میں لکھتے ہیں:

''ان حالات میں ایسی حکومتِ کافرہ سے جہاد کرنا فرض ہے، اس مقصد کے لیے ایسی تنظیم ضروری ہے جو علماء ماہرین، متقین و اہلِ بصیرت کی نگرانی میں حدود شریعت کے اندر کام کرے۔ دوسرے ممالک کے مسلمانوں پر بھی بترتیب ''الاقرب فالاقرب'' تعاون کرنا فرض ہے۔ اگر جہاد کی استطاعت نہ ہو تو وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہے۔'' (انتہیٰ)

مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کے اِس جواب سے بھی

پتہ چلتا ہے کہ جہاد کے لیے بادشاہ کا ہونا شرط نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی ایک جماعت بھی ظالم کے خلاف جہاد کر سکتی ہے۔

اسی طرح تاریخِ اسلامی میں مسلمانوں پر ایسے دور گزرے ہیں کہ جن میں مسلمانوں کا کوئی خلیفہ اور امام موجود نہ تھا لیکن پھر بھی مسلمان دشمنانِ دین سے جہاد کرتے رہے، جیسا کہ جب تاتاریوں نے بغداد میں خلیفہ معتصم کو شہید کر دیا تو ۶۵۶ھ سے ۶۵۹ھ تک مسلمانوں نے بغیر خلیفہ اور حاکم کے جہاد کیا، لیکن علماء میں سے کسی نے آج تک یہ نہیں کہا کہ اُن کا جہاد ناجائز اور حرام تھا۔

علمائے ہند کا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کو امیرِ جہاد مقرر کرکے جہاد کرنا

اسی طرح جب انگریز نے برصغیر ہند پر اپنا استعماری حملہ کیا اور وہاں قابض ہو گیا تو علمائے ہند نے بغیر حکمران کے انگریز کے خلاف جہاد شروع کر دیا، سید الطائفہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کو اپنا امیرِ جہاد مقرر کیا۔ یہ ایک واضح بات ہے کہ حاجی صاحب رحمہ اللہ حاکمِ وقت نہیں تھے لیکن اُن کے جہاد کو کسی نے بھی ناجائز جہاد نہیں کہا۔

۱۸۵۷ء میں علمائے ہند نے جامع مسجد دہلی میں انگریز کے خلاف جہاد کا متفقہ فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ اس کے بعد اس فتویٰ پر غور کرنے اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے تھانہ بھَون میں مجلسِ شوریٰ طلب کی گئی تھی۔ اجلاس میں شوریٰ نے متفقہ طور پر دہلی کے علماء کے فتوئے جہاد کی توثیق و تصدیق کی۔ حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی اور حضرت امداد اللہ مہاجر مکی رحمہم اللہ سب موجود تھے، صرف ایک بزرگ حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی رحمہ اللہ کی رائے مخالف تھی۔

مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا اسی موضوع پر اُن سے ایک دلچسپ مکالمہ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت مولانا قاسم نانوتوی: حضرت کیا وجہ ہے کہ آپ اِن دشمنانِ دین و وطن پر جہاد کو فرض بلکہ جائز بھی نہیں سمجھتے؟

حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی: اس لیے کہ ہمارے پاس اسلحہ اور آلاتِ جہاد نہیں ہیں، ہم بالکل بے سر و سامان ہیں۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی: کیا اتنا بھی سامان نہیں جتنا غزوۂ بدر میں تھا؟

مولانا شیخ محمد صاحب: اگر آپ کی تمام تر حجتیں اور باتیں مان لی جائیں، تو سب سے بڑی شرط جہاد میں نصبِ امام کی ہے۔ امام کہاں ہے کہ اس کی قیادت میں جہاد کیا جائے۔

مولانا قاسم نانوتوی صاحب: نصبِ امام میں کیا دیر لگتی ہے؟ مرشدِ برحق حضرت حاجی صاحب موجود ہیں، انہیں کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی جائے۔

حضرت مولانا حافظ ضامن صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مولانا بس سمجھ میں آگیا، اور پھر سب نے حضرت حاجی صاحب کے دستِ حق پر بیعت کی۔ (بحوالہ: علمائے ہند کا شاندار ماضی، ج:۴، ص:۲۷۳)

قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے اس مکالمے سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ جہاد کے لیے حاکمِ وقت کا ہونا ضروری نہیں ہے، البتہ مجاہدین کا ایک امیر ہونا ضروری ہے کہ جس کی قیادت میں جہاد کیا جائے۔

سید احمد شہید رحمہ اللہ کا جہاد:

اسی طرح سید احمد شہید ، شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ بھی حاکمِ وقت نہیں تھے لیکن اس کے باوجود مسلمانوں نے اِن دونوں حضرات کی قیادت میں جہاد کیا۔ اِن حضرات کا جہاد اتنا کامیاب ہوا کہ سید احمد شہید رحمہ اللہ کا ایک بڑے علاقے پر قبضہ ہو گیا اور آپ کو حاکم کی حیثیت سے امیر المؤمنین کا لقب بھی دیا گیا تھا۔

ملا پاوندا، حاجی ترنگزئی صاحب اور حاجی میرزا علی خان حاجی (اپی فقیر) رحمہم اللہ کا جہاد:

ان تینوں حضرات نے اپنے زمانے میں جہادی تحریکیں

چلائیں اور اُن کی قیادت کی، اور اِنہیں کافی کامیابیاں بھی حاصل ہوئیں۔ یہ تینوں حضرات بھی حاکمِ وقت اور شرعی اِمام نہیں تھے لیکن اِس کے باوجود کسی معتبر عالم نے بھی آج تک اِن کے جھاد کو ناجائز جہاد نہیں کہا۔

کمیونسٹ انتظامیہ کے خلاف افغانستان میں جہاد:

سردار داؤد خان اور کمیونسٹ انتظامیہ کے خلاف افغان مسلمانوں کا جہاد

اس تاریخی اور مقدس جھاد (جو کہ پوری امتِ مسلمہ کے یھاں متفق جھاد تھا) کی بدولت ایک سپر پاور سمیت چار علاقائی حکومتیں زیر وزبر ھوئیں، اور یہ جھاد امام کے بغیر ھوا اور اس میں امام کی طرف سے کوئی اجازت شامل نھیں تھی۔

سردار داؤد خان اور کمیونسٹ انتظامیہ کے خلاف افغان مسلمانوں کا جہاد

اس تاریخی اور مقدس جھاد (جو کہ پوری امتِ مسلمہ کے یھاں متفق جھاد تھا) کی بدولت ایک سپر پاور سمیت چار علاقائی حکومتیں زیر وزبر ھوئیں، اور یہ جھاد امام کے بغیر ھوا اور اس میں امام کی طرف سے کوئی اجازت شامل نھیں تھی۔

امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاھد رحمہ اللہ کی قیادت میں مسلمانوں کا جھاد:

اسی طرح ماضی قریب میں افغانستان میں روس کے جانے کے بعد ملا محمد عمر مجاھد رحمہ اللہ کی قیادت میں مدارس کے طلبہ اور افغان عوام نے جھاد کیا، حالاں کہ قیام کے وقت ملا محمد عمر مجاھد رحمہ اللہ حکمران اور امام نہیں تھے۔ اللہ تعالی نے آپ رحمہ اللہ کے جھاد کو کامیابی سے سرفراز کیا اور اس کی برکت سے افغانستان میں اِمارتِ اسلامیہ وجود میں آئی۔

آج پوری دنیا میں حکمران جھاد سے نہ صرف غافل ہیں بلکہ جھاد اور مجاہدین کے خلاف کفار کی صف میں کھڑے ہیں، اس لیے جہاں بھی جھاد جاری ہے تو وہ مسلمان اپنی مدد آپ کے تحت ہی کر رہے ہیں۔

مولانا فضل محمد صاحب کی تحقیق:

مولانا فضل محمد صاحب حفظہ اللہ نے اپنی کتاب "دعوتِ جھاد" (ص:۶۴) میں عنوان قائم کیا ہے "جھاد کے لیے امیر کا تقرر"، پھر اس پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔ اس میں سب سے پہلے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ذکر کی ہے:

عن أبي هُريرةَ، قال: قال رسول الله -صلّى الله عليه وسلم-: «الجهادُ واجبٌ عليكم مع كلِّ أميرٍ، برّاً كان أو فاجراً، والصلاةُ واجبةٌ عليكم خلفَ كلِّ مسلمٍ، برّاً كان أو فاجراً، وإنْ عَمِل الكبائرَ، والصلاةُ واجبةٌ على كلِّ مسلمٍ، برّاً كان أو فاجراً، وإن عمل الكبائرَ» (ابو داود:۲۵۳۳)

اس کے بعد لکھتے ہیں:

"اس حدیث سے ایک مسئلہ تو یہ واضح ہو گیا کہ جہاد کے لیے ایک امیر ہونا چاہیے، اس میں سب سے اچھی صورت تو وہی ہے کہ خلیفہ وقت مجاہدین کی سرپرستی خود کرے تاکہ تمام معاملات نظم و ضبط کے ساتھ قائم رہیں اور اگر وقتی طور پر مجاہدین کو دشمن کے ہاتھوں نقصان اٹھانا پڑے تو مرکز کی طرف سے ان کو نئی کمک ملنے کا مکمل انتظام موجود ہو ورنہ مجاہدین کی شکست کی صورت میں ان کے حوصلے پست ہو جائیں گے یا بڑے بڑے کمانڈر شہید ہو جائیں گے تو باقی ماندہ نسبتاً چھوٹے حضرات ہمت ہار جائیں گے اور جہاد کا پورا نظام موقوف ہو کر رہ جائے گا۔"

پھر آگے جا کر لکھتے ہیں:

"اگر شومی قسمت سے مسلمان مجاہدین کو ایسا متفقہ خلیفہ یا بادشاہ میسر نہیں آتا ہے تو شریعت کی روشنی میں مجاہدین اپنا امیر بنا کر شرعی جہاد میں حصہ لے سکتے ہیں۔۔۔۔۔۔ اور یہ شریعت کے مطابق ہے، اس کے لیے چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:"

پھر پہلی دلیل کے طور پر ابو بصیر رضی اللہ عنہ کی مثال بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

”حضرت ابو بصیر رضی اللہ عنہ ساحلِ سمندر کے پاس اپنا معسکر کھول کر مجاہدین کے امیر الجھاد بن گئے تھے اور اس کی سرپرستی میں کافی جنگیں ہوئیں تھیں۔ حضرت ابو بصیر رضی اللہ تعالی عنہ کو حضور اکرم ﷺ نے مقرر نہیں فرمایا تھا بلکہ مجاہدین نے خود مقرر کیا تھا اور حضور اکرم ﷺ نے ان کے اس عمل پر کوئی نکیر نہیں فرمائی۔“

دوسری دلیل کے طور پر سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حکومتِ وقت کے خلاف قیام کو ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ نے یزید کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا تھا حالاں کہ آپ کو مجاہدین ہی نے امیر مقرر کیا تھا، کسی مرکز کی طرف سے آپ مقرر نہیں ہوئے تھے، آپ کے اس جہاد کا ہم انکار نہیں کرسکتے۔“

پھر اِس پر مزید دلائل ذکر کیئے ہیں جس میں

۳۔ سیدنا عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ کا حکومتِ وقت کے خلاف جھاد،

۴۔ ابراہیم اور ان کے بھائی محمد نفس ذکیہ کا عباسی خلیفہ منصور کے خلاف جھاد، ۵۔ انگریز کے مقابلے میں سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کا جھاد،

۶۔ علماء ہند کا انگریز کے خلاف جھاد،

۷۔ غزوۂ موتہ میں سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کا حاکمِ وقت محمد رسول اللہ ﷺ کی اجازت کے بغیر صرف مجاہدین کے مشورے سے امیر جھاد بننا۔

مولانا فضل محمد صاحب اسی طرح ”دعوتِ جھاد“ (ص:۶۸) پر لکھتے ہیں:

”بادشاہ کی طرف سے تقررِ امیر کا مسئلہ اگر مشکل ہو رہا ہو تو مجاہدین خود اپنا ایک امیر بنا سکتے ہیں اور اس کی اطاعت شرعا واجب ہو گی۔ اب بادشاہ کے موجود نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں، یا تو وہ سِرے سے موجود ہی نہیں ہے بلکہ مسلمان بغیر بادشاہ کے ہیں، جیسے اِس وقت کشمیر میں ہے، اس سے پہلے فلسطین اور افغانستان کی صورتِ حال تھی تو ایسی حالت میں مجاہدین خود اپنا امیر مقرر کرسکتے ہیں، دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ بادشاہ تو ہے لیکن وہ جہاد اور مجاہدین کی سرپرستی نہیں کرتا ہے، اِن کے نزدیک جہاد کوئی چیز ہی نہیں تو اس صورت میں بھی مجاہدین اپنا امیر مقرر کرسکتے ہیں۔“

(دعوتِ جھاد ص:۶۸)

اکثر کُتُبِ فقہ میں جھاد کے اِذن کی نسبت امام کی طرف کرنے کی وجہ

مولانا نور محمد صاحب وزیرستانی رحمہ اللہ اپنی کتاب ”جھادِ افغانستان“ میں لکھتے ہیں:

”دورِ عباسیہ تک اکثر و بیشتر جنگیں امیر کبیر اور خلیفہ کے تحت اقدامی طور پر یعنی مسلمانوں نے عدل اسلامی کے لیے پیش قدمی کرکے لڑی ہیں۔ چوں کہ فقہی احکامات کی کتابیں اور فتاویٰ اکثر و بیشتر اسی دور میں لکھے گئے ہیں اس لیے جہاں فقہی کتابوں میں جہاد کا ذکر ہے وہاں خلیفۃ المسلمین یا امیر کبیر کا ذکر صراحۃً یا ضمناً ساتھ ساتھ ہوا ہے۔ مگر محض امرِ واقعہ کے طور پر نہ کہ کسی شرط یا قید احترازی کے طور پر جس سے بعض لوگوں بلکہ خواص تک کو شبہ پیدا ہو گیا ہے کہ شاید جہاد کی صحت کے لیے خلیفۃ المسلمین یا امیر کبیر کا اذن ضروری ہے اور انگریز کی عیاری اور دارالافتاء نے اسے مزید تقویت پہنچائی ہے، ورنہ فقہ کی کسی معتمد کتاب میں جہاد کی صحت اور جواز کے لیے امیر کبیر کے وجود اور اذن کے شرط ہونے کا ذکر آپ کو نہیں ملے گا۔“ (جہادِ افغانستان ص:۱۱۳)

امام جھاد کے لیے ایک وسیلہ ہے نہ کہ جھاد کی شرط:

یہ بات غلط ہے کہ امام جھاد کے لیے شرط ہے۔ عام طور پر امام کی طرف جھاد کی نسبت اس لیے کی جاتی ہے کیوں کہ امام جھاد کے لیے ایک وسیلہ ہے، کیوں کہ اکثر امام کے بغیر جھاد کو صحیح طریقے سے کرنا مشکل ہوتا ہے، کیوں کہ جھاد کے

لیے مال اور افراد کی وافر ضرورت ہوتی ہے اور ان کی فراہمی امام کے ذریعے آسانی سے ہوتی ہے، جبکہ امام کے عدم وجود میں اِن دونوں کی فراہمی مشکل ہوتی ہے۔

جب امام جہاد کا صرف وسیلہ ہے نہ کہ شرط، تو جب جہاد بغیر وسیلہ کے ممکن ہو تو وسیلہ کے نہ ہونے کی وجہ سے اُسے نہیں چھوڑا جائے گا، خصوصا جبکہ جہاد کو مؤخر کرنے میں پوری امتِ مسلمہ کا نقصان ہو۔

لہذا اگر امام موجود ہو تو اس سے اجازت طلب کی جائے گی تاکہ اس کی مدد حاصل ہو جائے اور جہاد پوری قوت کے ساتھ کیا جاسکے۔ لیکن اگر امام نہ ہو یا ہو لیکن اس سے اجازت لینے میں تاخیر کا اور موقع ہاتھ سے جانے کا اندیشہ ہو تو ایسی صورت میں امام کی اجازت کے بغیر بھی جہاد جائز ہے۔ اسی طرح کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ امام تو ہوتا ہے لیکن ایسا بے دین ہوتا ہے کہ جسے جہاد اور مسلمانوں کی مصلحت سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، جیسا کہ ہم پر مسلط آج کل کے حکمران ہیں کہ وہ نہ صرف یہ کہ خود جہاد نہیں کرتے بلکہ جو شخص جہاد کا نام بھی لیتا ہے تو اس پر دہشت گردی کا الزام لگا کر جیل میں ڈال دیتے ہیں۔ لہذا ایسی صورت میں ایسے گمراہ حکمران کی اجازت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

جو لوگ جہاد کے لیے حاکم کی شرط لازمی قرار دیتے ہیں تو اُن کے مطابق موجودہ زمانے میں دنیا میں جہاں بھی جہاد ہو رہا ہے وہ باطل اور حرام ہے۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ قیدی کی سی زندگی گزاریں، چاہے اُن کے ساتھ جیسا بھی سلوک ہو، چاہے اُن کے گھر بمبار کیئے جائیں، اُن کے بیوی بچوں کو شہید کیا جائے، اُن کی دینی آزدی بھی سلب کر لی جائے لیکن اُنہیں اپنے دفاع میں بھی جہاد کا حق اِس لیے نہیں ہے کیوں کہ جہاد کے لیے امام شرط ہے۔

حاصلِ بحث:

حاصلِ بحث یہ ہے کہ جہاد کے لیے حاکم اور بادشاہ کا ہونا شرط نہیں ہے، بلکہ یہ ایک باطل نظریہ ہے جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں۔ البتہ جہاد کے لیے مجاہدین کا ایک امیر ہونا ضروری ہے کہ جس کی قیادت میں مسلمان مجاہدین جہاد کریں۔ الحمد للہ تحریک طلابان پاکستان کے ہزاروں مجاہدین اپنے امیر کے تحت پاکستان کی طاغوتی حکومت اور فوج کے خلاف مصروفِ جہاد ہیں، اور ان کا جہاد ایک مشروع اور افضل جہاد ہے۔

دوسرا موضوع:

پاکستان کی حکومت اسلامی نہیں اور اس کے حکمران اولوالامر نہیں ہیں۔

یہ مسئلہ بھی افواج پاکستان اور حکومت کی طرف سے بار بار اُٹھایا جاتا ہے، اس کے بارے میں علماء سے زبردستی فتوے لیے جاتے ہیں کہ پاکستان کی حکومت اسلامی ہے اور اِس کے حکمران اولوالامر ہیں، اس لیے اِن کے خلاف کرنا ناجائز اور بغاوت ہے وغیرہ، لیکن شریعت کی نظر میں یہ بات صحیح نہیں ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان مسلمانوں کا ملک اور وطن ہے، اس معنی میں تو پاکستان کو اسلامی ملک کہا جاسکتا ہے، اس لیے اگر کوئی کافر اس پر حملہ کرے اور اس پر قبضہ کرنے کی کوشش کرے تو مسلمانوں پر اس کا دفاع واجب ہے، کیوں کہ یہ مسلمانوں کی سرزمین ہے۔ لیکن جہاں تک اس کی حکومت اور حکمرانوں کا تعلق ہے تو اس کی حکومت ایک غیر اسلامی غیر شرعی حکومت ہے، اسی بنیاد پر اس کے حکمران بھی وہ شرعی حکمران نہیں ہیں جنہیں شرعی اصطلاح میں اولوالامر کہا جاتا ہے اور جن کی سمع وطاعت مسلمانوں پر واجب ہوتی ہے۔

پاکستان کا نظام غیر شرعی نظام ہے:

اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک میں عملی طور شرعی قوانین نافذ نہیں ہیں، عدالتوں میں فیصلے غیر اسلامی انگریزی قوانین کے

مطابق ہوتے ہیں اور عدالتی قانون بھی انگریز کا مرتب کردہ غیر اسلامی قانون ہے ، حکومتی نظام غیر اسلامی نظام ہے، معاشی نظام بھی غیر اسلامی سودی نظام ہے، ایسی صورت میں جب عملی اور مجموعی طور پر پورا نظام غیر اسلامی و غیر شرعی بنیادوں پر قائم ہو تو ایسی مملکت کو شرعی اسلامی حکومت کہنا بے بنیاد اور خلافِ حقیقت ہے، اور اس بات میں کوئی شک اور کوئی دو آراء نہیں ہیں کہ پاکستان میں اسلامی نظام معدوم ہے۔

جمہوری نظام شریعت سے متصادم نظام ہے:

پاکستان میں انگریز کا بنایا ہوا جمہوری نظام نافذ ہے ، اور جمہوری نظام اسلامی نظام سے بلکل متضاد ہے۔ لہذا اس جمہوری نظام کے ہوتے ہوئے اسے شرعاً اسلامی ریاست نہیں کہا جاسکتا۔

جمہوری نظام میں اسلامی نظام اپنے نافذ العمل ہونے میں پارلیمنٹ اور اس کی اکثریت کا محتاج ہوتا ہے۔ اگر پارلیمنٹ کی اکثریت اسلامی قانون کو ملک کے قانون کے طور پر پاس کردے تو پھر تو یہ ملک کا قانون بن سکتا ہے ورنہ نہیں، گویا پاکستان میں اسلامی قانون یعنی قرآن و حدیث، واجب العمل ہونے میں آئین کے مطابق انسانی آراء کے محتاج ہیں، اکثریت چاہے تو اسے قانون بنادے اور چاہے تو نہ بنائے، حالاں کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی اور اس کے رسول کے فیصلوں میں کسی کے لیے کوئی اختیار نہیں ہے سوائے اسے تسلیم کرنے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (الاحزاب)

یہ پاکستان کا غیر اسلامی آئین ہی ہے جو پارلیمنٹ کے اراکین کو شریعت مسترد کرنے کا اختیار دیتا ہے، لہذا اللہ تعالی کا بھیجا ہوا الٰہی قانون سب سے پہلے بحث کے لیے اسمبلی میں پیش کیا جاتا ہے، پھر اسمبلی کے ہر رکن کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ اسے مسترد کردے یا اس کے حق میں رائے دے۔ اس لیے جو آئین انسانوں کو الٰہی قانون مسترد کرنے کا اختیار دے تو وہ اسلامی آئین نہیں ہوسکتا چاہے اس میں قرآن و حدیث کے خلاف قانون نہ بننے کی شرط ہی کیوں نہ لگائی گئی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستانی پارلیمنٹ میں شریعتِ اسلامی کو قانونی حیثیت دینے کے لیے کئی دفعہ پیش کیا گیا لیکن پارلیمنٹ کی طرف سے اُسے مسترد کردیا گیا۔

اگر بالفرض پارلیمنٹ سے شریعت کو ملک کے قانون کی حیثیت مل بھی جائے تو پھر بھی یہ آئین اسلامی نہیں، کیوں کہ شریعت کو قانونی حیثیت دینے کا اختیار انسانوں کو دینا ہی غیر شرعی اور غیر اسلامی عمل ہے۔

حکومت اور حکمران کے اسلامی ہونے کے لیے نفاذِ اسلام شرط ہے:

لہذا جب تک کسی ملک میں عملی طور پر اسلامی نظام نافذ نہ ہو تو اس وقت تک اس حکومت یا ریاست کو اسلامی اور اس کے حکمرانوں کو شرعی حکمران یا اولوالامر نہیں کہا جاسکتا، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اُن حکمرانوں کی سمع و طاعت کا حکم فرمایا ہے کہ جو شریعت کے مطابق لوگوں کو چلائیں، یعنی اسلامی نظام نافذ کریں۔ بہت سی احادیث اور صحابہ کے آثار سے بھی یہ بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ حکمران کی سمع و طاعت اس وقت واجب ہوتی ہے اور وہ اُس وقت اولوالامر بنتا ہے کہ جب شریعت نافذ کرے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان مبارک ہے:

عَنْ يَحْيَى بْنِ حُصَيْنٍ ، قَالَ : سَمِعْتُ جَدَّتِي ، تُحَدِّثُ ، أَنَّهَا سَمِعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ ، وَهُوَ يَقُولُ : وَلَوِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللهِ ، فَاسْمَعُوا لَهُ وَأَطِيعُوا۔ (صحیح مسلم)

یعنی اگر تم پر کسی غلام کو بھی حاکم بنادیا جائے جو تمہیں کتاب

اللہ کے مطابق چلائے تو اس کی سمع وطاعت کرو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حکمرانوں کی سمع و طاعت اُس وقت واجب ہے کہ جب وہ ملک میں کتاب اللہ کا نظام نافذ کریں، اس لیے جو حکمران شریعت نافذ نہیں کرتے وہ شرعی حکمران اور اولوالامر نہیں ہیں، مسلمانوں پر اُن کی اطاعت واجب نہیں ہے۔

اسی طرح علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حکمران پر لازم ہے کہ وہ شریعت کے مطابق فیصلے کرے، جب وہ ایسا کرے گا تو مسلمانوں پر اُس کی سمع وطاعت واجب ہوگی ورنہ نہیں:

قَالَ عَلِيٌّ بْنُ اَبِي طَالِب: كَلِمَاتٌ اَصَابَ فِيهِنَّ: حَقٌّ عَلَى الامَامِ اَنْ يَحْكُمَ بِمَا اَنْزَلَ اللهُ وَاَنْ يُؤَدِّيَ الاَمَانَةَ, فَاِذَا فَعَلَ ذَلِكَ كَانَ حَقًّا عَلَى الْمُسْلِمِينَ اَنْ يَسْمَعُوا وَيُطِيعُوا وَيُجِيبُوا اِذَا دُعُوا. (مصنف ابن ابي شيبة، صحيح ابن خزيمة)

اسی طرح مفتی اعظم پاکستان مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمہ اللہ احسن الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں بھی اسی بات کا صراحت کے ساتھ ذکر ہے:

سوال: اسلامی ملک کی تعریف کے لیے قرآن و سنت پر عملدرآمد ضروری ہے یا صرف مسلمانوں کی آبادی کا ہونا کافی ہے؟ یعنی جس ملک میں قرآن وسنت کے عملی نظام کا نفاذ نہ ہو تو ایسی صورت میں یہ ملک اسلامی ملک ہے یا غیر اسلامی؟ بینوا توجروا۔

جواب باسم ملہم الصواب:

جس ملک میں اگرچہ عملاً احکامِ اسلام کا نفاذ نہ ہو مگر تنفیذِ احکام پر قدرت ہو وہ دارالاسلام ہے، اس معنی سے اسے اسلامی ملک بھی کہا جاسکتا ہے مگر ایسے ملک کی حکومت کو اُس وقت تک حکومتِ اسلامیہ نہیں کہا جاسکتا جب تک کہ وہ احکامِ اسلام کی تنفیذ نہ کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔" (احسن الفتاویٰ)

مفتی نظام الدین شہید رحمہ اللہ کے فتویٰ کے الفاظ:

اسلامی ممالک کے جتنے حکمران اس صلیبی جنگ میں امریکہ کا ساتھ دے رہے ہیں اور اپنی زمین، وسائل اور معلومات ان کو فراہم کر رہے ہیں وہ مسلمان پر حکمرانی کے حق سے محروم ہو چکے ہیں، تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ ان حکمرانوں کو اقتدار سے محروم کریں چاہے اس کے لیے جو بھی طریقہ استعمال کیا جائے۔

تیسرا موضوع:

پاکستانی فوج کے خلاف مسلح قیام کرنے والے باغی نہیں ہیں۔

پاکستانی حکومت اور فوج مجاہدین کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ اُنہوں نے اسلامی حکومت اور اسلامی حکمرانوں کے خلاف جنگ شروع کی ہوئی ہے اس لیے یہ لوگ باغی ہیں۔

اس کے جواب کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ باغی کسے کہتے ہیں؟ حاکم کے خلاف لڑنے والے ہمیشہ باغی نہیں ہوتے بلکہ کبھی افضل درجہ کے مجاہد بھی ہوتے ہیں، اسے سمجھنے کے لیے باغی کی تعریف سمجھنے کی ضرورت ہے۔

علامہ حصکفي رحمہ اللہ "الدر المختار" میں باغی کی اصطلاحی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَشَرْعًا (هُمْ الْخَارِجُونَ عَنْ الْإِمَامِ الْحَقِّ بِغَيْرِ حَقٍّ) فَلَوْ بِحَقٍّ فَلَيْسُوا بِبُغَاةٍ (الدر المختار)

علامہ شامی رحمہ اللہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالْبَاغِي فِي عُرْفِ الْفُقَهَاءِ الْخَارِجُ عَلَى إمَامِ الْحَقِّ ... وَفِئَةٌ بَاغِيَةٌ: خَارِجَةٌ عَنْ طَاعَةِ الْإِمَامِ الْعَادِلِ ... (قَوْلُهُ: وَبُغَاةٌ) هُمْ كَمَا فِي الْفَتْحِ قَوْمٌ مُسْلِمُونَ خَرَجُوا عَلَى إمَامِ الْعَدْلِ وَلَمْ يَسْتَبِيحُوا مَا اسْتَبَاحَهُ الْخَوَارِجُ مِنْ دِمَاءِ الْمُسْلِمِينَ وَسَبْيِ ذَرَارِيِّهِمْ. (الرد المحتار)

یہی بات امام نووی رحمہ اللہ اپنی کتاب "روضۃ الطالبین" میں بھی فرماتے ہیں:

الْبَاغِي فِي اصْطِلَاحِ الْعُلَمَاءِ: هُوَ الْمُخَالِفُ لِإِمَامِ الْعَدْلِ، الْخَارِجُ عَنْ طَاعَتِهِ بِامْتِنَاعِهِ مِنْ أَدَاءِ وَاجِبٍ عَلَيْهِ (روضة الطالبين للنووی)

"علماء کی اصطلاح میں باغی اسے کہتے ہیں کہ جو امامِ عادل کے خلاف ہو، اس کی طاعت سے نکل جائے، اپنے اوپر امام کے واجب حقوق نہ ادا کرنے کے ذریعے۔"

یہی بات تمام کُتُبِ فقہ میں موجود ہے، یعنی باغی اسے کہتے ہیں کہ جو ایک عادل امام کے خلاف لڑے، اور اسی طرح باغی جماعت اسے کہتے ہیں کہ جو عادل امام کی اطاعت سے باہر ہو جائے، ان کی اطاعت سے نکلے اور ان کے حقوق نہ اداء کرے، لیکن اگر کوئی شخص ایسے امام کے خلاف قیام کرے کہ جو ظالم و فاسق ہو، یا لوگوں کو بے دینی پر مجبور کرے، ایسا نظام بنائے کہ جس کی وجہ سے لوگوں میں دین کا استخفاف اور دین کی طرف سے غفلت پیدا ہو تو ایسے شخص کو باغی نہیں کہا جائے گا، بلکہ وہ افضل جہاد کرنے والا مجاہد ہے۔ ایک مقام پر علامہ شامی رحمہ اللہ اسی بات کی صراحت فرماتے ہیں:

وَيَأْتِي تَمَامُ بَيَانِهِ (قَوْلُهُ: وَتَمَامُهُ فِي جَامِعِ الْفُصُولَيْنِ) حَيْثُ قَالَ فِي أَوَّلِ الْفَصْلِ الْأَوَّلِ: بَيَانُهُ أَنَّ الْمُسْلِمِينَ إذَا اجْتَمَعُوا عَلَى إمَامٍ وَصَارُوا آمِنِينَ بِهِ فَخَرَجَ عَلَيْهِ طَائِفَةٌ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، فَإِنْ فَعَلُوا ذَلِكَ لِظُلْمٍ ظَلَمَهُمْ بِهِ فَهُمْ لَيْسُوا مِنْ أَهْلِ الْبَغْيِ، وَعَلَيْهِ أَنْ يَتْرُكَ الظُّلْمَ وَيُنْصِفَهُمْ. (رد المحتار)

یعنی اگر مسلمان کسی حاکم پر متفق ہوں اور اُس کی وجہ سے پُر امن ہوں اور کوئی جماعت مسلمانوں میں سے اس کے خلاف خروج کرے تو اس میں دیکھا جائے گا کہ اگر انہوں نے یہ خروج امام کے ظلم کی وجہ سے کیا ہو گا تو انہیں اس خروج کی وجہ سے باغی نہیں کہا جائے گا، اور حاکم پر لازم ہو گا کہ وہ ان پر ظلم کرنا چھوڑ دے اور ان کو انصاف فراہم کرے۔

شہیدِ اسلام مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کا فتویٰ:

شہیدِ اسلام مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ "آپ کے مسائل اور اُن کا حل" کی دوسری جلد میں فرماتے ہیں کہ

طالبان کا جہاد شرعی جہاد ہے:

سوال: افغانستان میں جو جنگ طالبان اور ربانی حکومت کے درمیان جاری ہے، شرعی نقطۂ نظر سے یہ جہاد ہے؟ اگر جواب نفی یا اِثبات میں ہو تو کچھ دلائل سے بھی بندے کو نوازیں۔

جواب: مجھے پورے حالات معلوم نہیں، البتہ جو حالات اَحباب نے بتائے ہیں، اُن کے مطابق طالبان رضائے الٰہی کے لیے اور اللہ تعالیٰ کی زمین پر شریعت نافذ کرنے کے لیے لڑ رہے ہیں، اس لیے ان کی محنت کو شرعی جہاد کہنا صحیح ہے۔" (آپ کے مسائل اور اُن کا حل)

اسی طرح ایک اور جگہ ایک سوال کے جواب فرماتے ہیں کہ طالبان کی تحریک اسلامی نظام کے لیے ہے اور اُن کے مخالفین کی حیثیت باغیوں کی ہے، طالبان کا جہاد شرعی جہاد ہے اور اُن کے خلاف لڑنے والے باغی ہیں

سوال: کیا فرماتے ہیں مفتیانِ عظام طالبان تحریک افغانستان کے بارے میں کہ اگر کوئی آدمی اس تحریک میں شامل ہو کر ان کے مخالفین کے ساتھ لڑ کر فوت ہو جائے، کیا یہ آدمی شہید کہلایا جائے گا؟ دراصل اشکال اس بات کا ہے کہ ان طالبان کے حریف احمد شاہ مسعود، حکمت یار اور ربانی جیسے سابقہ مجاہدین ہیں، جنہوں نے روسی سامراج کو افغانستان کی سرحد میں سے نکالا اور اب اسلامی حکومت قائم ہو گئی تھی، گو کہ اسلامی نظام انہوں نے بوجوہ نافذ نہیں کیا تھا، اب سوال ہے کہ ان لوگوں سے لڑنے والے کو "مجاہد" کہا جائے گا؟ نیز اگر مارا جائے، کیا اسے "شہید" کہا جائے گا؟ اگر مخالفین کا کوئی آدمی مر جائے ان کے بارے میں جناب کی کیا رائے ہے؟ نیز اس لڑائی کو "جہاد" کہا جائے گا یا کچھ اور؟

جواب: جہاں تک مجھے معلوم ہے طالبان کی تحریک صحیح ہے، افغانستان کی جن جماعتوں اور ان کے لیڈروں نے روس کے

خلاف لڑائی کی وہ تو صحیح تھی، لیکن بعد میں ان لیڈروں نے اپنے اپنے حلقے میں اپنی حکومت بنالی، اور ملک میں طوائف الملوکی کا دو دورہ ہوا، ملک میں نہ امن قائم ہوا، نہ پورے ملک میں کوئی مرکزی حکومت قائم ہوئی، نہ اسلامی نظام نافذ ہوا۔ طالبان نے جہادِ افغانستا کو رائیگاں ہوتے ہوئے دیکھا تو اسلامی حکومت قائم کرنے کے لیے تحریک چلائی، اور جو علاقے ان کے زیر نگین آئے ان میں اسلامی نظام نافذ کیا، افغانستان کے تمام لیڈروں کا فرض تھا کہ وہ اس تحریک کی حمایت کرتے، مگر وہ طالبان کے مقابلے میں آگئے۔ اب افغانستان میں لڑائی اس نکتے پر ہے کہ یہاں اسلامی نظام نافذ ہو یا نہیں؟ طالبان کی تحریک اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے ہے اور ان کے مخالفین کی حیثیت باغیوں کی ہے، اس لیے ”طالبان“ کے جو لوگ مارے جاتے ہیں وہ اِعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جان دیتے ہیں، بلاشبہ وہ شہید ہیں۔“ (آپ کے مسائل اور اُن کا حل)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ شہیدِ اسلام مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کے نزدیک طالبان کے مخالفین کی حیثیت باغیوں کی ہے۔ یعنی آپ رحمہ اللہ کے نزدیک باغی وہ لوگ ہیں جو اسلامی نظام کے مقابلے میں یا اسلامی نظام کا مطالبہ کرنے والوں کے خلاف جنگ کرتے ہیں۔

الحمد للہ، تحریکِ طالبان پاکستان اسلامی نظام کے خلاف نہیں بلکہ اُس کے نفاذ کے لیے جنگ لڑ رہی ہے، اور ایک ایسی غیر اسلامی اور ظالم حکومت کے خلاف مصروفِ جہاد ہے جو ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ اس سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ تحریکِ طالبان پاکستان کے مخلص مجاہدین کو باغی کہنا غلط ہے، بلکہ اسلامی نظام کے باغی پاکستان کی بے دین حکومت، فوج اور اُس کے ادارے ہیں، جو نہ صرف یہ کہ خود اسلامی نظام نافذ نہیں کرتے بلکہ اِس کا مطالبہ کرنے والوں پر ظلم کرتے ہیں، انہیں قید و بند کی صعوبتوں میں ڈالتے اور اُنہیں شہید کرتے ہیں

حاصلِ کلام:

مذکورہ بحث سے یہ بات صراحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہے کہ پاکستانی حکومت اور فوج کے خلاف لڑنے والے باغی نہیں ہیں۔ کیونکہ باغی وہ ہوتے ہیں جو شرعی امامِ عادل کے خلاف قیام کریں، لیکن جیسا کہ اوپر دوسرے موضوع کے تحت بحث سے یہ واضح طور پر معلوم ہوچکا ہے کہ پاکستانی حکمران ایسے فساق اور ظالم ہیں کہ جنہیں معزول کرنا مسلمانوں پر حسبِ استطاعت واجب ہے، لہذا اِن کے خلاف قیام کرنے والا باغی نہیں بلکہ افضل درجے کا مجاہد ہے۔

چوتھا موضوع:

مجاہدین کے خلاف لڑ کر مرنے والے پاکستانی سیکیورٹی اہلکار شہید نہیں ہے۔

پاکستانی فوج، مجاہدینِ اسلام کے خلاف لڑکر مرنے والے اپنے فوجیوں کو شہید کہتی ہے، اور اُنہیں خراجِ تحسین پیش کرتی ہے، اور شرعی نظام کے نفاذ کے لیے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کرنے والے مجاہدین کو شہید نہیں مانتی۔ شریعت کی نظر میں اِن کا یہ نظریہ بھی باطل ہے۔ اِس مسئلے کو سمجھنے کے لیے شہید کی تعریف کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ شریعت کس مقتول کو شہید کہتی ہے۔

اللہ تعالی قرآن کریم میں فرماتے ہیں:

وَ مَنۡ يُّقَاتِلۡ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ فَيُقۡتَلۡ اَوۡ يَغۡلِبۡ فَسَوۡفَ نُؤۡتِيۡهِ اَجۡرًا عَظِيۡمًا [النساء: ۷۴]

”جو شخص اللہ تعالی کے راستے میں لڑتا ہے، سو قتل کردیا جائے یا غالب رہے، سو عنقریب ہم اسے دیں گے اجرِ عظیم۔“ رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ مبارک ہے:

عَنْ أَبِي مُوسَى رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ الرَّجُلُ: يُقَاتِلُ لِلْمَغْنَمِ، وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِلذِّكْرِ،

وَالرَّجُلُ يُقَاتِلُ لِيُرَى مَكَانُهُ، فَمَنْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ؟ قَالَ: «مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ العُلْيَا فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ» (صحيح البخاري)

عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: سُئِلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ يُقَاتِلُ شَجَاعَةً، وَيُقَاتِلُ حَمِيَّةً، وَيُقَاتِلُ رِيَاءً، أَيُّ ذَلِكَ فِي سَبِيلِ اللهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَنْ قَاتَلَ لِتَكُونَ كَلِمَةُ اللهِ هِيَ العُلْيَا، فَهُوَ فِي سَبِيلِ اللهِ» (صحيح مسلم)

آپ ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا کہ ایک شخص (خالص) غنیمت کے لیے لڑتا ہے، ایک شخص شہرت کے لیے لڑتا ہے، ایک شخص اس لیے لڑتا ہے کہ اپنا درجہ دوسروں کو دکھائے، مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ جو بہادری کی وجہ سے یا غیرت و حمیت کی وجہ سے لڑے، تو اِن میں سے فی سبیل اللہ (مجاہد) کون ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اس لیے لڑے کہ اللہ تعالی کا کلمہ بلند ہو تو وہ فی سبیل اللہ (مجاہد) ہے۔“

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اپنی بخاری شریف کی شرح ”فتح الباری“ میں ”کلمۃ اللہ“ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالْمُرَادُ هُنَا بِقَوْلِهِ كَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا كَلِمَةُ التَّوْحِيدِ أَيْ كَلِمَةُ تَوْحِيدِ اللَّهِ وَهِيَ الْمُرَادُ بِقَوْلِهِ تَعَالَى قُلْ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ الْآيَةَ وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ الْمُرَادُ بِالْكَلِمَةِ الْقَضِيَّةَ قَالَ الرَّاغِبُ كُلُّ قَضِيَّةٍ تُسَمَّى كَلِمَةً سَوَاءٌ كَانَتْ قَوْلًا أَوْ فِعْلًا وَالْمُرَادُ هُنَا حُكْمُهُ وشرعه. (فتح الباري لابن حجر)

اس کا حاصل یہ ہے کہ ”کلمۃ اللہ“ سے مراد توحید اور شریعتِ محمدیہ ﷺ ہے۔

درجہ بالا آیت، حدیث اور اس کی شرح سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے راستے میں لڑنے والا مجاہد وہی ہے جو اس لیے لڑے تاکہ اللہ تعالی کا دین مضبوط اور غالب ہو جائے اور اس کا کلمہ بلند ہو جائے۔

اسی طرح جہاد فی سبیل اللہ کی تعریف کرتے ہوئے فقہاء لکھتے ہیں:

وَفِي عُرْفِ الشَّرْعِ يُسْتَعْمَلُ فِي بَذْلِ الْوُسْعِ وَالطَّاقَةِ بِالْقِتَالِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ - عَزَّ وَجَلَّ - بِالنَّفْسِ وَالْمَالِ وَاللِّسَانِ، أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ، أَوْ الْمُبَالَغَةِ فِي ذَلِكَ وَاَللَّهُ - تَعَالَى - أَعْلَمُ. (بدائع الصنائع)

وَعَرَّفَهُ ابْنُ الْكَمَالِ بِأَنَّهُ بَذْلُ الْوُسْعِ فِي الْقِتَالِ فِي سَبِيلِ اللَّهِ مُبَاشَرَةً أَوْ مُعَاوَنَةً بِمَالٍ، أَوْ رَأْيٍ أَوْ تَكْثِيرِ سَوَادٍ أَوْ غَيْرِ ذَلِكَ. اهـ . .(رد المحتار)

یعنی جہاد کہتے ہیں اپنی جان، مال، زبان اور شرکت کے ذریعے قتال فی سبیل اللہ میں اپنی طاقت لگانا۔

اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ مجاہد وہی ہے جو خالص اللہ تعالی کے راستے میں، اُس کے دین کو مضبوط کرنے کے لیے لڑے۔ اب جبکہ پاکستان میں غیر شرعی انگریزی نظام نافذ ہے، ملک میں غیر اسلامی حکومت ہے، اور پاکستانی فوج اور پولیس اسی غیر شرعی نظام کی حفاظت کرتے ہوئے مجاہدین کے خلاف لڑتے ہوئے مارے جاتے ہیں، اس لیے شریعت کی نظر میں نہ یہ مجاہد ہیں اور نہ اِن کے مقتولین شہید ہیں۔

جبکہ موجودہ جاری جنگ جسے یہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کہتے ہیں اور جو امریکہ اور دیگر کفار کو خوش کرنے کے لیے شروع کی گئی ہے، اِس جنگ میں اِن کے مد مقابل مجاہدین ہیں جو کہ ملک میں اسلامی نظام نافذ کرنا چاہتے ہیں، جبکہ پاکستان کے سیکورٹی ادارے اسلامی نظام کے نفاذ پر پابندی لگاتے ہیں، اس لیے شریعت کی نظر میں یہی لوگ حقیقت میں مجاہد ہیں اور اِنہی کے مقتولین شہید ہیں۔

فقہاء کے نزدیک شہید کی تعریف:

وَهُوَ فِي الشَّرْعِ مَنْ قَتَلَهُ أَهْلُ الْحَرْبِ وَالْبَغْيِ وَقُطَّاعُ الطَّرِيقِ . . . . . .أَوْ قَتَلَهُ مُسْلِمٌ ظُلْمًا وَلَمْ تَجِبْ بِهِ دِيَةٌ كَذَا فِي الْكَافِي وَكَذَا إِنْ قَتَلَهُ أَهْلُ الذِّمَّةِ أَوْ الْمُسْتَأْمَنُونَ هَكَذَا فِي

الْعَيْنِيِّ شَرْحِ الْهِدَايَةِ..... وَمَنْ قُتِلَ مُدَافِعًا عَنْ نَفْسِهِ أَوْ مَالِهِ أَوْ عَنْ الْمُسْلِمِينَ أَوْ أَهْلِ الذِّمَّةِ بِأَيِّ آلَةٍ قُتِلَ بِحَدِيدٍ أَوْ حَجَرٍ أَوْ خَشَبٍ فَهُوَ شَهِيدٌ، كَذَا فِي مُحِيطِ السَّرَخْسِيِّ.
(الهندية، كتاب الصلوة، الفصل: الشهيد)

الشهيد من قتله المشركون أو وجد في المعركة وبه أثر أو قتله المسلمون ظلما. (الهداية، كتاب الصلوة، باب الشهيد)

وَإِذَا عُرِفَ شَرَائِطُ الشَّهَادَةِ فَنَقُولُ: إذَا قُتِلَ الرَّجُلُ فِي الْمَعْرَكَةِ، أَوْ غَيْرِهَا وَهُوَ يُقَاتِلُ أَهْلَ الْحَرْبِ، أَوْ قُتِلَ مُدَافِعًا عَنْ نَفْسِهِ، أَوْ مَالِهِ، أَوْ أَهْلِهِ، أَوْ وَاحِدٍ مِنْ الْمُسْلِمِينَ، أَوْ أَهْلِ الذِّمَّةِ فَهُوَ شَهِيدٌ سَوَاءٌ قُتِلَ بِسِلَاحٍ، أَوْ غَيْرِهِ؛ لِاسْتِجْمَاعِ شَرَائِطِ الشَّهَادَةِ فِي حَقِّهِ فَالْتَحَقَ بِشُهَدَاءِ أُحُدٍ، وَكَذَلِكَ إذَا صَارَ مَقْتُولًا مِنْ جِهَةِ قُطَّاعِ الطَّرِيقِ؛ لِأَنَّهُ قُتِلَ ظُلْمًا لَمْ يَخْلُفْ بَدَلًا هُوَ مَالٌ دَلَّ عَلَيْهِ قَوْلُهُ: - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - «مَنْ قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَهُوَ شَهِيدٌ» ، وَهَذَا قُتِلَ دُونَ مَالِهِ فَيَكُونُ شَهِيدًا بِشَهَادَةِ النَّبِيِّ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - وَكَذَا إذَا قُتِلَ فِي مُحَارَبَةِ أَهْلِ الْبَغْيِ (بدائع الصنائع كتاب الصلوة فصل:أحكام الشهيد)

مَنْ مَاتَ مِنْ حَدٍّ أَوْ تَعْزِيرٍ أَوْ عَدَا عَلَى قَوْمٍ ظُلْمًا فَقَتَلُوهُ لَا يَكُونُ شَهِيدًا؛ لِأَنَّهُ ظَلَمَ نَفْسَهُ.
(بدائع الصنائع كتاب الصلوة فصل:احكام الشهيد)

فقہاء کرام کی اِن عبارتوں کا خلاصہ یہ ہے کہ فقہاء کے نزدیک شہید وہ ہے کہ جو اہلِ حرب کفار کے ہاتھ، یا باغیوں کے ہاتھ، یا ڈاکو اور چوروں کے ہاتھ، یا ظالم مسلمانوں کے ہاتھ ظلما قتل ہو جائے، یا اپنے جان و مال یا عزت یا کسی مسلمان کے جان و مال یا عزت یا کسی ذمی کی جان و مال یا عزت کے دفاع میں قتل کر دیا جائے۔

پاکستانی سیکورٹی اہلکار نہ اہلِ حرب کفار کے خلاف لڑتے ہوئے مارے جاتے ہیں، نہ باغیوں کے خلاف، نہ ڈاکو چوروں کے خلاف اور نہ ہی ظلما قتل کئے جاتے ہیں، بلکہ وہ ایک غیر اسلامی حکومت کے دفاع میں اور نام نہاد امریکہ کی دہشتگردی کے خلاف جنگ میں مخلص مجاہدین کے ہاتھوں مارے جاتے ہیں، اس لیے انہیں شہید کہنا دین میں تحریف کے مترادف ہے۔

اسی طرح ایک بہت شنیع تحریف یہ بھی ہے کہ پاکستانی فوج میں اگر کوئی عیسائی، ہندو، سکھ، قادیانی وغیرہ کوئی بھی کافر مارا جائے تو اسے شہید کہا جاتا ہے، حالاں کہ یہ قرآن و حدیث، اجماع و قیاس کے صریح خلاف ہے، فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے کہ شہید صرف مسلمان ہی ہو سکتا ہے، کوئی کافر شہید نہیں ہو سکتا:

(قَوْلُهُ: مُسْلِم) أَمَّا الْكَافِرُ فَلَيْسَ بِشَهِيدٍ، وَإِنْ قُتِلَ ظُلْمًا (كتاب الصلوة، باب صلوة الجنازة، باب الشهيد)

اسی طرح بہت سے فتاویٰ جات سے جہادِ پاکستان اور مجاہدینِ پاکستان کے موقف کی تائید ہوتی ہے، جیسا کہ:

شہیدِ اسلام مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ کا فتویٰ

مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ سے بھی "آپ کے مسائل اور اُن کا حل" (ج:۲ ص:۵۳۵) میں ایک سوال کا جواب اسی طرح منقول ہے:

"سوال: کیا مسلمان ایک دوسرے کے خلاف لڑ کر شہید ہو سکتے ہیں؟ کیا مسلمانوں کی آپس کی لڑائی کو جہاد کا نام دیا جا سکتا ہے؟ طالبان اور دیگر مجاہد تنظیموں کے حوالے سے اس کا جواب دیجئے۔

جواب: طالبان محض اسلامی نظام کے نفاذ کے لیے لڑ رہے ہیں، اس لیے وہ ان شاء اللہ حق پر ہیں، اور باقی لوگ ان کے مقابلے میں باغیوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔" (آپ کے مسائل اور اُن کا حل ج:۲ ص:۵۳۵)

کوہاٹ کے علماء کے فتوے کے الفاظ:

”شریعت کی رو سے مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے فوجی اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے باغی ہیں اور ان کا مرنا حرام موت ہے اور ان کا حکم قطاع الطریق یعنی راہزن اور ڈاکو کا ہے، نمازِ جنازہ کے لیے جو حکم راہزن اور ڈاکو کا ہے وہی ان کا ہے۔“ (وانا آپریشن کے بارے میں پاکستان کے علماء کا متفقہ فتویٰ)

مفتی اعظم افغانستان شیخ الحدیث المولوی عبد العلی الدیوبندی الکندھاری رحمہ اللہ کا فتویٰ:

”سوال (۱۲): اگر طالبان مجاہدین اشرف غنی حکومت کی ملی اردو (ملی فوج) سے جنگ کریں اور ملی اردو میں سے کسی کو جنگ میں قتل کر دیا جائے تو کیا ملی اردو کے اس مقتول کو شہید کہا جائے گا؟

جواب بتوفیق اللہ تعالیٰ وعونہ: اگر ملی اردو، ملی پولیس اور اربکی اور ان کے مشران جنگ میں قتل کر دیئے جائیں تو انہیں شہید نہیں کہا جائے گا۔ کیوں کہ کفار کا ساتھ دینے اور ان کی معاونت اور تقویت کی وجہ سے ملی اردو کو ظالم کہا جاتا ہے، اور ظالم کو شہید نہیں کہا جاسکتا۔“ (مختصر احکام القتال فی سبیل اللہ تعالی جل شانہ)

”سوال (۱۳): اگر مسلمان مجاہدین اھل حرب کفار سے جنگ میں مصروف ہوں اور کچھ مسلمان حربی کفار کی صف میں کھڑے ہو جائیں اور پھر مجاہدین سے جنگ کریں، تو کیا یہ مسلمان (جیسا کہ ملی اردو) جو کہ کفار کے ساتھی ہیں، ایک مجاہد کو قتل کریں تو اس مجاہد کو قتل کے بعد شہید کہا جائے گا؟

جواب: جی، اس مقتول مجاہد کو شہید کہا جائے گا شریعت میں۔“

شیخ گل محمد باجوڑی حفظہ اللہ

کفار کے ساتھ تعلقات، اقسام و احکام

بعض لوگ موالات کے مراتب میں فرق نہیں کرتے اس لیے جو بھی کفار کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اس کو کافر سمجھتے ہیں اور اس کا قتل جائز بلکہ واجب سمجھتے ہیں اور اس پر کفر کا فتویٰ لگانے میں جلد بازی سے کام لیتے ہیں حالانکہ موالات کے مختلف مراتب ہیں۔ موالات (یعنی کافروں کے ساتھ تعلق رکھنا) کبھی کفر وارتداد کے درجے میں ہوتی ہے اور کبھی گناہ کبیرہ اور کبھی گناہ صغیرہ ہوتی ہے۔ اس لیے اس مسئلے کی وضاحت کے لیے ہم چند مباحث ذکر کریں گے۔

پہلی بحث:

تولی اور موالات کی تعریف: تولی اور موالات کے الفاظ عموماً محبت، دوستی، تابعداری اور مدد کرنے کے معنیٰ میں استعمال ہوتے ہیں۔ (الموالات والمعادات فی الشریعۃ الاسلامیۃ للمحماس بن عبد اللہ صفحہ ۱۳)

دوسری بحث:

تولی اور موالات میں نسبت: تولی اور موالات میں نسبت عموم خصوص ہے موالات عام اور تولی خاص ہے۔ موالات مطلق محبت کو کہا جاتا ہے (فیروز آبادی کی القاموس المحیط ص: ۴۰۱ ج ۴ میں ہے: الموالاۃ ھی المحبۃ) اور تولی کامل اور مکمل محبت اور مدد کو کہا جاتا ہے (المحماس ص: ۴ ج ۵ میں بحوالہ المعجم الوسیط ص: ۱۰۷۰ ج ۲ مذکور ہے کہ: اما التولی فھو تقدیم کامل المحبۃ والنصرۃ للمتولی بحیث یکون المتولی مع المتول کالظل مع الجسم۔) سو ہر تولی موالات ہے لیکن ہر موالات، تولی نہیں ہے۔

تیسری بحث:

تولی اور موالات کا حکم: تولی ہر صورت میں کفر ہے۔ مثلاً کوئی آدمی کافروں سے دفاع کرتا ہے یا کافروں کے ساتھ مال جان اور رائے اور مشورہ کے ذریعے مدد اور تعاون کرتا ہے (الدرر السنیۃ ۲۰۱ جلد ۷) اور موالات کبھی کفر ہوتی ہے اور کبھی نہیں۔

چوتھی بحث: موالات کی وہ صورتیں جو موجب کفر ہیں:

موالات کبھی کفر ہوتی ہے اور اس معنیٰ میں موالات تولی کے مرادف ہوتی ہے۔ ہم موالات کی وہ صورتیں ذکر کرتے ہیں جو موجب کفر ہیں۔

۱۔ ایک صورت ہے کفار کے ساتھ تعاون کرنا (مال، جان اور رائے اور مشورہ دینے سے) اسی طرح ان کے ساتھ موافقت کرنا یا ان کے کاموں پر راضی ہونا، یہ صورت کفر کی ہے (الدرر السنیۃ ص: ۳۰۹ ج ۷ بحوالہ الموالات فی الشریعۃ الاسلامیۃ: ص ۱۹)

۲۔ دوسری صورت ایک شخص کافروں کے درمیان رہتا ہے اور ان کے ساتھ ملکر مسلمانوں کے خلاف لڑتا بھی ہے تو یہ کام کفر ہے۔ (الموالات للمحماس ص: ۲۷)

۳۔ تیسری صورت: کبھی ایک شخص کافروں کے قانون اور نظام کی تنفیذ کرتا ہے اور اس میں حرام حلال ہوتا ہے، مثلاً سود، زنا، شراب وغیرہ کو حلال سمجھتا ہو یا اس میں حلال، حرام ہو جیسے ایک سے زیادہ شادیاں کرنا یا امر بالمعروف اور نہیں عن المنکر کو روکتا ہو سو اس قسم کی موالات کفر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ومن لم یحکم بما انزل اللہ فأولئک ھم الکافرون ۔» اور جو اللہ کے نازل کردہ (قانون) سے فیصلہ نہ کریں تو یہی لوگ کافر ہیں « اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: المرأ مع من احب « بندہ اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی «

چوتھی صورت: کافروں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے میں

مدد کرنا، ان کی تعریف کرنا اور ان سے دفاع کرنا۔ (دوستی او دشمنی ص ۱۰۲ بحوالہ الولاؤ والبرأ فی الاسلام لصالح الفوزان ص ۹)

پانچویں بحث: موالات کی وہ صورتیں جو کفر نہیں ہیں: یعنی وہ صورتیں جن کے ارتکاب سے بندہ کافر اور مرتد نہیں ہو جاتا بلکہ گناہ گار ہو جاتا ہے۔

۱۔ ایک صورت یہ ہے کہ بندہ کافروں کے ساتھ رہتا ہے لیکن ان کے کفر کو برا سمجھتا ہے تو یہ گناہ ہے کفر نہیں ہے۔ (الموالات للمحماس ص ۱۹ بحوالہ الدرر السنیہ ۳۰۹ جلد ۷)

۲۔ دوسری صورت: کہ ایک آدمی کسی دنیوی مقصد کے حصول کے لیے کافروں کے ساتھ تعلق بنائے اور اس کے دل میں کفر نہ ہو جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے کافروں کو خط لکھا تھا اور ان کو رسول اللہ ﷺ کے حملے سے خبر دار کیا تھا (حالانکہ یہ راز کی بات تھی) تو اس قسم کا تعلق گناہ کبیرہ ہے کفر نہیں ہے البتہ حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ گناہ سے مستثنیٰ ہیں اس لیے کہ وہ بدری صحابی ہیں دوسرے یہ کہ انہوں نے ابتدائے اسلام میں اسلام قبول کیا تھا تیسرے یہ کہ ان کی نیت صحیح تھی۔

۳۔ تیسری صورت: یہ ہے کہ کافر مسلمانوں کے ملک میں آجائیں اور مسلمان ان کے لیے عمومی دعوت اور ضیافت کریں اور یہ ضیافت اسلام کی دعوت کی نیت سے نہ ہو اور نہ ہی کافروں کے ساتھ دوستی اور محبت ہو (مجموعۃ التوحید ص ۱۲۶)

۴۔ چوتھی صورت: کہ ایک آدمی کافروں کے ساتھ تعلق رکھے یا ان کا اکرام کرے دنیوی مفاد کے لیے اور ان کے کفر کو باطل اور برا سمجھتا ہو تو یہ گناہ ہے کفر نہیں ہے۔ اور ایسا شخص قابل تعزیر ہے۔ (مجموعۃ التوحید ص ۱۲۶)

۵۔ پانچویں صورت: قرطبی اور ابن العربی کہتے ہیں: کہ ایک آدمی مسلمانوں کے حالات معلوم کر کے کافروں کو بتاتا ہو اور اس کا مقصد دنیوی مفاد ہو تو یہ کافر نہیں ہے، اس کے قتل میں اختلاف ہے کہ اس کو قتل کیا جائے گا یا نہیں اور اگر قتل کیا جائے گا تو کس بنا پر؟ (احکام القرآن لابن العربی ص ۲۹۰ جلد ۴ قرطبی ص ۵۲ جلد ۱۸)

۶۔ چھٹی صورت کافروں کے لیے سیاہی (روشنائی) تیار کرنا اور ان کے لیے قلم بنانا اور ان کو چابک دینا گناہ کبیرہ ہے کفر نہیں ہے۔ (دوستی اور دوشمنی ص ۳۷۴ بحوالہ الدرر السنیہ ص ۲۰۱ جلد ۷)

۷۔ ساتویں صورت: جن علمائے کرام نے الولاء والبراء پر کتابیں لکھی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ کبھی کبھار الولاء والبراء میں غلو سے کام لیا جاتا ہے: غلو کی ایک صورت یہ ہے کہ ظاہری اعمال کی وجہ سے کسی کی تکفیر کی جائے۔ یعنی عمل بظاہر الولاء والبراء کے خلاف ہو اور اس وجہ سے کسی پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے۔ یاد رہے! کہ کفر کا تعلق دل سے ہے اگر کوئی شخص کسی کافر کے ساتھ اس کے کفر کی وجہ سے محبت کرتا ہے یا دل سے مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کے ساتھ تعاون کرتا ہے تو ایسا شخص کافر ہے۔ اور اگر ایک شخص ظاہراً اور عملاً کافروں کے ساتھ تعاون کرے تو صرف اس تعاون کی بناء پر اس کو کافر کہنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ احتمال موجود ہے کہ یہ شخص دین اسلام کے ساتھ محبت رکھتا ہو لیکن ایمان کی کمزوری کی وجہ سے اپنی دنیوی ضرورت اور مصلحت کی وجہ سے کافروں کے ساتھ ظاہراً تعاون کرتا ہو۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ نے جو کام کیا تھا وہ گناہ تھا لیکن کفر نہیں تھا۔ (انظر الولاؤ والبرأ بین الغلو والجفأ فی ضوء الکتاب والسنۃ ص ۲۵ بحوالہ شرح حدیث جبریل الایمان الاوسط ص ۴۰۲ مجموع الفتاوی ص ۵۲۲ جل ۷)

اسی طرح شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ: جو لوگ تاتاریوں سے ملکر مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہیں ان کی بہت سی قسمیں ہیں

، کچھ فاسق ہیں کچھ بدعتی اور کچھ زندیق ہیں (مجموع الفتاوی ص ۵۵۲ جلد ۲۸) ابن تیمیہؒ تاتاریوں کو کافر سمجھتے ہیں لیکن جو لوگ ان کے ساتھ ملکر مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہیں ان میں فرق کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ بظاہر کافروں کے ساتھ تعاون کرتے ہیں ان میں سے ہر ایک کافر نہیں ہے بلکہ اس کے حالات کو دیکھا جائے گا۔ اس پر دلیل سہل بن بیضاء کی حدیث ہے جنہوں نے مکہ میں خفیہ طور پر اسلام قبول کیا تھا اور جنگ بدر میں مشرکین کے ساتھ آئے تھے اور پکڑے گئے تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ ان قیدیوں کو فدیہ لیے اور سر قلم کیے بغیر مت چھوڑنا، تو عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سہل بن بیضاء کے علاوہ، اس لیے کہ میں نے ان سے اسلام کا ذکر سنا تھا، رسول اللہ ﷺ تھوڑی دیر کے لیے خاموش رہے پھر فرمایا: سہل بن بیضاء کے علاوہ۔ (اخرجہ الامام احمد رقم ص ۳۶۳۲ والترمذی وحسنہ رقم ۱۷۱۴ والحاکم وصححہ ص ۲۱ جلد ۳)

موالات کی سزا:

جس طرح کے موالات کے مراتب میں فرق ہوتا ہے، کبھی کفر ہوتی ہے کبھی گناہ کبیرہ اور کبھی گناہ صغیرہ، اسی طرح اس کی سزا میں بھی فرق ہے۔ جو موالات کفر ہے اس کی سزا قتل ہے اور جو موالات گناہ کبیرہ ہے مثلاً مسلمانوں کے حالات کافروں کو بتانا یعنی جاسوسی کرنا تو اس کے قتل میں ائمہ کا اختلاف ہے، اور جو موالات گناہ صغیرہ ہے تو اس کی سزا قتل سے کم تعزیر ہے۔ یعنی اس میں قتل نہیں ہے۔ (مجموعۃ التوحید ص: ۱۲۶ اور الموالات للمحماس: ص ۳۹۰ ان مباحث میں زیادہ تر نقل الموالاۃ والمعادات فی الشریعۃ الاسلامیۃ لمحماس بن عبد اللہ سے کی گئی، مزید وضاحت کے لیے اس کا مطالعہ کریں)

علمائے کرام کی آراء:

شیخ عبد الرحمٰن بن سعدیؒ فرماتے ہیں: کہ تولی میں مختلف مراتب ہیں جس طرح کہ موالات میں مختلف مراتب ہیں سو تولی کی تمام اقسام کفر نہیں ہے۔ لیکن یہ قول بلا دلیل ہے۔

شیخ محمد بن عتیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کہ موالات کی تمام اقسام کفر ہیں جس طرح کہ تولی کفر ہے۔ لیکن یہ قول ضعیف ہے۔ راجح مذہب جمہور علمائے کرام کا ہے کہ تولی کفر ہے اور موالات میں مختلف مراتب ہیں، کبھی کفر کبھی گناہ کبیرہ اور کبھی گناہ صغیرہ ہوتی ہے۔

عدم موالات کی صورتیں:

تعلقات کی بعض قسمیں ایسی ہیں جو موالات اور تولی میں نہیں آتیں: یعنی اس قسم کے تعلقات گناہ نہیں ہیں۔ جیسا کہ امام ابو بکر بن قاسمؒ نے لکھا ہے کہ کافروں کے ساتھ تعلق کی بعض صورتیں موالات میں سے نہیں ہیں، مثلاً: خرید وفروخت، کافر کے ہاں کام کرنا، اس کے ساتھ احسان کرنا، اس کا ہدیہ اور تحفہ قبول کرنا، سلام کا جواب دینا، اس کی بیمار پرسی اور عیادت کرنا، کتابی عورت کے ساتھ نکاح کرنا، ان کے علوم سے استفادہ کرنا (اعتقاد اھل السنۃ للامام ابی بکر بن قاسم الرجبی ص ۵۱)

اس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ پہلی بات کہ کافروں کے ساتھ خرید وفرخت جائز ہے اس کی دلیل بخاری شریف کی حدیث ہے، عبد الرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی روایت سے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک کافر بکریاں لے کر آگیا، آپ ﷺ نے فرمایا: بیعاً امھبۃً؟ بیچنے کے لیے لائے ہو یا ہبہ کرنے کے لیے، اس نے کہا: بیچنے کے لیے، فاشتری منہ شاۃً۔ تو نبی کریم ﷺ نے اس سے ایک بکری خریدی۔ (بخاری کتاب البیوع باب الشرا والبیع مع المشرکین واھل الحرب)

ابن بطالؒ فرماتے ہیں: معاملۃ الکفار جائزۃٌ الا بیع ما یستعین

به اھل الحرب علی المسلمین۔(فتح الباری ص ۴۱۰ جلد) «کافروں کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے مگر ان کو اس چیز کا بیچنا جائز نہیں ہے جس سے وہ مسلمانوں کے خلاف مدد لے سکتے ہوں « دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک یہودی سے تیس وسق جو خریدے تھے اور اپنا زرہ اس کے پاس گروی رکھوایا تھا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں تجارت کے لیے دارالحرب کا سفر کرنا جائز ہے ، رسول اللہ ﷺ کی حیات میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے تجارت کے لیے شام کا سفر کیا تھا اور اس وقت شام دار الحرب تھا ۔(بحوالہ الولا والبرأ لسعید القحطانی ص ۳۰۶)

۲۔ اجارہ یعنی کافر کے ساتھ مزدوری پر کام کرنا جائز ہے۔ اس کی دلیل بخاری شریف کی حدیث ہے خباب رضی اللہ عنہ کی روایت سے وہ فرماتے ہیں : کنت رجلًا قینا فعملت لعاص بن وائل « میں لوہار تھا تو میں نے عاص بن وائل کے لیے کام کیا « فتح الباری میں ہے کہ علمائے کرام دارالحرب میں مشرک کے ساتھ کام کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں مگر ضرورت کے وقت دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے۔ پہلی شرط یہ ہے کہ مزدوری ایسے کام میں ہو گی جو مسلمانوں کے لیے حلال ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ایسے کام میں اس کے ساتھ تعاون اور مزدوری نہیں کرے گا

جس سے مسلمانوں کو ضرر ہو (الولاء والبرأ بحوالہ فتح الباری ۴۰۲ جلد ۴) یہ احناف اور شوافع کا مذہب ہے (وانظر المغنی ص ۵۰۵ جلد ۵) اور اس کی دلیل یہ ہے کہ علی اور کعب بن عجرہ رضی اللہ عنھما نے یہود کے ساتھ کام کیا تھا۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے ساتھ کام کیا تھا۔ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ یہی قول راجح ہے ۔(قرطبی ص ۲۱۵ جلد ۹ بحوالہ فتاوی الدین الخالص ۳۸۰ جلد ۹)

۳۔ تیسری بات کافر کے ساتھ احسان اور اچھا سلوک کرنا : یعنی حربی کافر کے علاوہ دوسرے کافروں کو ہدیہ اور تحفہ دینا اور ان کے ساتھ احسان کرنا جائز ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: لاینھاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین ۔(ممتحنہ ۸) » اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے نہیں روکتے جنہوں نے تمہارے ساتھ جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا کہ تم ان کے ساتھ احسان کرو اور ان کے ساتھ انصاف کرو، بیشک اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے « اسی طرح عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے کافر بھائی کو ریشم کا جوڑا دیا تھا۔

۴۔ چوتھی بات، کافر کے ساتھ صلہ رحمی کرنا: یعنی کفر کی وجہ سے صلہ رحمی کا حق ختم نہیں ہوتا اور نہ ہی یہ صلہ رحمی کرنا موالات میں آتا ہے۔ اللہ تعالی مشرک ماں باپ کے بارے میں فرماتا ہے: وصاحبھما فی الدنیا معروفًا (لقمان ص ۱۵) » یعنی مشرک والدین کے ساتھ دنیا میں اچھا سلوک اور احسان کرو « بخاری اور مسلم شریف میں آتا ہے کہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ تعالی عنھا فرماتی ہیں کہ قریش کے ساتھ جب ہمارا معاہدہ تھا تو میری والدہ میرے پاس آئی تو نبی ﷺ نے مجھے فرمایا: صلی اُمکِ « اپنی ماں کے ساتھ صلہ رحمی کرو»

۵۔ پانچویں بات ،کافروں سے تحفے تحائف وصول کرنا بھی موالات میں نہیں آتا: یعنی کافر سے ہدیہ اور تحفہ قبول کیا جاسکتا ہے ۔ بخاری شریف میں باب ہے «باب قبول الھدیۃ من المشرکین « یہ باب مشرکین سے ہدیہ قبول کرنے کے بارے میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو ایلہ مقام کے بادشاہ نے سفید خچر تحفے میں دیا تھا اور دومۃ الجندل مقام کے اکیدر نے ان کو ریشم کا چوغہ دیا تھا۔ اور مقوقس بادشاہ نے آپ ﷺ کو ماریہ رضی اللہ عنھا بھیجی تھی۔ البتہ اس مسئلے میں تفصیل اور شرائط ہیں۔

۶۔ چھٹی بات کافر کے سلام کا جواب دینا بھی موالات میں نہیں آتا بلکہ جمہور علماء کے نزدیک اس کے سلام کا جواب

دیناواجب ہے بایں الفاظ « وعلیکم «

اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ ایک ہے سلام کرنا یعنی ابتداء بالسلام دوسرا ہے سلام کا جواب دینا۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان کافر پر ابتداءً سلام نہیں کرے گا یعنی سلام میں پہل جائز نہیں ہے اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: لاتبتدؤوا الیھود ولا النصاریٰ با السلام۔ « یہود اور عیسائیوں پر سلام میں پہل مت کرو « اور ابن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ کافر کو سلام کرنا جائز ہے اس لیے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو سلام کیا ہے (سلام علیک) جمہور علماء اس میں ایک توجیہ یہ

کرتے ہیں کہ یہاں سلام سے مراد « سلام المتارکۃ « یعنی بائکاٹ کا سلام ہے۔ اس کے علاوہ اور توجیہات بھی ہیں۔ نخعیؒ فرماتے ہیں کہ جس آدمی کا کسی یہودی کے ساتھ کوئی کام ہو تو وہ اس کو سلام کر سکتا ہے۔ مثلاً اس نے اس کے ساتھ وعدہ کیا ہو یا اس کا ہمسفر ہو یا اس کا پڑوسی ہو۔ اس سے ان دو حدیثوں میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے جن میں سے ایک میں آیا ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کو سلام مت کرو۔ دوسری حدیث میں آتا ہے اسامہ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت سے کہ رسول اللہ ﷺ ایک مجلس میں تشریف لائے جس میں مسلمان، یہود، مشرکین اور عبد اللہ بن ابی بن سلول بیٹھے ہوئے تھے تو آپ ﷺ نے ان کو سلام کیا۔ طبریؒ فرماتے ہیں کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث عام ہے، یعنی عام اوقات میں ان کو سلام مت کرو اور اسامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث خاص ہے (یعنی ضرورت کے وقت سلام کیا جا سکتا ہے)

اوزاعیؒ فرتے ہیں: ان سلمت فقد سلم الصالحون قبلک وان ترکت فقد ترک الصالحون قبلک۔ (قرطبی ص ۱۱۱ جلد ۱۱ ص ۱۱۲ جلد ۱۱) » اگر تم کافر کو سلام کرتے ہو تو تم سے پہلے نیک اور صالح لوگوں نے ان کو سلام کیا ہے اور اگر تم نہیں کرتے تو تم سے پہلے نیک لوگوں نے بھی نہیں کیا «

دوسرا ہے سلام کا جواب دینا، تو اس پر اتفاق ہے کہ اس کے سلام کا جواب دینا جائز ہے البتہ وجوب میں اختلاف ہے۔ جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ اس کے سلام کا جواب دینا واجب ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں ہے، جس طرح کہ بدعتیوں کے سلام کا جواب دینا واجب نہیں۔ لیکن راجح مذہب جمہور کا ہے، اس لیے کہ ہمیں بدعتیوں سے دور رہنے اور ان کو چھوڑنے کا حکم ہوا ہے انہیں سزا دینے کے لیے اور ان کی شر سے خود کو بچانے کے لیے۔ اور ذمیوں میں ایسا نہیں ہے۔ (الولاؤ والبرأ للقحطانی ص ۳۱۱ بحوالہ زاد المعاد ۴۲۵ جلد ۲)

۷۔ ساتویں بات کافر کی بیمار پرسی کرنا بھی موالات میں نہیں آتا، یعنی کافر کی بیمار پرسی جائز ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کی بیمار پرسی کی تھی۔ اسی طرح آپ ﷺ نے ایک یہودی بچے کی بیمار پرسی کی تھی۔ نبی ﷺ نے اپنے چچا کو دعوت اسلام دی مگر وہ اسلام نہیں لایا اور اس یہودی بچے نے اسلام قبول کیا۔

۸۔ آٹھویں بات کافر کو دم کرنا اور اس کا علاج کرنا بھی موالات میں نہیں آتا، جیسا کہ بخاری اور مسلم شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ کافروں کے ایک سربراہ کو بچھو نے کاٹا اور صحابہ کرام نے اس کو سورہ فاتحہ سے دم کیا۔

۹۔ نویں بات کافر کے لیے صحت کی دعا کرنا بھی موالات میں نہیں آتا، یعنی ایک کافر بیمار ہو اور کوئی مسلمان اس کے لیے مصلحت کے تحت صحت کی دعاء کرے، مثلاً یہ کہ وہ ایمان لائے یا اس کا دل نرم ہو جائے تو یہ جائز ہے، اس لیے کہ صحت کی دعا بھی دم کی جنس سے ہے یعنی دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ (المفصل فی شرح آیۃ الولاؤ والبرأ العلی بن نایف ص ۳۲۸)

۱۰۔ دسویں بات کافر کے لیے ہدایت کی دعا کرنا بھی موالات

میں نہیں آتا، البتہ اس کے لیے مغفرت کی دعا کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح اس کی نمازِ جنازہ پڑھنا بھی جائز نہیں ہے اور یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

۱۱۔ گیارھویں بات کافر کی قبر کی زیارت کرنا بھی موالات میں نہیں آتا، یعنی کافر کی قبر پر عبرت حاصل کرنے کے لیے جانا جائز ہے لیکن اس پر سلام کرنا اور اس کے لیے مغفرت کی دعا مانگنا جائز نہیں ہے، جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: استأذنت ربی ان استغفر لأمی فلم یؤذن لی واستأذنتہ ان ازور قبرھا فاذِن لی۔ « میں نے اپنے رب سے اس بات کی اجازت مانگی کہ میں اپنی والدہ کے لیے مغفرت کی دعا مانگوں تو اس نے مجھے اجازت نہیں دی اور میں نے اپنے رب سے اس کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت مانگی تو اس نے مجھے اجازت دے دی «

۱۲۔ بارھویں بات کافر کے ساتھ طبعی اور فطری محبت بھی موالات میں نہیں آتی: یہ بات ذرا تفصیل طلب ہے اس لیے اس کی تھوڑی سی تفصیل پیش خدمت ہے۔

تفصیل: کسی کافر کے ساتھ دلی محبت کی تین قسمیں ہیں: ایک وہ قسم ہے کہ جس سے ایمان ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی کافر کے ساتھ اس کے کفر کی وجہ سے محبت کرنا۔

دوسری قسم وہ ہے جس سے ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔ مثلاً کسی کافر کے ساتھ گناہ کی وجہ سے محبت کرنا اور یہ محبت گناہ کے بقدر گناہ ہو گی، اگر یہ محبت گناہ کبرہ کی وجہ سے ہے تو گناہ کبیرہ ہو گی اور اگر گناہ صغیرہ کی وجہ سے ہے تو گناہ صغیرہ ہو گی۔ اس سے کوئی کافر نہیں ہو جاتا اس لیے کہ ہر زمانے میں مسلمانوں میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی گناہ سے محبت کرتے ہیں لیکن اہل سنت وجماعت میں سے کسی نے بھی ان پر کفر کا فتویٰ نہیں لگایا۔

تیسری قسم وہ محبت ہے جس سے نہ تو ایمان ختم ہو جاتا ہے اور نہ ہی اس میں کمی آجاتی ہے۔ یعنی نہ تو اس سے انسان کافر ہو جاتا ہے اور نہ ہی گناہ گار ہو جاتا ہے اور وہ طبعی محبت ہے اس لیے کہ طبعی محبت مباح اور جائز ہے۔ مثلاً باپ اپنے کافر بیٹے سے محبت کرتا ہے یا بیٹا اپنے کافر والدین سے محبت کرتا ہے یا کوئی شخص اس کافر سے محبت کرتا ہے جس نے اس کے ساتھ کوئی احسان کا معاملہ کیا ہو۔ یا اس کے ساتھ تعاون کرتا ہے، جیسا کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو فرماتے ہیں: انک لاتھدی من احببت۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے چچا سے محبت تھی۔ لیکن فطری محبت میں یہ ضروری ہے کہ اس کے کفر اور گناہ کو برا سمجھتا ہو، اس لیے کہ اس کے کفر اور گناہ کو برا نہ سمجھنا پہلی دو قسموں میں آتا ہے (الولاء والبراء لحاتم بن عارف ص ۲۲)۔

۱۳۔ تیرھویں بات کتابیہ عورت سے نکاح کرنا بھی موالات میں نہیں آتا۔ جیسا کہ سورہ مائدہ آیت نمبر ۵ میں اللہ تعالی فرماتا ہے: والمحصنات من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم۔ امام ابو حنیفہؒ نے محصنات کے معنی پاکدامن سے کیے ہیں آزاد عورت ہو یا باندی، حربیہ ہو یا ذمیہ۔ اور امام شافعیؒ معنی کرتے ہیں آزاد عورت، تو کتابیہ باندی سے نکاح جائز ہے۔ (احسن الکلام للشیخ عبد السلام سورۃ مائدہ ۵)

۱۴۔ چودھویں بات کافروں کے علوم سے استفادہ کرنا بھی موالات میں نہیں آتا۔ مثلاً طب، صنعت وغیرہ، ان سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ بخاری شریف کتاب الاجارہ میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن اریقط کو رہبری کی اجرت دی تھی۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کافر سے طب، علاج معالجہ اور حساب وغیرہ میں رجوع کرنا جائز ہے۔ کسی کے کافر ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی بھی کام میں اس پر اعتماد نہ کیا جائے اس لیے کہ راستہ دکھانے سے خطرناک کوئی اور کام نہیں ہو سکتا، بالخصوص ہجرت کے موقع پر (الولاء والبراء للقحطانی ص ۳۱۳ بحوالہ بدائع الفوائد ص

۲۰۸ ج ۳)

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے یہود سے استفادہ کیا تھا۔ آپ ﷺ نے خیبر کی زمین یہود کو زراعت کے لیے دی تھی کہ تم اس میں کام کرو اور اس کی آدھی پیداوار تمہاری ہو گی (بخاری کتاب المزارعۃ ص ۲۳۳۱) البتہ کسی کافر کو قیادت نہیں سونپی جاسکتی، اسے راز دار نہیں بنایا جاسکتا، اسے آفس میں نوکری نہیں دی جاسکتی ۔ مسند احمد میں صحیح سند کے ساتھ روایت ہے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: ان لی کاتباً نصرانیاً۔ « میرا ایک نصرانی منشی ہے » تو عمر رضی اللہ عنہ نے مجھے کہا : مالک قاتلک اللہ۔ تجھے کیا ہوا؟ اللہ تجھے ہلاک کرے ! اللہ تعالی فرماتا ہے: لا تتخذو الیھود والنصاریٰ اولیاً مائدہ ایت ۵۱ « یہود اور نصاری کو دوست مت بناؤ » میں نے کہا: میرے لیے اس کی کتابت ہے اور دین اس کا اپنا معاملہ ہے۔ انہوں نے فرمایا: لا اکرمھم اذا اھانھم اللہ ولا اعزھم اذا اذلھم اللہ ولا ادنیھم اذا اقصاھم اللہ « جب اللہ نے ان کو ذلیل کیا ہے تو میں ان کا احترام نہیں کروں گا اور نہ ہی میں ان کی عزت کروں گے « اور نہ ہی میں ان کو قریب کروں گا جبکہ اللہ نے انہیں دور کیا ہے۔ بہر حال انفرادی اور شخصی طور پر ان سے خدمت لی جاسکتی ہے لیکن ایسی خدمت ان سے نہیں لی جاسکتی ہے جس میں وہ مسلمانوں کی قیادت کریں اس لیے کہ شریعت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اللہ کلمہ سربلند اور کفر کا کلمہ سرنگوں ہو گا۔

اظہارِ عداوت اور وجود عداوت میں فرق:

اسی طرح اظہارِ عداوت اور وجودِ عداوت میں فرق ہے۔ اگر ایک بندہ خوف یا کمزوری کی وجہ سے اظہارِ عداوت نہ کرے تو وہ معذور ہے، (یعنی کافروں کے ساتھ اپنی دشمنی ظاہر نہ کرے تو وہ معذور ہے) تو اظہارِ عداوت ہر وقت ضروری نہیں ہے اور وجودِ عداوت ہر وقت ضروری ہے ۔ (یعنی کافروں کے ساتھ دل میں دشمنی رکھنا ہر وقت ضروری ہے) اس لیے کہ وجود عداوت کفر بالطاغوت میں داخل ہے اور کفر بالطاغوت اور حب خدا اور حب رسول ﷺ میں تلازم کلی ہے یعنی ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں اور یہ مؤمن سے الگ نہیں ہوسکتے۔ (دوستی اور دشمنی ص: ۳۱۳ بحوالہ الرسائل المفیدہ للشیخ عبد اللطیف ص ۲۸۴)

حاصل وخلاصہ یہ ہوا کہ ایک آدمی ایسی جگہ رہ رہا ہو جہاں کافروں کا زور ہو اور وہ کمزور ہو اور ان سے ڈر کی وجہ سے ان سے دشمنی کا اظہار نہ کرے تو یہ معذور ہے لیکن دل میں دشمنی رکھنا ضروری ہے ۔

اسی طرح حافظ بن کثیرؒ سورۃ آل عمران کی ایت نمبر اٹھائیس کی تفسیر میں فرماتے ہیں: (**الا ان تتقوا منھم تقاۃً**) اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی زمان یا مکان میں کافروں کی شر سے ڈرتا ہو تو اس کے لیے جائز ہے کہ بظاہر اور وقتی طور پر ان کی شر سے بچنے کی خاطر ان کے ساتھ ظاہری تعلق رکھے لیکن یہ تعلق دل سے نہ ہو۔ جیسا کہ ابو درداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: انا لنکشر فی وجوہ اقوامٍ وقلوبنا تلعنھم ۔ (بخاری کتاب الادب باب المداراۃ مع الناس) « بعض (ظالم اور فاسق) لوگوں کے سامنے ہم ہنستے ہیں حالانکہ ہمارے دِل ان پر لعنت بھیج رہے ہوتے ہیں اور وہ سلف سے نقل کرتے ہیں کہ تقیہ زبان سے ہوتا ہے عمل سے نہیں ہوتا «۔ (ابن کثیر: ص ۳۵۸ ج ۱)

مدارات اور مداہنت:

اسی طرح مدارات اور مداہنت میں فرق ہے۔ مدارات جائز بلکہ کبھی کبھار مستحب ہوتی ہے جبکہ مداہنت حرام اور ناجائز ہے۔ دونوں میں فرق ذکر کرتے ہوئے امام قرطبی اور قاضی ؒ فرماتے ہیں: ان المدارات بذل الدنیا لصلاح الدنیا اوالدین او ھما معًا۔ « (مدارات دنیا کا استعمال دنیوی مفاد کے لیے یا دین کے فائدے کے لیے یا دونوں کے فائدے کے لیے »

اور مداہنت: ترک الدین لصلاح الدنیا» دنیوی مفاد کے لیے دین چھوڑنا « عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے ملنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بڑا نکما اور برا آدمی ہے ، جب اندر آیا تو آپ ﷺ نے اس سے نرمی کے ساتھ گفتگو فرئی۔ اس کو مدارات کہا جاتا ہے نبی ﷺ نے اس شخص کے ساتھ اچھے اخلاق اور نرم مزاجی کا مظاہرہ کیا (فتح الباری ص ۴۰۴ جلد ۱۰)

ابن بطال ؒ فرماتے ہیں : کہ مدارات مسلمان کی صفت اور خوبی ہے اور مدارات کی تعریف ہے: الرفق باالجاھل فی التعلیم وباالفاسق فی النھی عن فعلہ وترک الاغلاظ علیہ « جاہل کے ساتھ تعلیم میں نرمی کرنا اور فاسق کو فسق سے منع کرنے میں نرمی کرنا اور سختی نہ کرنا « اور مداہنت کی تعریف ہے: معاشرۃ الفاسق واظھار الرضا بماھو فیہ من غیر انکارٍ علیہ۔ (فتح الباری ص ۵۲۸ جلد ۱۰)» فاسق کے ساتھ رہنا اور اس کے فسق پر رضا کا اظہار کرنا اور اس کا رد نہ کرنا»۔

بقیہ صفحہ نمبر: ۱۳۶

وہ قدر آپ کھو رہے ہیں۔ یا تو آپ اپنی منہج سے کوسوں دور ہو گئے ہو یا پھر ہوتے جارہے ہیں اور یا پھر ایسے ہی ٹارگٹ کیے جائیں گے۔ اب بھی وقت ہے کہ اس ظالمانہ کفری جمہوری نظام سے عملاً بائیکاٹ کر کے شریعت الٰہی کیلئے اپنا کردار ادا کریں۔

اے اللہ! تمام حق پرست علماء کی حفاظت فرما۔ آمین یارب العٰلمین۔

شیخ عبد الرحمن حفظہ اللہ

پاکستان کو کس نظام کی ضرورت ہے؟

[إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ]

کسی بھی ملک میں اہم ترین چیز اُس ملک کا نظام ہوتا ہے، کہ وہ نظام وہاں رہنے والے انسانوں کے مال، جان اور عزت کا کتنا محافظ ہے؟ یعنی اگر وہ نظام نافذ ہو جائے تو اس میں انسانوں کا مال کتنا محفوظ ہو گا، اُن کی جان کی کتنی قدر و قیمت ہو گی اور اُن کی عزت و آبرو کی حفاظت کس قدر ہو گی۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اس نظام پر عمل درآمد کتنا ہوتا ہے؟ اور نظام نافذ کرنے والے کس قسم کے لوگ ہیں؟ یہ نہیں کہ صرف نظام ہو اور اس پر عمل کرانے والے (یعنی حکمران طبقہ) اس پر عمل کرانے میں مخلص نہ ہوں، بلکہ وہ خود اس نظام کو ذہنی طور پر تسلیم نہ کرتے ہوں یا کسی کے دباؤ میں آکر نافذ نہ کر سکتے ہوں یا خود مجرمانہ اَفعال میں مُلوّث ہونے کی وجہ سے اُسے نافذ العمل ہونے نہ دیتے ہوں۔

چنانچہ جب ہم دنیا میں موجود تمام نظاموں کا تقابل اور موازنہ کرتے ہیں تو یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ کسی بھی ملک میں اُس کے باشندوں کے مال، جان اور آبرو کی حفاظت کے لیے دنیا میں موجود تمام نظاموں میں سب سے بہتر نظام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خود بنایا، جو ہر دَور میں اِنسان کے لیے نہ صرف یہ کہ قابل عمل ہے، بلکہ ایک مہذّب معاشرہ کو تشکیل دینے کا سو فیصد ضامن ہے، چونکہ اِنسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اللہ تعالیٰ ہی انسان کی طبعی خصلت سے پوری طرح آگاہ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ ہی انسانوں کے آپس میں رہن سہن، آپس میں معاملہ کرنے اور بد معاملہ گی کی صورت میں ایک مناسب قانون بنانے کا زیادہ لائق ہے۔

اِس کو ایک مثال سے یوں سمجھئے کہ عام مشاہدہ ہے کہ دنیا میں کسی بھی نئی ایجاد کا ظاہری موجد اپنی ایجاد کردہ چیز کے استعمال کے لیے کچھ اُصول وضوابط بناتا ہے، اور غلط کارکردگی کی صورت میں اس کی درستگی کا طریقہ متعین کرتا ہے، پھر اُن اُصول کو ایک کتابچہ کی شکل میں ہر پیس کے ساتھ منسلک کر کے آگے فروخت کرتا ہے، تاکہ اس کے استعمال کرنے یا اس کی خرابی کی صورت میں ٹھیک کرنے اور خصوصاً اُس کے ضَرر سے بچنے میں وہ اُصول کار آمد ہوں۔ اب کوئی شخص اُن اُصول سے ہٹ کر اپنی سمجھ کے مطابق اُسے استعمال کرتا ہے تو ممکن ہے ٹھیک چلے، لیکن زیادہ قرینِ قیاس یہ ہے کہ اپنی سمجھ کے مطابق چلانا یا تو خود اُس چیز کی یا استعمال کرنے والے کی ہلاکت کا سبب بنے گا۔

ٹھیک اسی طرح جب اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا تو اس کے درست چلنے کے اُصول اور بد چلنی کی صورت میں درستگی کا طریقہ اور اس کے ضرر سے بچنے کے لیے کچھ ضوابط مقرر فرمائے ہیں، تاکہ تمام مخلوق خصوصاً انسانوں کی جان، مال، عزت، دین اور حقوق کی حفاظت ہو، اور اِن اُصول وضوابط کو ایک کتاب (قرآن کریم) کی شکل میں انسانوں کو عطا کیا کہ اِن پر عمل کرنا، ورنہ بصورتِ دیگر تمہاری ہلاکت ہے۔ یا تو دنیا وآخرت دونوں میں، یا ظاہراً دنیا میں تو نہیں لیکن آخرت میں ہلاکت یقینی ہے۔ (اور اللہ تعالیٰ کے اس کتاب یعنی قرآن میں درج قواعد وضوابط مسلمانوں کے ہاں "شریعت" کے نام سے موسوم ہیں)

خالقِ کائنات کے بنائے ہوئے نظام کی موجودگی میں کسی مخلوق کا بنایا ہوا ناقص نظام (جمہوریت) اپنا کر نافذ کرنا پَرلے درجے کی حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے نظام (شریعت) پر کسی بھی نظام کو ترجیح دینا نہ صرف یہ کہ

صریح کفر ہے، بلکہ عذابِ خداوندی کو دعوت دینا ہے، اور یہ آئے دِن مختلف قسم کے مصائب مثلاً سیلاب، زلزلے، بد اَمنی، بجلی کی لوڈ شیڈنگ اور مہنگائی وغیرہ در حقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ ہے، ورنہ قدرتی وسائل سے مالا مال ایک ایٹمی طاقت اتنے بُحرانوں میں گھرا ہوا ہونا اسی بات کی غمازی کرتا ہے کہ مسلمانوں کے گناہوں کے سبب اللہ تعالیٰ کا عذاب اس پر مسلّط ہے۔ اور سب سے بڑھ کر گناہ بلکہ کفر اللہ تعالیٰ کے قانون (شریعت) کو پسِ پُشت ڈال کر اُس کی جگہ غیر اللہ کا قانون (جمہوریت) نافذ کرنا ہے، اور پھر اپنے کفر سے توبہ کر کے اپنے کیے پر نادم ہونے کے بجائے انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ شریعت چاہنے والوں کی بیخ کنی کے لیے پوری حکومت کا متفق ہونا اور اس کے خلاف کسی کی آواز تک نہ اُٹھانا۔

رہی دوسری بات کہ ملک کے نظام پر عمل درآمد کتنا ہوتا ہے؟ اور نظام نافذ کرنے والے کس قسم کے لوگ ہیں؟ یہ تو سب جانتے ہیں کہ کسی بھی نظام کو نافذ کرنے کے لیے مضبوط اَعصاب والے افراد کی ضرورت ہوتی ہے، یہ نہ ہو کہ صرف ایک فون کال پر اپنی سابقہ پالیسی پر نہ صرف یوٹرن لے، بلکہ "مدعی سست، گواہ چست" کا مصداق بنتے ہوئے آرڈر دیے بغیر بھی کاسہ لیسی کا کوئی دقیقہ ہاتھ سے جانے نہ دے، اور معاملہ یہاں تک پہنچے کہ اُن کے کتے کے بھونکنے پر بھی یس سر (yes sir, yes sir, yes sir) کی گردان لگائے۔ ایک کال پر جیتی ہوئی جنگ (کارگل) دشمن کی جھولی میں ڈال دے۔ اپنے شہریوں کے قاتل (ریمنڈ ڈیوس) کو اقتدار کو طول دینے کی

خاطر باعزت رہائی دے۔ اُمتِ مسلمہ کے محسنین (مجاہدین) کو چند ڈالر کے عوض فروخت کرے۔ تو ایسے لوگوں سے سوائے ذلت کے اور کس چیز کی توقع رکھی جاسکتی ہے؟۔

اس لیے میں کہتا ہوں کہ شیر دِل صفت اَفراد ہی نظام کو مِن و عَن نافذ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اور ایسے افراد موجود دھرتی پر صرف اور صرف وہ لوگ ہیں جنہوں نے مختصر سے عرصے میں دو سپر پاؤر ملکوں اوران کے اتحادیوں کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کرنے اور ایک ایٹمی طاقت رکھنے والے ملک کو ناکوں چنے چبانے پر مجبور کیا، جنہیں دنیا طالبان کے نام سے جانتی ہے۔

لہٰذا ملک کے تمام غیور عوام بالخصوص اسلام سے محبت رکھنے والے افراد سے گزارش ہے کہ وہ اُن لوگوں کے شانہ بشانہ کھڑے ہوں جنہوں نے پکا عزم کر رکھا ہے کہ وہ اِس طاغوتی نظام [جمہوریت] کے بُت کو توڑ کر نظامِ مصطفٰی نافذ کر کے ہی دم لیں گے۔

کیا دستورِ پاکستان اسلامی ہے؟

حکیم ظاہر مدنی

سرزمینِ پاکستان جسے تقریباً ساٹھ سال قبل لاکھوں مسلمانوں کی قربانیوں کے عوض حاصل کیا گیا تھا کہ اسے اسلام کا قلعہ بنایا جائے گا، آج نہ صرف اسلام، نظامِ خلافت اور نفاذِ شریعت سے محروم ہے بلکہ دینِ اسلام اور نفاذِ شریعت کے خلاف برسرِپیکار بھی ہے، آج پوری ریاستِ پاکستان مجاہدینِ عالم کے خلاف طاغوتِ اکبر امریکا کی فرنٹ لائن اتحادی ہے۔ وہ شے جسے آج تک اسلامی تشخص کا نام دیا جاتا رہا سوائے فریب کے اور کچھ نہیں، وہ ریاست جسے واحد اسلامی ریاست کہا گیا انہی بنیادوں پر قائم ہے جو مغربی تصورِ ریاست کی فراہم کردہ ہے، وہ دستور جس کے ذریعے اس ریاست کو کلمہ پڑھایا گیا خود اسلام سے متصادم اور نفاذِ شریعت کی راہ میں حائل ہے۔

پاکستان میں بسنے والے اہلِ ایمان بالخصوص علمائے دین اور سنجیدہ طبقوں کو اپنی جد جہد کو صحیح رُخ دینے اور حق کے آئینے میں اپنے فرائض کا تعین کرنے کے لیے ان وجوہات پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔

پاکستان کے دستور اور نظامِ حکومت سے متعلق ایک اہم اشکال

پاکستان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کا نظامِ حکومت دیگر مسلم ممالک میں قائم نظام ہائے حکومت سے قدرے مختلف ہے، کیونکہ پاکستان کا دستور صحیح اسلامی اساس پر قائم ہے اور دستور عامۃ المسلمین کو اپنے نمائندے چننے اور شریعت کی روشنی میں اپنے حکام کا محاسبہ کرنے کی مکمل آزادی فراہم کرتا ہے، سو مسئلہ دستور یا نظام کا نہیں بلکہ اُس فاسد حکمران طبقے کا ہے جو کبھی بزورِ قوت اور کبھی دیگر ہتھکنڈے استعمال کرتے ہوئے اقتدار پر قابض رہتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر پاکستانی نظامِ حکومت واقعۃً اسلامی بنیادوں پر قائم ہے تو پھر اس سے اس قدر فساد و بگاڑ اور مغرب کی اندھی غلامی کیونکر پیدا ہو رہی ہے؟ اس کا نظامِ تعلیم اس قدر مہلک اور تباہ کن کیوں ہے؟ آخر کیوں اس نظامِ تعلیم سے ایسی نسلیں تیار ہو رہی ہیں جو اسلام سے جذباتی وابستگی رکھنے کے باوجود قول و عمل میں مکمل طور پر مغربی ثقافت اختیار کر چکی ہیں؟ اگر پاکستان کا نظام واقعۃً اسلامی بنیادوں پر قائم ہے تو پاکستان کی فوج کے لئے امریکی غلامی کو اپنے گلے کا ہار بنانا کیسے ممکن ہو پایا ہے؟ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ پاکستانی نظام اسلامی بنیادوں پر قائم ہو اور پھر بھی « دہشت گردی کے خلاف » جنگ کے نام پر جاری اسلام کے خلاف جنگ میں پاکستان امریکا کا سب سے بڑا اتحادی بن جائے؟

درج ذیل سطور میں ہم (ان شاء اللہ) اللہ کے حکم سے اس اشکال کا جواب واضح کریں گے اور یہ بھی واضح کریں گے کہ مسئلہ محض حکمران طبقے کا نہیں بلکہ پاکستان کا دستور اور ریاست بھی غیر اسلامی ہے۔

قومی ریاست کا مغربی تصور

مغرب کا سیاسی نظام « وطنی و قومی ریاست » (nation state) کے نظریہ پر قائم ہے اور اس نظریہ پر قائم ہونے والی ریاست کی تمام تر دوڑ دھوپ کا محور اپنے وطن میں بسنے والی قوم کے مفادات کا تحفظ اور اس کے لئے زیادہ سے زیادہ دنیاوی فوائد اور منافع کا حصول ہوتا ہے۔ یہ وطنی ریاست عوامی اکثریت کی رائے کے سوا کسی اصول و عقیدہ اور اخلاق و اقدار کی پابند نہیں ہوتی، چیزوں کو حلال و حرام قرار دینے سمیت ہر قسم کی قانون سازی کثرتِ رائے کی بنیاد پر کرتی

ہے اور وطنیت ہی کو بنیاد بناتے ہوئے انسانوں میں تفریق روا رکھتی ہے۔

« خلافت » کا اسلامی تصور اور اس کی بنیادیں

مغرب کا عطاء کردہ سیاسی نظام اسلام کے سیاسی نظام سے یکسر مختلف اور اصولی اعتبار سے اس سے متصادم ہے، اسلام کا عطاء کردہ نظامِ خلافت جن عقائد و تصورات پر کھڑا ہوتا ہے ان کا ایک مختصر سا تذکرہ ذیل کی سطور میں کیا جارہا ہے۔

(۱) عقیدہء توحید:

اسلام کا عطاء کردہ نظامِ حکمرانی توحید کے الہامی عقیدے پر مبنی ہے۔

(۲) غیر اللہ کی بندگی سے آزادی:

اسلام کا عطاء کردہ نظام اس اصول پر قائم ہے کہ انسان کو انسان کی غلامی و بندگی، بلکہ اللہ کے سواء ہر ہستی کی غلامی سے آزاد کرایا جائے۔

(۳) تنہاء ایک اللہ کی طرف یکسوئی:

اسلام کے عطاء کردہ نظام کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ بندگی کی ہر صورت اللہ ہی کے لئے خاص کی جائے، جس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ محبت کا محور بھی محض اللہ رب العزت کی ذات ہو اور اللہ ہی کے سامنے مکمل عاجزی و ذلت اختیار کی جائے۔

(۴) خلافت و نیابت نہ کہ حاکمیت:

اسلام کے عطاء کردہ نظام کی اساس اس بات پر قائم ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو زمین پر خلیفہ اور نائب کی حیثیت دی ہے نہ کہ حاکمِ حقیقی کی۔

(۵) مقصدِ زندگی، عبادتِ رب کے ذریعے اخروی کامیابی کا حصول:

اسلام کا عطاء کردہ نظام اس عقیدے پر کھڑا ہے کہ انسان بنیادی طور پر اپنے رب کی عبادت اور بندگی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔

(۶) محاسبہ کرنے والی اصل ذات..... اللہ رب العالمین:

اسلام کا عطاء کردہ نظام اس احساس پر قائم ہوتا ہے کہ اللہ رب العالمین انسان کی تمام حرکات و سکنات اور ارادہ اور نیتوں کا جائزہ لے رہے ہیں، سو اگر انسان دنیا میں انسانوں کی قائم کردہ عدالتوں کی گرفت اور سزاء سے بچ بھی نکلے تو آخرت میں اللہ کی عدالت کے فیصلے اور اس کی سزاء سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔

(۷) امتِ مسلمہ کی اساسی ذمہ داری « دعوتِ دین کا ابلاغ »:

اسی طرح اسلام کا عطاء کردہ نظام اس فہم پر مبنی ہوتا ہے کہ اللہ کے دین کی دعوت لوگوں تک پہنچانا اور ان پر حجت تمام کرنا اس امت کی ذمہ داری ہے۔

(۸) دعوت پھیلانے اور فتنہ مٹانے کے لئے « جہاد و قتال »:

اسلام کے عطاء کردہ نظام کے پیچھے یہ تصور بھی کار فرما ہے کہ امت مسلمہ کا فرض ہے کہ وہ رب کا پیغام انسانوں تک پہنچائے اور اللہ کے کلمے کی سربلندی کے لئے « جہاد و قتال » کرے یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین پورا کا پورا اللہ ہی کے لئے خالص ہو جائے، کفر کی حکومت ختم ہو جائے اور اسلام ہی کی حکومت باقی رہے۔

(۹) حاکمیتِ شریعت، عدل، شوریٰ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے اسلامی اصول:

امتِ مسلمہ شریعتِ الٰہیہ کی حاکمیت کے سنہری اصول پر مبنی نظامِ حکومت قائم کرتی ہے اور عدل و انصاف کے قیام، شوریٰ کے اسلامی تصور پر عمل در آمد اور فریضۂ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی بجا آوری کے ذریعے اپنے رب کی عبادت کرتی ہے اور جب شریعت پر عمل کیا جانے لگے تو اللہ تعالی اس کے سبب دنیا میں بھی برکتیں نازل فرماتے ہیں۔

(۱۰)وطنی اور قومی تعصبات سے آزادی:

اسلام کا عطاء کردہ سیاسی نظام (نظامِ خلافت) انسانیت کے سامنے ایک ایسی اعلیٰ مثال پیش کرتا ہے جہاں ہر قسم کی وطنی نسبتوں اور جغرافیائی حدود سے بالاتر ہو کر تمام اہلِ ایمان کے درمیان ایمانی اخوت کی بنیاد پر مساوات کے رشتے قائم ہوتے ہیں۔

(۱۱)عزت کا معیار.....ایمان، تقویٰ اور عملِ صالح:

یہ نظامِ خلافت اگر لوگوں کے درمیان کوئی تفریق روا رکھتا ہے تو محض ان کے ایمان، تقویٰ اور عملِ صالح کی بنیاد پر.....نہ کہ کسی ملک کی شہریت یا « ریاست « نامی کسی بُت سے وفاداری کی بنیاد پر۔

(۱۲)فیصلوں کا مأخذ: شریعتِ الٰہیہ نہ کہ کثرتِ رائے:

خلافت کے اس نظام میں فیصلوں کے لئے اللہ کی نازل کردہ شریعت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے نہ کہ غالب اکثریت کی رائے کی طرف۔

دستورِ پاکستان کا اصل مقصد، بین الاقوامی نظام کے تابع مغربی طرز کی ریاست کا قیام

اس دستور کے لکھنے والوں کے پیشِ نظر کسی اسلامی حکومت یا شرعی نظام کا قیام نہ تھا بلکہ یہ دستور تو لکھا ہی اس لئے گیا تھا کہ اس کے ذریعے مغربی طرزِ حکمرانی پر عمل پیرا ایک ایسی ریاست قائم ہو جو اسلام دشمن « بین الاقوامی نظام « میں ضم ہو سکے، وہ بین الاقوامی نظام کہ جسے صلیبی قوتوں نے دوسری جنگِ عظیم کے بعد اس غرض سے قائم کیا تھا کہ وہ پوری دنیا کے انسانوں کو ان کا تابعِ فرماں بنائے اور ان کے مفادات کا پوری طرح تحفظ کرے، یہ ہی وہ باطل بین الاقوامی نظام ہے جس نے امتِ مسلمہ سے فلسطین چھینا اور یہ ہی نظام آج تک آزادئ کشمیر کی راہ میں رکاوٹ بنا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ دستور کچھ ایسے مکر و فریب کے انداز میں لکھا گیا ہے کہ مسلم عوام سے شریعت کے نفاذ کا وعدہ بھی ہو جائے، لیکن وہ وعدہ کبھی وفا بھی نہ ہو سکے۔

دستورِ پاکستان اور شریعتِ اسلامی کے مابین تضادات

پہلا تضاد: حاکمیت کا حق؟

شریعتِ مطہرہ کا ایک مسلمہ اصول یہ ہے کہ شریعت کی مخالفت کو قانون کی شکل دینا کفر ہے اگرچہ وہ مخالفت بذاتِ خود صرف فسق ہی ہو، تمام علمائے اسلام کے نزدیک یہ بات ایک ثابت شدہ حکمِ شریعت ہے کہ کسی ایسے کام کو حلال قرار دینا جس کے حرام ہونے پر اجماع ہو یا کسی ایسے کام کو حرام قرار دینا جس کے حلال ہونے پر اجماع ہو یا اجماع سے ثابت شدہ شریعت کے کسی حکم کو تبدیل کر ڈالنا کفر ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے کہ شراب یا زنا یا چوری یا لوگوں کے درمیان اللہ کی نازل کردہ شریعت سے ہٹ کر فیصلے کرنا حلال ہے تو اس نے کفر کیا۔

اسی طرح جو شخص یہ کہے کہ قانون سازی کا حق صرف اللہ وحدہ لاشریک کے لئے خاص نہیں بلکہ یہ حق پارلیمان کی دو تہائی اکثریت کو یا کسی اور کو بھی حاصل ہے تو اس نے بھی کفر کیا، اگرچہ اس نے عملاً کبھی بھی شریعت کے مخالف قانون سازی نہ کی ہو، اسی طرح جو شخص ایسے قوانین بنائے جو شریعت سے متصادم ہوں یا جو شریعت سے بالاتر فیصلے کرنے کا اختیار دیں یا شرعی احکام رد کرنے یا ان پر نظرِ ثانی کرنے کا حق دیں تو یہ شخص بھی کافر ہے۔

اسلام میں حاکمیت اور قانون سازی کا حق

اسلام میں حاکمیت اور قانون سازی محض اللہ تعالیٰ کا حق ہے، قانون سازی کو محض اللہ تعالیٰ ہی کا حق سمجھنا اسلامی عقیدے کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے جو کہ قرآن کی متعدد آیات سے ثابت ہے۔

پاکستان میں قانون سازی کا حق

پاکستان میں قانون سازی کا مطلق حق پارلیمانی اکثریت کو حاصل ہے، دستورِ پاکستان جو کہ بقول ان کے ابو القوانین

ہے، اس میں یہ بات پوری وضاحت اور قطعیت کے ساتھ درج ہے کہ دستور میں ترمیم کرنے اور نئے قوانین صادر کرنے کا حق نمائندگانِ پارلیمان کی غالب اکثریت کے سوا کسی کو حاصل نہیں، لہٰذا دستور کے عطاء کردہ حق کے مطابق اگر یہ لوگ چاہیں تو پاکستان کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان رکھ دیں اور اگر یہی لوگ چاہیں تو دو تہائی اکثریت کے ساتھ اس کا نام تبدیل کر کے امریکی جمہوریہ پاکستان یا مسیحی جمہوریہ پاکستان رکھ دیں، اس طرح اگر نمائندگانِ پارلیمان چاہیں تو وفاقی شرعی عدالت قائم کر دیں اور اگر چاہیں تو وفاقی غیر شرعی عدالت قائم کر دیں، ان کو مکمل حق حاصل ہے، اسی طرح اگر یہ چاہیں تو دستور کو مکمل تبدیل کر کے اس میں سے وہ مواد بھی حذف کر دیں جس کی بناء پر دستورِ پاکستان یا ریاستِ پاکستان کے اسلامی ہونے کا شبہ پیدا ہوتا ہے، یہ ان کا حق ہے جس کی ضمانت خود دستور انہیں فراہم کرتا ہے۔

دستور کی دفعہ ۱۳۸ اور ۱۳۹

دستور کی دفعہ ۱۳۸ واضح طور پر بیان کرتی ہے کہ پارلیمان کو دستور میں ترمیم کا حق حاصل ہے، جبکہ دفعہ ۱۳۹ میں آئینی ترمیم کے لئے دو تہائی اکثریت کی شرط لگائی گئی ہے، اس کے علاوہ اس دفعہ کے تحت پانچویں اور چھٹے بند میں دو انتہائی اہم باتیں نصاً مذکور ہیں:

۱. پہلی بات یہ کہ کسی بھی آئینی ترمیم کے خلاف کسی سطح کی عدالت میں کسی بنیاد پر بھی اعتراض کرنا ممکن نہیں۔

۲. دوسری بات یہ کہ ہر قسم کے شک کو رفع کرنے کے لئے یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ مجلسِ شوریٰ (پارلیمان) کو دستور کی دفعات میں ترمیم کا لا محدود حق حاصل ہے۔

دستورِ پاکستان میں موجود خلافِ شریعت قوانین کی چند مثالیں:

دوسرا تضاد: بعض اشخاص اور ادارے ہر قسم کے محاکمے اور محاسبے سے بالاتر ہیں

دستورِ پاکستان کی وہ دفعات جو بعض شخصیات کو محاکمے اور محاسبے سے بالاتر قرار دیتی ہیں:

دفعہ ۴۸

دستورِ پاکستان کی دفعہ ۴۸ یہ کہتی ہے کہ اپنے فرائض اور دیگر امور کی انجام دہی میں صدرِ پاکستان کو کابینہ یا وزیر اعظم کے مشورے کے مطابق عمل کرنا ہو گا۔

پھر اسی دفعہ کی دوسری شق میں یہ تفصیل بیان کی گئی ہے کہ پہلی شق میں بیان کردہ اصول کے باوجود جن امور میں صدر کو اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرنے کا حق حاصل ہے وہاں وہ اپنی صوابدید کے مطابق عمل کرے گا اور جو کام صدر نے اپنی صوابدید پر کئے ہوں ان پر کسی بھی وجہ سے خواہ کچھ بھی ہو اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔

پھر اسی دفعہ کی چوتھی شق میں یہ تفصیل بھی ملتی ہے کہ کسی قسم کی عدالت، ٹریبونل یا کوئی اور مجاز ادارہ یہ تفتیش کرنے کا حق نہیں رکھتا کہ کابینہ، وزیر اعظم، کسی وزیر یا وزیرِ مملکت نے صدر کو مشورہ دیا تھا یا نہیں اور اگر دیا تھا تو کیا دیا تھا۔

گویا اگر صدرِ پاکستان فوج کو یہ حکم دے کہ قبائل پر حملہ کر کے انہیں روندھ ڈالو یا اپنے خفیہ اداروں کو یہ حکم دے کہ ایسی تمام معلومات امریکہ کے حوالے کر دی جائیں جو انہیں افغانستان پر حملے یا عرب و غیر عرب مجاہدین کو گرفتار کرنے کے لئے درکار ہیں یا اسی طرح انہیں حکم دے کہ گرفتار شدہ مجاہدین امریکہ کے حوالے کر دو.....

تو اسے یہ سب احکامات صادر کرنے کا اختیار حاصل ہے، پھر اگر کوئی وزیرِ صدر کو یہ نصیحت کرے کہ یہ تمام کام اسلام، اخلاق اور مروت کے منافی ہیں اور ان کے نتیجے میں پاکستان مصائب کا شکار ہو گا، لیکن پھر بھی صدر ان تمام جرائم کو نافذ کرنے پر مصر رہے تو نہ اس سے پوچھ گچھ ممکن ہے نہ ہی اس کے خلاف یہ حجت قائم کرنا ممکن ہے کہ اس پر جرم اچھی طرح واضح کر دیا گیا تھا پھر بھی اس نے اس کا ارتکاب کیا۔

دفعہ ۱۴۸:

آئینِ پاکستان کی دفعہ ۱۴۸ صدرِ پاکستان، وزیر اعظم، صوبوں کے گورنرز، وزرائے اعلیٰ اور وفاقی اور صوبائی وزراء کے ان تمام افعال کو مطلق طور پر ہر قسم کی عدالتی جوابدہی سے مستثنیٰ قرار دیتی ہے، جو انہوں نے اپنے فرائض کی انجام دہی کے دوران کئے ہوں، بالخصوص صدر اور گورنرز کے خلاف نہ تو کسی قسم کی قانونی کارروائی کی جاسکتی ہے نہ ہی ان کی گرفتاری کے حکم نامے جاری ہو سکتے ہیں اور نہ ہی ان کی کسی شرعی اور غیر شرعی عدالت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ صدارت و گورنری کے دوران انہیں عدالت میں طلب کرے۔

دستور میں یہ بات تو درج ہے کہ مذکورہ اشخاص اپنے فرائضِ منصبی کی انجام دہی کے دوران جو افعال بھی کریں ان کے بارے میں پوچھ گچھ نہیں کی جاسکتی..... لیکن ایسی کوئی شرط مذکور نہیں کہ ان افعال کا شریعت کے موافق ہونا لازم ہے یا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب بھی فوج کا کوئی سربراہ حکومت کا تختہ الٹتا ہے تو ایمرجنسی نافذ کر کے اپنی مرضی کے قوانین، احکام اور ضابطے صادر کرتا ہے پھر یہ مرحلہ گزرنے کے بعد وہ مختلف شیطانی حیلے استعمال کر کے پارلیمان سے ان تمام کرتوتوں پر عام معافی حاصل کر لیتا ہے جو اس سے ایمرجنسی کے دوران صادر ہوئیں اور یہ عام معافی اسے ہر قسم کی عدالتی کارروائی سے مکمل تحفظ فراہم کرتی ہے۔

دفعہ ۱۴۵:

اس دفعہ کے مطابق مسلح افواج کا فرض ہے کہ وہ کسی بھی بیرونی حملے یا خطرۂ جنگ کی صورت میں وفاقی حکومت کے احکام کے مطابق پاکستان کا دفاع کریں اور جب بھی انہیں شہری انتظامیہ کی مدد کے لئے طلب کیا جائے تو اس کی مدد کریں۔ پھر اسی دفعہ کی شق دو میں کہا گیا ہے:

'‹اس حوالے سے وفاقی حکومت جو احکام بھی جاری کرے ان کی صحت کو کسی بھی عدالت میں زیرِ بحث نہیں لایا جا سکتا۔››

یعنی پاکستان بھر کو امریکہ کی خدمت پر مامور کرنا اور اس کے تمام افرادی و مالی وسائل صلیبی قوتوں کے تابع کرنا پرویز مشرف کا دستوری حق تھا، اسی دستور نے پرویز کو یہ اختیار بخشا کہ وہ پاکستانی فوج کو صلیبی اتحاد کا حصہ بنائے، اسی کے ذریعے پاکستان کی مسلح افواج، پولیس اور خفیہ ادارے مسلمانوں کے قتل عام، امارتِ اسلامیہ کے خاتمے، مجاہدین کے قتل، گرفتاری، ٹارچر اور پھر امریکہ کے حوالے کر دینے جیسے گھناؤنے جرائم کے مرتکب ہوئے، پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اس کے بعد پرویز نے انہی اداروں کو داخلِ پاکستان بھی مسلمانوں کو قتل کرنے، ان کے گھر اور بستیاں برباد کرنے، لال مسجد اور جامعہ حفصہ پر بمباری کرنے، اس کے طلبہ و طالبات کو بے دردی سے قتل کر کے ان کی قبریں تک چھپا دینے کے احکام جاری کئے۔

لیکن یہ سب قیامتیں ٹوٹنے کے بعد بھی '‹اسلامی›› جمہوریہ پاکستان کا' ‹اسلامی›› دستور پرویز مشرف کو مکمل تحفظ فراہم کرتے ہوئے آج تک اس کے محاسبے کی راہ میں حائل ہے، اور نہ تو کوئی شرعی عدالت اور نہ ہی کوئی شیطانی عدالت پرویز کو طلب کرنے یا محض عدالت میں پیش ہونے پر مجبور کرنے کی جرات رکھتی ہے نہ حق، پھر بھی یہ کہتے ہیں:

'‹ہمارا دستور اسلامی ہے۔››

دفعہ ۱۶۹:

پاکستان کے دستور کی دفعہ ۱۶۹ کہتی ہے کہ ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء سے لے کر ۲۰ اپریل ۱۹۷۲ء کے درمیان جاری ہونے والے تمام صدارتی فرامین، مارشل لاء ضوابط اور دیگر قوانین کے خلاف کسی عدالت میں مقدمہ دائر نہیں کیا جاسکتا۔

دفعہ ٦٦:

اس دفعہ کے تحت پارلیمان کے ہر رکن اور ہر اس شخص کو جو پارلیمان میں بات کرنے کا اختیار رکھتا ہے یہ تحفظ فراہم کیا گیا ہے کہ وہ پارلیمان میں جو بات بھی کرے اس کے خلاف کسی بھی عدالت میں کوئی چارہ جوئی نہیں کی جاسکتی، لیکن اسی دفعہ کی شق تین میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ جو رکنِ پارلیمان بھی کسی پارلیمانی کمیٹی کے سامنے کمیٹی کے سربراہ کے مطالبے کے باوجود اپنی دستاویزات یا دیگر ثبوت پیش کرنے سے انکار کرے اسے سزا دینے کے لئے قانون سازی کی جائے یعنی پارلیمان کے ہر رکن اور پارلیمان میں گفتگو کا حق رکھنے والے ہر شخص کو اجازت ہے کہ پارلیمان میں جو چاہے کہے، جس پر چاہے زیادتی ہی کرے، جس چیز کا چاہے مطالبہ کرے، جس چیز کی چاہے ترغیب دلائے، یہ دفعہ اس کو مکمل تحفظ دے گی، اسے دوسروں کی عزت اچھالنے، بہتان تراشی کرنے، گناہوں پر ابھارنے، کفر بکنے، اسلام کا مذاق اڑانے اور ملکی راز افشا کرنے کی کھلی چھوٹ ہے اور اس سب کے باوجود اس کا شرعی محاسبہ تو دور کی بات عدالتی محاسبہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ صرف یہی نہیں بلکہ دستور لکھنے والے کو اس بات پر بھی حیاء نہ آئی کہ اسی دفعہ کے تحت پارلیمان سے اپنے راز یا دستاویزات پوشیدہ رکھنے والوں کی سرزنش کا مطالبہ تو کیا جائے، لیکن لوگوں کی عزت و ناموس پہ زبان درازی کرنے اور اسلام پر کیچڑ اچھالنے والوں پر کوئی گرفت نہ ہو۔

اظہارِ رائے کی ایسی مطلق اور گستاخانہ آزادی دینے کے بعد بھی ان کے ضمیر و جذبات میں کوئی ہل چل پیدا نہ ہوئی!۔۔۔۔۔یہی دراصل وہ انگریزی ثقافت ہے جس میں اسلام، اسلامی اقدار، اسلامی احکام اور مسلمانوں کی عزت و ناموس کا کوئی پاس و لحاظ نہیں، البتہ اس کے علاوہ ہر شے محترم و مقدس ہے۔

تیسرا تضاد: سربراہِ ریاست (صدر) کو ہر قسم کے جرائم معاف کرنے کا حق حاصل ہے

دستور کی دفعہ ٤٥ صدر پاکستان کو یہ حق دیتی ہے کہ وہ کسی بھی عدالت، ٹریبونل یا دیگر ہیئتِ مجاز کی دی ہوئی سزا، بشمولِ سزائے موت کو معاف، ملتوی، معطل یا تبدیل کر دے۔ یعنی یہ دستور ایک ایسا دین پیش کرتا ہے جس میں حاکمِ اعلیٰ سربراہِ ریاست ہوتا ہے، نہ کہ مالکِ کائنات اللہ عزوجل۔

دسمبر ١٩٨٨ء میں صدرِ پاکستان نے مذکورہ دفعہ سے حاصل شدہ اختیارات استعمال کرتے ہوئے سزائے موت کے تمام فیصلوں کو معطل کر ڈالا۔

صدر پاکستان کا یہ دستوری حق شریعت سے صراحتاً متصادم ہے، شریعت تو یہ حق صرف مقتول کے ورثاء کو دیتی ہے کہ وہ قصاص لیں یا بالکل معاف ہی کر دیں۔

١٩٨٨ء میں ان دستوری دفعات پر بحث شروع ہوئی جو قوانین پاکستان کو شریعت کے موافق ڈھالنے کا مطالبہ کرتی ہیں۔ یہ بحث ١٩٩٢ء تک جاری رہی، یہاں تک کہ بالآخر سپریم کورٹ نے اپنا تاریخی فیصلہ سنا کر یہ بحث ہی ختم کر دی۔ سپریم کورٹ نے کہا:

عدالت کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کسی قانون کو اس بناء پر غلط قرار دے کہ وہ اللہ کی قائم کردہ حدود سے متجاوز ہے۔

چوتھا تضاد

قاضی (جج) کے لئے عادل (نیک پرہیز گار پابندِ شریعت) ہونے کی شرط نہیں لگائی گئی، اور مسلمان ہونے کی شرط بھی محض شرعی عدالت کے قاضی کے لئے عائد کی گئی ہے۔

اسلام میں قاضی یعنی جج کے لئے مسلمان اور عادل ہونا شرط ہے۔ عادل کا لفظ یہاں شرعی اصطلاح کے طور پر استعمال ہو رہا ہے عوام کے سمجھانے کے لئے اس کو نیک پرہیز گار سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اگرچہ اس سے اس کا پورا مفہوم نہیں حاصل ہوتا۔

پاکستانی دستور صرف وفاقی شرعی عدالت اور سپریم کورٹ کے شریعت مرافعہ بینچ کے قاضیوں کے لئے مسلمان ہونے کی شرط عائد کرتا ہے۔ باقی تمام عدالتوں کے قاضیوں کے لئے دستور ایسی کوئی شرط عائد نہیں کرتا جبکہ عادل ہونے کی شرط تو وفاقی شرعی عدالت سمیت کسی بھی عدالت کے لئے نہیں عائد کی گئی۔

کفار اور فساق کو قاضی مقرر کرنا آئینِ پاکستانی کی رو سے جائز ہے جبکہ شریعت کی رو سے ایسا کرنا بالکل ناجائز ہے۔ چنانچہ اس دستور نے نہ صرف ایک ناجائز بات کو جائز ٹھہرایا بلکہ اسے ایک باقاعدہ قانون کا درجہ دے کر اللہ کے حرام کردہ امر کو حلال قرار دیا۔ گویا یہ دستور اللہ کے حرام کردہ امور کو حلال قرار دینے اور حکمِ الٰہی سے متصادم قانون سازی کرنے جیسے عظیم جرائم پر مشتمل ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ جس کسی نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کو چھوڑ کر کوئی دوسرا قانون اختیار کیا تو گویا اس نے اس خود ساختہ قانون کو شریعتِ الٰہیہ کے برابر ٹھہرایا اور دیگر خود ساختہ خداؤں کو اللہ کے مساوی گردانا۔ انسانوں کے لئے قانون بنانا تو ربوبیت اور الوہیت کا خاصہ ہے اور اسی لئے یہ محض اللہ تعالیٰ کا حق ہے کہ وہ قانون سازی کرے۔

اسی طرح اس شخص کا جرم بھی کچھ کم سنگین نہیں جو شریعتِ الٰہی کو بالکلیہ تو ترک نہیں کرتا لیکن اس شریعت میں من مانی ترمیم کرتا ہے۔ اللہ کی شریعت میں ترمیم کا حق تو اسی کو ہو سکتا ہے جو (نعوذ باللہ) اللہ تعالیٰ کے برابر یا اس سے بھی بڑھ کر اختیار رکھتا ہو۔ پس جو کوئی بھی ایسا کرے، یعنی شریعت کی جگہ کوئی دوسرا قانون اختیار کرے یا شریعت میں من مانی ترمیم کرے تو گویا اس نے خود کو اللہ کا ہمسر بنانے کی کوشش کی، اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس سے بہت بلند و برتر ہیں۔ اور یہ وہ عظیم جرم ہے جسے قرآن نے کفر و شرک قرار دے کر ملیامیٹ کرنے کا حکم دیا ہے، اور بلاشبہ یہ شریعت کی مخالفت کی انتہائی صورتیں ہیں۔

پانچواں تضاد

سربراہِ ریاست کے لئے مرد ہونے کی شرط نہیں عائد کی گئی

دستور کی دفعہ ۴۱ وہ شروط ذکر کرتی ہے جن کا سربراہِ ریاست میں پایا جانا لازم ہے۔ ان شروط میں سربراہِ ریاست کے لئے مرد ہونے کی شرط کا کوئی ذکر نہیں حالاں کہ اس شرط پر تو تمام علماء کا اجماع ہے کہ شریعت نہ تو نماز میں عورت کی امامت کو جائز قرار دیتی ہے نہ ہی ملکی معاملات میں عورت کی امامت کو درست سمجھتی ہے۔

چھٹا تضاد

ہر اس شخص کو سزا سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے جس نے جرم کا ارتکاب اس فعل کو قانونی طور پر جرم قرار دیئے جانے سے قبل کیا ہو:

دستور کی دفعہ ۱۲ کہتی ہے کہ مؤثر بہ ماضی سزا دینا جائز نہیں۔ یعنی اگر ایک شخص نے کوئی جرم اس وقت کیا جبکہ نہ تو قانون میں اسے جرم قرار دیا گیا تھا، نہ ہی اس پر کوئی سزا مقرر تھی تو اسے بعد میں سزا نہیں دی جاسکتی۔ اسی طرح اگر اس وقت کوئی سزا مقرر تھی تو اس مقرر سزا کے علاوہ کوئی دوسری سزا یا اس سے بڑی سزا بھی نہیں دی جاسکتی، گویا اگر کوئی شخص شرعاً کسی جرم کا مرتکب ہو اور اسے عدالت میں پیش کر کے شرعی طریقہ کار کے مطابق اس کا مجرم ہونا ثابت بھی کر دیا جائے تب بھی اسے سزا نہیں دی جاسکتی جب تک کہ یہ ثابت نہ کر دیا جائے کہ جرم کے ارتکاب کے وقت یہ کام پاکستانی قانون میں بھی جرم تھا۔

بلاشبہ شریعت کی نگاہ میں یہ ایک باطل اصول ہے کیونکہ اس کے مطابق شرعی احکام اس وقت تک واجب العمل نہیں ہوتے جب تک پاکستانی پارلیمان یا سربراہ ریاست ضابطے کی کاروائیاں پوری کرتے ہوئے انہیں ملکی قانون نہ قرار دے دے۔ گویا اللہ کی نازل کردہ شریعت ان کے نزدیک واجب

الاتباع شریعت ہی نہیں، کیونکہ ان کی قانون ساز مجلس (پارلیمان) نے اسے منظور نہیں کیا۔

اس اصول سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کی عطا کردہ شریعت اور پاکستانی پارلیمان سے صادر ہونے والے قوانین دو مختلف عقیدوں سے پھوٹتے ہیں اور ان دونوں کے درمیان نہایت واضح تضاد ہے۔ رب کی نازل کردہ شریعت تو کسی انسانی پارلیمان سے منظوری کی محتاج نہیں۔ یہ تو اسی وقت سے واجب العمل ہے جب سے حق تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا اور نبی اکرم ﷺ نے اسے امت تک پہنچایا۔ کوئی دنیاوی قانون اس شریعت کو تسلیم کرے یا نہ کرے شریعت الٰہی کی قدر و منزلت پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ پاکیزہ شریعت تو بعثت نبوی ﷺ کے وقت سے موجود اور واجب العمل ہے، چودہ سو سال اسلامی سلطنتوں میں عملاً نافذ رہی ہے اور شرعی قاضی اسی کے مطابق ان چودہ صدیوں میں فیصلے کرتے آئے ہیں۔

سو یہاں سے اس بات کا دروازہ کھلتا ہے کہ غیر شرعی سزائیں شرعی سزاؤں کا متبادل قرار پائیں، شریعت تو غیر شرعی سزاؤں کو لائقِ اعتبار ہی نہیں سمجھتی، لہٰذا یہ اصول شرعاً نا قابلِ قبول ہے، جبکہ پاکستان میں قانون سازی کا حق صرف ارکانِ پارلیمان کو حاصل ہے، جب چاہیں کسی حکم کو قانون کی حیثیت دے دیں اور جب چاہیں اسے قانون سے خارج کر دیں۔

دستور لکھنے والوں کو اس بات پر بھی حیانہ آئی کہ انہوں نے ہی (۲۳ مارچ ۱۹۵۶ء کے بعد) دستور پاکستان کی مخالفت کرنے والے کو تو اس اصول سے مستثنیٰ رکھا اور سزا کا مستحق گردانا، لیکن شریعتِ رب العالمین کی مخالفت کرنے والے کو اس دفعہ کے تحت پورا تحفظ فراہم کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا عقیدہ مسلمانوں کے عقیدے سے مختلف ہے اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔

ساتواں تضاد: ایک جرم پر دو مرتبہ سزا دینے کی مطلق ممانعت

دستور کی دفعہ ۱۳ ایک جرم پر دو مرتبہ سزا دینے سے منع کرتی ہے۔ شریعت کے پیمانے سے یہ اصول تبھی درست ہو سکتا ہے جب اس جرم پر پہلی مرتبہ دی گئی سزا شریعت کے مطابق ہو۔ البتہ اگر پہلی سزا بھی غیر شرعی ہو تو پھر شریعت اس اصول کو تسلیم نہیں کرتی۔ مثلاً اگر کوئی شخص چوری، زنا یا قتل کے جرم کا مرتکب ہو اور پاکستانی عدالتیں اسے غیر شرعی سزا دے دیں یا پھر صدرِ پاکستان اپنے صوابدیدی اختیارات استعمال کرتے ہوئے اس سزا میں تخفیف کر دے تو دفعہ ۱۳ کے مطابق کسی بھی عدالت کو یہ اختیار نہیں کہ کہ اب اس پر شرعی سزا قائم کر سکے اور یقیناً یہ امر شرعاً نا قابلِ قبول ہے۔

عجیب بات یہ ہے کہ پاکستانی عدالتیں جو غیر شرعی قوانین کے مطابق فیصلے کرتی ہیں اور جو دوہری سزا کی قائل بھی نہیں، یہ عدالتیں کسی بھی سزا کو اس وقت تک تسلیم نہیں کرتیں جب تک کہ وہ پاکستانی قانون میں مدون نہ ہو۔ اس کا عملی نتیجہ ایک مثال کے ذریعے سمجھا جا سکتا ہے۔ فرض کیجئے کہ پاکستانی عدالتوں میں ایک ایسا ملزم پیش کیا جاتا ہے جسے اپنے جرم کی شرعی سزا دی جا چکی ہے تو اگرچہ دفعہ «۱۳» کے تحت اسے دوبارہ سزا دینا ناجائز ہے لیکن پاکستانی عدالت اسے پھر بھی دوبارہ سزا دے گی الا یہ کہ پہلے دی گئی سزا کسی پاکستانی عدالت سے پاکستانی قانون کے مطابق باضابطہ طور پر جاری ہوئی ہو۔

آٹھواں تضاد: سود کے حوالے سے دستور کا موقف

دستور کی دفعہ ۳۸ اس بات کی تاکید کرتی ہے کہ عوام کی معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود کی خاطر جس قدر جلد ممکن ہو سود کو ختم کیا جائے گا۔

ا: یہ عبارت مستقبل کے لئے ایک وعدہ تھا جو کئی دہائیاں گزرنے کے باوجود بھی پورا نہیں ہو سکا۔ اس وعدے کی مثال اسی طرح ہے جیسے ایک شخص کہے کہ میں عنقریب نماز پڑھوں گا یا میں عنقریب اسلام قبول کرلوں گا تو کیا محض ایک زبانی وعدے پر یہ شخص نمازی یا مسلمان کہلا سکتا ہے؟

ب: علاوہ ازیں دستور کی یہ دفعہ کسی قانون ساز قوت کی حامل نہیں، نہ ہی یہ عدالتوں کے معاملات پر اثر انداز ہوتی ہے، اس کی حیثیت تو ایک وعدے سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ اسی لئے وکیل محمد رفیق بٹ نے دستور پر تبصرہ کرتے ہوئے صراحت سے لکھا ہے کہ دفعہ ۱۹ سے دفعہ ۴۰ تک کے احکام صرف رہنما اصولوں کی حیثیت رکھتے ہیں نہ کہ نافذ العمل قوانین کی، لہٰذا نہ تو ان کی روشنی میں کوئی عدالت فیصلہ کر سکتی ہے نہ ہی یہ کسی خاص عدالت کے دائرہ اختیار میں داخل ہیں اور نہ ہی کوئی عدالت انہیں عملاً نافذ کر سکتی ہے۔

ج: اس دفعہ کے الفاظ خود اس بات کی دلیل ہیں کہ سود پاکستان میں عملاً و قانوناً جاری وساری ہے۔ دفعہ ۳۸ کی یہ عبارت ۱۹۵۶ء کے دستور میں بھی موجود تھی۔ مگر آج پچاس سال سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی یہ وعدہ وفا نہیں ہو سکا اور پاکستان میں سودی نظام مستقل پھیلتا چلا جا رہا ہے۔

دستور کے بیان کردہ وسائل شریعت کی حاکمیت قائم کرنے سے عاجز ہیں۔ پاکستانی دستور کی متعدد عبارتیں حاکمیتِ شریعت قائم کرنے اور قوانین کو خلافِ شرع امور سے پاک کرنے کی ہدایت دیتی ہیں۔ لیکن یہ تمام عبارتیں نظری اور عملی دونوں اعتبار سے اتنی کمزور اور بے زبان ہیں کہ ان کے ذریعے شریعت الٰہیہ کی حاکمیت قائم ہونا محال ہے۔ بلکہ یہ عبارتیں تو خود دستور میں پائی جانے والی خلاف شرع دفعات ختم کرنے کی قوت بھی نہیں رکھتیں۔

دستور کا دیباچہ "قرارداد مقاصد": قراردادِ مقاصد کیا ہے؟

قراردادِ مقاصد انسانوں کے وضع کردہ ایک دستور کی عبارت ہے۔ جسے پاکستان کی پہلی دستور ساز کمیٹی نے غالب اکثریت سے منظور کیا تھا۔ اس کے بعد اسی اسلوب سے یہ مختلف دستوروں کا حصہ بنی۔ جبکہ شریعت تو وحی الٰہی ہے۔ اپنی منظوری کے لئے کسی بھی انسان کی موافقت کی محتاج نہیں ہے۔

دستورِ پاکستان کے دیباچے یعنی قراردادِ مقاصد میں مندرجہ ذیل عبارتیں شامل ہیں:

۱) یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلاشرکت غیرے حاکم کل ہے اور پاکستانی عوام کو جو اقتدار و اختیار بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرنے کا حق حاصل ہے، وہ ایک مقدس امانت ہے۔

۲) جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدل و حکمرانی کے اصولوں پر، جیسا کہ اسلام نے انہیں بیان کیا ہے، پوری طرح عمل کیا جائے گا۔

۳) مسلمانوں کو انفرادی، ذاتی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی قرآن پاک اور سنت محمدی ﷺ میں بیان کردہ اسلامی تعلیمات، تشریحات اور ضروریات کے حسب منشا ترتیب دے سکیں۔ لہٰذا ہم عوامِ پاکستان، اس قادر مطلق رب تبارک وتعالیٰ اور اس کے بندوں کے سامنے اپنی ذمہ داری کے مکمل احساس کے ساتھ، پاکستان کی خاطر عوام کی دی گئی قربانیوں کے اعتراف کے ساتھ، بانیٔ پاکستان محمد علی جناح کے اس اعلان سے وفاداری کے جذبے کے ساتھ کہ پاکستان عدل اجتماعی کے اصولوں پر قائم ایک جمہوری ریاست ہوگی۔ جمہوریت کی حفاظت کا عزم مصمم لئے جو کہ ظلم واستبداد کے خلاف عوام کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے، حقائق مندرجہ بالا کو عملی جامہ

پہناتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے نمائندوں کے ذریعے یہ دستور منظور کرکے قانون کا درجہ دیتے ہیں اور اسے اپنے ملک کا قانون تسلیم کرتے ہیں۔

دستور پاکستان کے اس دیباچہ کو پہلی مرتبہ پاکستان کی پہلی دستور ساز مجلس نے مارچ ۱۹۴۹ء میں ایک قرارداد کی صورت میں منظور کیا۔یہ قرارداد "قرارداد مقاصد" کے نام سے جانی جاتی ہے۔ اس کے بعد یہ قرارداد مقاصد ۱۹۵۶ء کے دستور میں دیباچے کے طور پر شامل کی گئی، پھر ۱۹۶۲ء کے دستور میں بھی اسے دیباچہ قرار دیا گیا اور اپریل ۱۹۷۲ء کے ہنگامی دستور اور ۱۹۷۳ء کے دستور میں بھی اسے دیباچے کی حیثیت ہی دی گئی۔ پھر دفعہ ۲ اور ۲ الف کے ذریعے اس قرارداد کو دستور کا مستقل حصہ بنادیا گیا۔

دستور کی دفعہ ۲ کہتی ہے:

"ریاستِ پاکستان کا سرکاری مذہب اسلام ہو گا۔"

اور دفعہ ۲ الف میں مذکور ہے:

"قرارداد مقاصد، جسے دستور کے ساتھ بطور ضمیمہ بھی ملحق کیا گیا ہے، میں درج اصول واحکام کو دستور کا مستقل حصہ قرار دیا جاتا ہے جو بعینہ من وعن (As it is) مؤثر ہوں گے"۔

اسلام اور جمہوریت کا مضحکہ خیز ملغوبہ:

دیباچے میں کئی مرتبہ "جمہوریت" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ۔"جمہوریت" کی اصطلاح (Term) ایک معروف اور جانی پہچانی اور معلوم صفات کی حامل ہے ۔ یہ معانی اور صفات جمہوریت کا ایسا جزو ہیں کہ اگر انہیں اس سے الگ کر دیا جائے تو جو کچھ باقی بچے گا وہ کسی طور پر بھی جمہوریت نہیں کہلائے گا۔ انہی بنیادی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قانون سازی اور حکمرانی کا حق عوام کی غالب اکثریت کے پاس ہو اور باقی تمام اقدار واخلاق اور تمام معاملات اسی بنیاد پر طے ہوں۔یعنی حرام وہ ہو گا جسے اکثریت حرام کہے اور حلال وہ جسے اکثریت حلال قرار دے۔ چنانچہ اس بات کا تو تصور ہی ممکن نہیں کہ جمہوریت کی کوئی ایسی شکل بھی ہو سکتی ہے کہ جس میں حاکمیت اور قانون سازی کا مطلق اختیار عوام کے پاس نہ ہو۔ اس کے برعکس کسی ایسے "اسلام" کا تصور بھی ناممکن ہے جہاں حکمرانی اور قانون سازی کا حق للہ وحدہ لاشریک کے سوا بھی کسی کو حاصل ہو۔رب کی شریعت میں تو حرام وہ ہوتا ہے جسے للہ تعالیٰ حرام قرار دیں اور حلال وہ جسے للہ تعالیٰ حلال ٹھہرائیں۔

اس کے علاوہ جمہوریت کا ایک بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنے تمام افعال میں آزاد ہے اور اپنے لئے سامانِ تعیش اور سرمایۂ دنیا جمع کرنے میں کسی کا پابند نہیں۔اس مادر پدر آزادی کے پیچھے ظالم جاگیرداروں، سرکش بادشاہوں اور منحرف کلیسا کی مکروہ مثلث اور مغربی عوام کے درمیان کشمکش پر مشتمل ایک طویل اور تلخ تاریخ ہے۔

لہٰذا اسلام اور جمہوریت کا ملغوبہ بنانا دو ایسے عقائد کو خلط ملط کرنے کے مترادف ہے جو بالکل مختلف بنیادوں سے پھوٹے ہیں اور یکسر مختلف اثرات ونتائج کے حامل ہیں۔

اب اگر کوئی یہ کہے کہ اسلام بھی تو باہم مشورے سے حکمرانوں کے محاسبے اور ان کے تصرفات پر نگاہ رکھنے کی دعوت دیتا ہے، اور یہ امور اسلام اور جمہوریت میں مشترک ہیں تو اسے کہا جائے گا کہ یوں تو اسلام اور عیسائیت کے درمیان بھی کئی امور مشترک ہیں۔ دونوں ادیان ایمان باللہ کی دعوت دیتے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام سے قبل کے تمام انبیاء پر ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور اس بات پر بھی ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام پر للہ تعالیٰ کی جانب سے کتاب نازل ہوئی۔ اب خود ہی بتایئے کہ کیا ان مشترکہ امور کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام کو "مسیحی اسلام" یا عیسائیت کو "اسلامی عیسائیت" کہنا درست ہو گا؟ پس یہ بات تو بالکل واضح ہے کہ کفر و اسلام کو خلط ملط کرنے کا یہ سلسلہ دستور

پاکستان کی ابتدائی سطور سے ہی شروع ہو جاتا ہے۔

جمہوریت کا تذکرہ کرتے ہوئے دستور پاکستان کہتا ہے:

)۱) "جمہوریت، آزادی، مساوات، رواداری اور عدل حکمرانی کے اصولوں پر جیسا کہ اسلام نے انہیں بیان کیا ہے، پوری طرح عمل کیا جائے گا۔»

نجانے اسلام نے کہاں جمہوریت کا تصور بیان کیا ہے، جبکہ ہم گزشتہ سطور میں اسلام اور جمہوریت کا صریح تضاد بھی واضح کر چکے ہیں۔

)۲) "پاکستان عدلِ اجتماعی کے اصولوں پر قائم ایک جمہوری ریاست ہو گی۔"

مجھے معلوم نہیں کہ اسلام اور جمہوریت جیسی دو متضاد چیزوں کو ایک ہی جملے میں جمع کرنے سے کیا مقصود ہے؟ نیز اس عبارت میں محض اسلام کے عدلِ اجتماعی کا تذکرہ ہی کیوں کیا گیا ہے؟ اسلام کے دیگر پہلوؤں، حاکمیت، اخلاقیات، اقتصادیات اور سیاسیات وغیرہ کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا؟ اسلام تو اس کُل عمارت کا نام ہے، نہ کہ اس کے چند اجزاء کا۔

)۳) "(ہم اس) جمہوریت کی حفاظت کا عزم مصمم کئے (ہوئے ہیں) جو ظلم واستبداد کے خلاف عوام کی مسلسل جدوجہد کے نتیجے میں حاصل ہوئی ہے۔"

اس سے یہ بات تو بڑے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ دستورِ پاکستان کی ابتدائی سطور سے ہی حق وباطل کی آمیزش کا آغاز ہو جاتا ہے۔

قرارداد مقاصد میں موجود اسلامی احکامات کی حقیقت:

قرارداد مقاصد کے دیباچے میں یہ عبارت مذکور ہے کہ:

"یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات کا بلاشرکتِ غیرے حاکم کُل ہے اور پاکستان کے عوام کو جو اقتدار واختیار بھی اللہ کی مقرر کردہ حدود کے اندر رہ کر استعمال کرنے کا حق حاصل ہے، وہ ایک مقدس امانت ہے۔"

یہ ایک عمومی سی عبارت ہے جو نہ تو یہ بات کھلے طور پر کہتی ہے کہ حاکمیت اعلیٰ صرف شریعت اسلامی کی ہو گی اور نہ ہی اس بات پر دوٹوک دلالت کرتی ہے کہ شرعی احکام کو ایک ایسے بلند وبرتر مقصد کی حیثیت حاصل ہو گی جس کے مقابل کوئی دوسری شریعت یا قانون قابل قبول نہ ہوں گے۔ اسی طرح اس عبارت میں یہ تصریح بھی نہیں کی گئی کہ شرعی احکامات کو عوامی اکثریت کی رائے پر بھی فوقیت دی جائے گی۔ اسی طرح یہ عبارت "مسلمانوں کو انفرادی، ذاتی اور اجتماعی طور پر اس قابل بنایا جائے گا کہ وہ اپنی زندگی قرآن پاک اور سنت محمدی ﷺ میں بیان کردہ اسلامی تعلیمات، تشریحات اور ضروریات کے حسب منشاء ترتیب دے سکیں۔" بھی محض ایک وعدہ ہے جو ستر سال گزر جانے کے بعد بھی پورا نہ ہو سکا۔

قرارداد مقاصد کے دیباچۂ دستور ہونے کی حیثیت:

قرارداد مقاصد کو دستور کا دیباچہ بنانے، یا دفعہ ۲ الف کی بناء پر اسے دستور کا جزء سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اسلامی شریعت ہی اقتدار اعلیٰ کی مالک اور قانون سازی کا واحد مصدر قرار پائے۔ کیونکہ...

اولا: قرارداد مقاصد، دیباچۂ دستور، دفعہ ۲ الف اور اس قسم کے دیگر دفعات نے تو قانونی حیثیت بھی اکثریت کی منظوری سے حاصل کی ہے، جبکہ اسلام کی رو سے صرف شریعت ہی یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اکثریت ہدایت پر ہے یا گمراہی پر؟ چہ جائے کہ اکثریت یہ فیصلہ کرے کہ شریعت کا فلاں حکم قبول قرار پائے یا مردود؟ اقتدارِ اعلیٰ تو ہر صورت میں شریعت کا حق ہے خواہ اکثریت اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔

ثانیا: اس جمہوری نظام میں حکمرانی عوام ہی کا حق ہے اور عوامی تائید ہی دستور کو قانونی حیثیت بخشتی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دستور کا دیباچہ مندرجہ ذیل عبارت پر ختم ہوتا

ہے:

"(ہم عوامِ پاکستان) حقائق مندرجہ بالا کو عملی جامہ پہناتے ہوئے قومی اسمبلی میں اپنے نمائندوں کے ذریعے یہ دستور منظور کرکے اسے قانون کا درجہ دیتے ہیں اور اسے اپنے ملک کا قانون تسلیم کرتے ہیں۔"

اس کے برعکس شریعت الٰہی اپنی حاکمیت منوانے کے لئے عوامی منظوری کی محتاج نہیں۔ اس پر تو یہ مہر تصدیق اسی وقت سے ثبت ہوتی ہے جب یہ للہ رب العالمین کی جانب سے زمین پر نازل ہوتی ہے۔ رب کی شریعت قبول کرنے یا نہ کرنے کے معاملے میں انسانوں کی رائے معلوم کرنا بذات خود شریعت سے بغاوت کے مترادف ہے۔

لہٰذا شریعت کو حاکم بنانے یا نہ بنانے کے حوالے سے استصواب یا رائے شماری کرانا شرعاً کسی طور جائز نہیں، البتہ مسلمانوں کا اپنے معاملات میں شرعی اصولوں کے مطابق باہم مشورہ کرنا جائز ہے۔ لہٰذا ان دونوں باتوں کو باہم خلط ملط نہ کیا جائے۔

ایک اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ پارلیمنٹ کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی مرضی ومنشاء کے مطابق دستور میں ترمیم کرے۔ پارلیمنٹ کی دو تہائی اکثریت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ اگر چاہے تو دستور کے دیباچے اور دفعہ ۲ کو دستور سے حذف کردے کیونکہ دستور پارلیمنٹ کے اس حق پر نہ تو کوئی قید عائد کرتی ہے، نہ ہی کوئی شرط، نہ اس پر کوئی نگران ہے اور نہ ہی کوئی محتسب۔ اس کے برعکس شریعت میں ایک حرف کی تبدیلی کا اختیار بھی کسی کو حاصل نہیں۔

بقیہ صفحہ ۱۳۴

بلکہ صرف فوج کی سیاسی مخالفت کی ہے، لیکن چونکہ انہوں نے فوج کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے تو انہیں اس « جرم عظیم » کہ سزا دی جاری ہے۔

کوئی مانے یا نہ مانے لیکن آج ٹی ٹی پی کے اس موقف پر سب ہی متفق نظر آتے ہیں کہ ملک پر فوج کا قبضہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ مولانا فضل الرحمان اور عمران خان بھی جلد اس موقف پر ٹی ٹی پی کے ساتھ کھڑے ہونگے کہ فوج کو طاقت سے ہٹائے بغیر ملک آگے نہیں بڑھ سکتا۔ آج نہیں تو کل... سب کو یہ ماننا ہی پڑے گا کہ ٹی ٹی پی کی حکمت عملی ہی ٹھیک تھی اور اسی راستے سے ہی ملک میں اسلامی نظام اور معاشی سیاسی استحکام آسکتا ہے۔

انجینئر سعد فرقان

ٹی ٹی پی کے موقف کی جانب گامزن،
مولانا فضل الرحمان سے عمران خان تک

پچھلے دنوں مولانا فضل الرحمان نے حامد میر کو ایک انٹرویو دیا جس میں انہوں نے مختلف موضوعات پر اپنا موقف پیش کیا، جس سے بندہ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جمہوریت کے ذریعے بھی اسلامی، قانون سازی نہیں کی جارہی۔ پارلیمنٹ سیاست دانوں بلکہ وزیراعظم تک کو خفیہ طاقتوں نے کنٹرول میں رکھا ہوا ہے، جبکہ اسمبلیوں میں اپنی مرضی کے لوگوں کو بٹھایا جاتا ہے۔ افغانستان کے بارے میں بات کرتے ہوئے مولانا فضل الرحمن نے کہا کہ ہمارے پالیسی سازوں نے کسی ایسی پالیسی پر کام ہی نہیں کیا کہ جس سے پاک افغان تعلقات بہتر ہو سکیں۔

مولانا فضل الرحمان کی یہ باتیں نئی نہیں ہیں۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ پاکستانی سیاست دانوں کو کٹھ پتلیوں کی طرح چلایا جاتا ہے۔ ملک کے وسائل اور حکمرانی پر قابض عسکری ٹولے کو صرف اپنے وفادار لوگ ہی حکمرانی کے قابل نظر آتے ہیں۔ پھر اگر وہ عمران خان کے عثمان بزدار کی شکل میں ہی کیوں نہ ہوں۔ لیکن جب عمران خان نے جرنیلوں پر اعلانیہ تنقید شروع کی تو اس کا جو حشر ہورہا ہے وہ آپ کے سامنے ہے۔ آج پاکستان کی سیاسی صورتحال عجیب وغریب شکل میں ہمارے سامنے ہے۔ مولانا فضل الرحمن اور عمران خان جیسے شدید ترین مخالف بھی ایک نکتے پر جمع ہوگئے ہیں کہ فوجی جرنیل ہی اصل فساد کی جڑ ہیں۔

یاد رہے عمران خان اپنے جلسوں میں یہ کہتے رہے ہیں کہ

« حکومت تو باجوہ چلارہا تھا »

دونوں جماعتوں کو فوج کی مخالفت کی وجہ سے انتخابات سے باہر رکھا گیا۔ نہ جانے کب یہ بات ان دونوں سیاست دانوں اور دونوں جماعتوں کے کارکنان کو سمجھ آئے گی کہ احتجاج جلسوں اور دھرنوں سے کچھ نہیں ہوگا۔ چاہے آپ اسلامی نظام کا نعرہ لگائیں یا حقیقی آزادی کی بات کریں، بات طاقت کی ہے۔ جرنیل طاقت کے بل بوتے پر حکمرانی پر قابض ہیں۔ اس کا مقابلہ طاقت کے علاوہ کسی اور صورت میں ممکن ہی نہیں ہے۔ پچھلے دنوں تحریک انصاف والوں نے اپنے لیڈر کی رہائی کی غرض سے اسلام آباد کی طرف مارچ کیا، پھر اس مارچ پر جو مظالم کیے گئے ساری دنیا نے دیکھے۔ سیدھی گولیاں چلائی گئیں، درجنوں لوگوں کو قتل کیا گیا، سینکڑوں زخمی ہوئے، پھر حکومت نے حقائق چھپانے کے لیے سوشل میڈیا بند کردیا۔ یہاں تک کہ ایک صحافی مطیع اللہ کو اس « جرم » میں گرفتار کیا گیا وہ زخمیوں اور قتل ہونے والے سیاسی کارکنان کے بارے میں معلومات جمع کررہا تھا، اور آگے سننے والی بات یہ ہے کہ اس پر مقدمہ منشیات رکھنے کا بنایا گیا۔

ساری دنیا پاکستان میں ہونے پر ان سیاسی تماشوں پر حیران ہورہی ہوگی لیکن ہم نے ابھی تک کوئی حکمت عملی نہیں بنائی کہ ہم نے کرنا کیا ہے، کس طرح اور کب کرنا ہے؟۔ یہ بات سب کو ذہن نشیں کرلینی چاہیے کہ فوجی حمایت کے بغیر کوئی بھی الیکشن جیتنا تو دور الیکشن لڑنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتا۔

فوج ہی پاکستان کا آئین ہے
فوج ہی پاکستان کا قانون ہے،
فوج ہی اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے
فوج ہی عدلیہ ہے۔

آج تحریک انصاف والوں کے ساتھ بھی ٹی ٹی پی جیسا سلوک کیا جارہا ہے۔ حالانکہ انہوں نے تو مسلح بغاوت بھی نہیں کی

بقیہ صفحہ نمبر ۱۳۳

کیوں نہ ماریں علماء کو؟

مکرم سواتی

آئے دن خبریں سننے کو ملتی ہیں کہ فلاں مولوی کو شہید کیا فلاں مسجد کے امام کو اٹھا کر لے گئے فلاں مولوی کو مارنے کی دھمکی دی گئی وغیرہ۔۔۔ یہ کوئی نئی اور انہونی بات نہیں ہے بھائی پریشان کیوں ہوتے ہو؟۔

کیوں نہ ماریں علماء کو جو مسلمانوں کی مسرفانہ زندگی پر روک ٹوک کر رہے ہیں، تو کہیں سامان عیش و غفلت پر ان کی طرف سے قدغن ہے، کیوں نہ مارے ان کو جو چوروں اور شرابیوں کو گرفتار کرنے کا کہہ رہے ہیں تو کہیں باجوں اور موسیقی کے آلات کو توڑ رہے ہیں، کہیں مردوں کے لیے ریشم کے لباس اور سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال پر چیں بجبیں ہیں، تو کہیں بے حجابی اور مردوں و عورتوں کے آزادانہ اختلاط پر معترض ہیں، کیونکر چھوڑا جائے یہی علماء جو حماموں کی بے قاعدگیوں اور بد اخلاقیوں کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں، تو کہیں اپنے زمانے کے خلاف اخلاق اور خلاف شرع باتوں اور عادتوں کے خلاف وعظ کہہ رہے ہیں۔

کیوں نہ مارے ان واعظین کو کہ غیر مسلموں کہ عادات و خصوصیات اختیار کرنے پر ان کی طرف سے مخالفت ہے، تو کبھی مسجدوں کے صحن اور مدرسوں کے ایوانوں میں حدیث کا درس دے رہے ہیں اور "قال اللہ اور قال الرسول" کی صدا بلند کر رہے ہیں۔

کبھی خانقاہوں میں اپنے گھروں اور مسجدوں میں بیٹھے ہوئے دلوں کا زنگ دور کر رہے ہیں۔

اللہ کی محبت و طاعت کا شوق پیدا کر رہے ہیں۔

امراض قلب، حسد، تکبر، حرصِ دنیا اور دوسری نفسانی اور روحانی امراض کا علاج کر رہے ہیں، تو کبھی منبر پر کھڑے ہو کر جہاد کا شوق دلا رہے ہیں اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت یا اسلامی فتوحات کے لئے آمادہ کر رہے ہیں۔

لیکن یاد رہے کہ ایسا بھی نہیں ہے کہ یہی پیغمبروں کے جانشین صرف وعظ و نصیحت کر کے اپنا ذمہ فارغ سمجھتے ہیں اس تمام تر تبلیغات کے بدلے ان کو حکومت وقت سے، اذیتیں بھی برداشت کرنی پڑی ہیں۔

علماء کے اسی گروہ کو مسلمان بادشاہوں اور ان کے کارکنان حکومت کے ہاتھوں دار ورسن اور تازیانے کے انعامات ملے۔

اسی گروہ کے کتنے افراد کو، ایک مسلمان حاکم (حجاج) کے ہاتھوں شہادت کا سرخ خلعت ملا۔ پھر اسی گروہ کے ایک مقتدر فرد حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو امیر المؤمنین منصور عباسی کے ہاتھوں زہر کا جام نوش کرنا پڑا۔

پھر اسی گروہ کے دوسرے امام حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو مسلمان بادشاہ (مامون) کے زمانہ میں اسیر زندان ہونا پڑا۔ اور اس کے جانشین (معتصم) کے ہاتھوں تازیانے کھانے پڑے۔

آخر زمانہ میں بھی کیسے کیسے عادل و داد گر مسلمان فرمانرواؤں کے ہاتھوں کیسے کیسے جلیل القدر علماء پر بیداد ہوئی۔ جہانگیر کی زنجیر عدل مشہور ہے، مگر حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کے پاؤں میں بھی زنجیر پڑی، اور ان کو اپنے اظہار حق کے صلے میں گوالیار کے قلعہ میں محبوس ہونا پڑا۔

موجودہ دور میں بھی برائے نام اسلامی سربراہان کے ہاتھوں ہزاروں علماء و شیوخ شہید، لاپتہ اور پابند سلاسل کئے گئے، حضرت مولانا مفتی شامزئی رحمہ اللہ سے لے کر آج کے مولانا ڈاکٹر عادل خان رحمہ اللہ تک سینکڑوں علماء کو تشدد کا

نشانہ بنائے اور بے دردی سے شہید کیے گئے،
لیکن الحمدللہ انہی جانشینوں نے، اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ان کی تاریخ کو زندہ کیا اور اسی دین کی سربلندی کی خاطر قید وبند، علاقہ بدر، کھل عام سڑکوں پر گھسیٹنے اور برملا شہید ہونے، جیسی اذیتیں برداشت کیں اور تاحال کر رہے ہیں اللہ ان کو استقامت عطا فرمائے اور ہم پر ان کی سرپرستی قائم رکھے۔ آمین۔

یہ سب باتیں پرانی ہو چکی ہیں، بس طوطے کی مانند سورۂ یس دہرائے جاتے ہیں، مگر حلق سے نیچے نہیں اترتی، کہ جس سے بندہ سوچنے پر مجبور ہو جائے اور اس کا سدباب ہو سکے۔
یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ایسا نہیں ہوتا کہ ہم چند لوگ یا بہت سے لوگ، ان سفاک قاتلوں کے خلاف اٹھ جائیں اور یہ سلسلہ ختم ہو جائے، یہ سب پیغمبروں صحابۂ کرام اور سلف صالحین کے ساتھ ہوا ہے اور ان کے ورثاء (علماء) کے ساتھ ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔۔۔ مگر ایسے ناروا و ظلم پر خاموشی کرنے والوں کا انجام، دنیا میں بھی دیکھا جا چکا ہے اور آخرت میں بھی ان کا حشر ظلم کرنے والوں جیسا ہی ہو گا، کیونکہ ظلم کرنے والے اور ظلم پر خاموش رہنے والے دونوں مجرمین میں شمار کیے جاتے ہیں۔

قابل غور بات یہ ہے کہ عالمی یہودی تنظیمیں ہو یا سپر پاور تصور ہونے والے طاقتور ممالک ہو، سب ملکی ترقی یا پھر اسلام کی مغلوبیت کی خاطر بڑی بڑی تنخواہوں پر تھنک ٹینکس رکھتے ہیں، جن کو ہر قسم کے مطالعے کے ساتھ ساتھ ان کے آنے والے مسیحا (دجال) کی رہنمائی بھی حاصل ہے۔
ان کی تبلیغات کو سوشل اور الیکٹرانک میڈیا پر یکساں پذیرائی مل رہی ہے کبھی کسی شکل میں تو کبھی کسی شکل میں۔
علماء کا کردار، اسلامی معاشرے میں کیا ہے، یہ ہم مسلمانوں سے زیادہ ان تھنک ٹینکس کو معلوم ہے اور یوں وہ ان حق پرست علماء کو ختم کرنے کے درپے ہیں۔

اور اسی کام کیلئے ان کو اجرتی قاتلوں کی ضرورت ہوتی ہے جو پاکستانی فوج اور خفیہ ایجنسی کی شکل میں بآسانی ان کو میسر ہے۔
یہ خفیہ ایجنسیاں ہی ہیں جو چند ڈالروں کے عوض ان علماء کو شہید کرتی ہیں، جن سے امت مسلمہ کی تبدیلی کی امیدیں وابستہ ہیں، ورنہ تو مفتی کفایت اللہ کی آج ہی کی ٹویٹ کے مطابق پاکستانی فوج یا خفیہ ایجنسی ایک نمبر پر ہے، یہ بات انہوں نے ہیلری کلنٹن سے نقل کی ہے اور فخر کے ساتھ ٹویٹ کی کہ ہیلری نے ہماری فوج کے نمبرون پوزیشن کو برقرار رکھا اور ہم نے بھی اپنی عادت سے مجبور ہو کر نیچے لکھ دیا کہ تیرے آقا نے تجھے نمبرون کہا، تو کتنا خوش ہے۔ ذرا ان کے بارے میں بھی سوچیں، جن کیلئے بادشاہوں کا بادشاہ کہتا ہے کہ مجھے محبت ہے، ان لوگوں سے جو میری راہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صف بستہ ہو کر لڑ رہے ہیں۔
اگر میں یہ کہہ دوں کہ ذرا شفاف تحقیقات شروع ہوں اور کم از کم گزشتہ بیس سے پچیس سال کے دوران شہید ہونے والے علمائے کرام، خصوصا مفتی نظام الدین شامزئی، شیخ نصیب خان، شیخ ولی اللہ کابلگرامی، مولانا سمیع الحق و مولانا حامد الحق، شیخ اسلم شیخوپوری، مولانا ڈاکٹر عادل خان اور شیخ ادریس رحمہم اللہ سمیت تمام علماء کی کیسز کو عادلانہ طور پر چھیڑا جائے، تو کیا سمجھتے ہیں یہ خفیہ ادارے کتنے کیسز میں ملوث نکلیں گے یا کتنے کیسز سے یہ لوگ نکل پائیں گے، اس کا جواب قارئین ہی دیں۔
اللہ سے دعا ہے کہ ہم ان لوگوں میں شمار ہوں اور ہمارے اوپر حق پرست علماء کا سایہ ضرور ہو۔
پاکستان میں بسنے والے علماء کرام سے التجا ہے کہ جس مقصد کیلئے علم حاصل کیا ہے اور جس مقصد کی خاطر تم قابل قدر ہو، جس صفت پر آپ کو ورثۃ الانبیاء کہا گیا ہے، اللہ کی قسم

بقیہ صفحہ نمبر: ۱۱۹

مدارس کا کردار و درپیش خطرات و مشکلات

شیخ عبدالرحمن حماد

کسی بھی معاشرے کی بہتر تشکیل کے لیے تعلیمی ادارے (مدارس) کیا اہمیت رکھتے ہیں؟ اسی طرح ہمارے معاشرے میں مدارس کیا کردار ادا کر رہے ہیں اور انہیں کیا کردار ادا کرنا چاہئے؟ اور مدارس کو کیا کیا خطرات و مشکلات درپیش ہیں؟ یہ ایسے موضوعات ہیں جو تفصیل طلب ہیں، مگر میری کوشش ہوگی کہ انہیں مختصر اور آسان انداز میں قارئین کرام کے سامنے رکھوں۔

معزز قارئین! مفکر اسلام علامہ سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ مدارس اسلامیہ کی اہمیت کچھ یوں بیان فرماتے ہیں:

« دنیا کی کوئی قوم علم سے مستغنی ہو سکتی ہے کہ ہمارا کوئی نقصان نہیں، ہم پر کوئی فرض واجب نہیں، ضروری نہیں ہے کہ ہم پڑھیں اور پڑھائیں، بچوں کی تعلیم کا انتظام کریں، لیکن روئے زمیں پر قیامت تک مسلمان کہیں بھی آباد ہوں وہ چاہے مقامات مقدسہ ہوں، چاہے جزیرۃ العرب ہو، چاہے یورپ و امریکہ ہو، چاہے ہندوستان کی سرزمین ہو، شہر ہو یا قصبہ یا دیہات، جہاں بھی مسلمانوں کے چار گھر آباد ہوں، بلکہ جہاں چار مسلمان بھی پائے جاتے ہیں وہاں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ « اقرأ » (یعنی مدرسہ) کا سامان کریں۔ وہ اس کی تعمیل کریں کہ پڑھو، یہ کام شفاخانوں کے قیام سے زیادہ ضروری ہے اور آپ کی دکانوں سے زیادہ ضروری ہے، یہ کارخانوں سے زیادہ ضروری ہے۔ کتنے ہی دنیا میں انقلابات آجائیں، سلطنتیں اور تہذیبیں بدل جائیں، انقلاب عظیم برپا ہو جائیں، زبان بدل جائے، لیکن تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہے گا۔ »

موجودہ دور میں مسلمانوں کو عقائد کے میدان میں جن چیلنجز کا سامنا ہے ان کا حقیقی دفاع سوائے اس کے کہ مدارسِ دینیہ کو ہر گاؤں، ہر بستی، اور ہر محلے میں قائم کیا جائے، کوئی دوسری صورت مؤثر طور پر کارگر دکھائی نہیں دیتی۔ اگر ہم نے مدارس کا جال نہیں پھیلایا تو ہماری آئندہ نسلوں کا وہ حال ہوگا جو اندلس یا روس کے مسلمانوں کا ہو، یا تو سرے سے مسلمان ہی نہیں رہیں گے یا مسلمان رہتے ہوئے بھی اسلام سے بیزار فقط نام کے مسلمان ہوں گے۔

مانتا ہوں کہ میڈیا کو صحیح طور پر بروئے کار لا کر ان چیلنجز کا مقابلہ کسی حد تک کیا جا سکتا ہے، تبلیغی و خانقاہی سلسلوں کو پھیلا کر بھی ایک حد تک مسلمانوں کے ایمان کو محفوظ رکھا جا سکتا ہے، خطباء حضرات بھی منبرِ رسول ﷺ سے لوگوں کو عقائد کا درس دے سکتے ہیں، لیکن خود مذکورہ شعبہ جات کے لیے جن حضرات کی ضرورت ہے وہ بھی مدارس کے بغیر تیار نہیں کیے جا سکتے۔ دوسری بات یہ کہ ان شعبہ جات کا تعلق بالغ افراد سے ہے اور وہ بھی چند فیصد افراد تک محدود ہے، ہمارے وہ نونہال جنہیں شکار کرنے کے لیے کفار نے ہزاروں جال بچھا رکھے ہیں، (حالانکہ یہ ہمارا سرمایہ ہیں) ہمارے وہ نوجوان جنہیں بے راہ روی کا دلدادہ بنانے کے لیے غیروں نے دن رات ایک کر دیے ہیں، (حالانکہ نوجوان ہماری قوت ہیں) وہ بڑی عمر کے لوگ جو نہ تو مساجد و خانقاہ کا رخ کرتے ہیں اور نہ ہی دینی پروگرامات (جلسوں، سیمیناروں، کانفرنسوں) میں شرکت کرتے ہیں، ان کا کیا کیا جائے؟ اور ان کی اولاد کا کیا کیا جائے؟ ان کے ایمان کو کس طرح محفوظ کیا جائے؟ انہیں اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے کے لیے کس طرح آمادہ کیا جائے؟ انہیں ابدی زندگی سنوارنے کے واسطے کیسے تیار کیا جائے؟

اسی طرح ہمارے وہ بچے اور نوجوان جو اسکول و کالج تو جاتے

ہیں مگر ان کی دینی تعلیم کا کوئی انتظام نہ تو حکومتی نصاب میں ہے اور نہ ہی پرائیویٹ اسکول وکالج کے نصاب میں انہیں کس طرح الٰہی احکامات سے روشناس کرایا جائے؟

اسی طرح ہماری وہ بہنیں اور مائیں جو ہمہ وقت گھر میں ہوتی ہیں ان کے ایمان کی حفاظت کا انتظام کیسے کیا جائے؟ ان کی اخلاقی تربیت کیسے کی جائے؟ ان کو بنیادی اسلامی احکام کے بارے میں کیسے آگاہی دی جائے؟

مجھے تو ان تمام سوالات کا جواب سوائے اس کے کہ مدارس کا خوب جال بچھایا جائے اور کوئی نظر نہیں آتا، کیونکہ --- -- مدرسہ وہ کارخانہ ہے جہاں مردم گری اور مردم سازی ہوتی ہے، ----- جس میں قلب و دماغ کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جاتا ہے، ----- جس میں دین کے سچے سپاہی اور اسلام کے داعی تیار کیے جاتے ہیں، ----- مدرسہ مسلمانوں کے لیے اس بجلی گھر کی حیثیت رکھتا ہے جہاں سے مسلم آبادی کو دین کی بجلی ملتی ہے، ----- مدرسہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری انسانی زندگی کی نگرانی ہوتی ہے، --- -- جہاں کا فتویٰ تمام مسلمانوں کے لیے حکم کی حیثیت رکھتا ہے، ----- مدرسہ کا تعلق (بواسطہ نبی ﷺ) الٰہی علوم سے ہے، جو ہر وقت زندہ وجاوید ہے ----- مدرسہ کا تعلق انسانیت سے ہے جو ہر دم جواں ہے، مدرسہ کا تعلق اللہ کی حاکمیت سے ہے، جو ہر دو جہاں میں قائم ہے، ----- مدرسہ وہ مقدس مقام ہے جس میں الٰہی قانون سیکھ کر اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے حفاظت ممکن ہے ----- مدرسہ وہ مکان ہے جس میں ایمان کو محفوظ بنایا جا سکتا ہے۔

جب مسلمان مدارس عام کرنے میں کامیاب ہو جائیں تو اُمید کی جاسکتی ہے کہ ایک بار پھر دنیائے عالم پر اسلام کا بول بالا ہو جائے، الٰہی حاکمیت چار سو پھیل جائے، نظامِ خلافت قائم ہو کر مسلمانوں کی عزتِ رفتہ کی بحالی ممکن ہو جائے۔

یہی وجہ ہے کہ آج استعماری قوتوں کو اگر کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے تو میدانِ عمل میں مصروف مجاہدین کے بعد ان مدارس سے ہوتا ہے کہ جو جدید تعلیمی نصاب و نظام سے دور اسلام کا اصل مفہوم طلباء کو ذہن نشین کرانے میں اپنی مدد آپ کے تحت چل رہے ہیں، جن کا مقصد فرزندانِ اسلام کو صرف اور صرف عالمِ دین بنانا ہے، جن کی دوڑ دھوپ اس خاطر ہے کہ طلباء کرام کو اپنے خالق کے ساتھ جوڑ کر الٰہی احکامات سمجھنے کا اہل بنایا جائے، جن کا مشن یہ ہے کہ اہلیانِ اسلام کو دینی علوم کی سپلائی ایسے انداز میں کی جائے کہ لوگ حقیقی اسلام سے واقف ہو کر ماڈرن اسلام کے چکر میں نہ پھنسیں۔

آج کل سیکولر لابی اور حکمران طبقہ مسلسل ان مدارسِ دینیہ کے خلاف سازشوں میں مصروف ہے، انہیں ختم کرنے یا کم از کم انہیں اپنے زیرِ اثر لانے کے لیے دن رات ایک کیے ہوئے ہے، مختلف حیلے بہانوں سے ان مدارس کو حکومتی تحویل میں لینے کی کوششیں جاری ہیں، کبھی لالچ تو کبھی دھمکی کو کام میں لا کر مدارس کو دبانے اور انہیں اپنی اصل روح سے ہٹانے کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہے۔

گرامی قدر قارئین! اگر اپنی موجودہ وآئندہ نسلوں کو فتنوں سے بچانا مقصود ہو تو قریہ قریہ، بستی بستی اور ہر گلی کوچے میں مدارس کا اہتمام کریں، اربابِ مدارس کے احترام کے ساتھ ساتھ مدارس کے اخراجات و مشکلات میں ان کے معاون بنیں، ان کی حوصلہ افزائی کریں، جو لوگ مدارس کے مخالف ہیں انہیں سمجھائیں کہ اگر تمہیں اسلام کو اپنی اصل شکل میں دیکھنا ہے تو مدارس کی قدر کریں، کیونکہ ڈیموکریسی اسلام کو مسلمانوں کے مابین متعارف کرانے کی جو پرزور محنت وکوشش پوری یہودی لابی کر رہی ہے، اسے دیکھتے ہوئے یہی لگتا ہے کہ ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مدارس ہی ہیں، یہی وجہ ہے کہ دنیا کی سطح پر واحد اسلامی حکومت (طالبان حکومت) کا خاتمہ کرنے کے بعد بھی جب

امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو اسلام کی شکل بگاڑنے اور دہشت گردی (یعنی جہاد نعوذ باللہ) کو کنٹرول کرنے میں کامیابی نہ ملی تو اس وقت برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے ایک کانفرنس میں کہا کہ ہمیں اپنے مقصد تک پہنچنے کے لیے مدارس کو ختم کرنا ہوگا، اس کے الفاظ ماہنامہ «الحق» نے (غالباً اخبار کے حوالے سے) کچھ یوں ذکر کیے ہیں:

«آج جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے اس کے بارے میں دو نقطہ نظر ہیں: ایک یہ کہ یہ دہشت گردی کوئی نئی نرالی چیز نہیں، یہ ہوتی ہی آئی ہے۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں کہ ان لوگوں کو چھیڑا جائے، یہ خود ہی ختم ہو جائیں گے۔ دوسرا نقطہ نظر (جو خود بلیئر صاحب کا ہے) یہ ہے کہ ایک بالکل نرالا ظہور ہے۔ یہ عالمگیر نوعیت کی دہشت گردی ایک سچے، پرامن اور قابلِ عزت دین 'اسلام' کی تحریف پر مبنی ہے۔ اور اس کی جڑیں ہیں پاکستان کے مدارس میں، سعودی وہابیت کی انتہا پسندانہ شکل میں اور القاعدہ کے سابق افغانی ٹریننگ کیمپوں میں۔ اس نقطہ نظر کو قبول کیا جاتا ہے تو پھر واحد راہِ عمل یہ رہ جاتی ہے کہ اس دہشت گردی سے ٹکرایا جائے، اس کی جڑوں اور شاخوں سب کا صفایا کیا جائے اور کسی بھی قیمت پر یہ نوبت نہ آنے دی جائے کہ اس کے ہاتھ میں وسیع پیمانے پر مار دھاڑ کے ہتھیار آجائیں۔»

معزز قارئین! یہ صرف مسٹر بلیئر کی سوچ نہیں، بلکہ پورے عالمِ کفر کی یہی کوشش ہے کہ (پاکستان، ہندوستان، افغانستان اور بنگلہ دیش میں قائم، خود مختار) دینی مدارس کی بنیادوں کو ڈھایا جائے۔

ممکنہ طور پر اس کی کئی صورتیں تھیں، ایک صورت تو یہ تھی کہ انہیں فوجی ایکشن کے ذریعے ختم کیا جائے، لیکن اس میں مسلم بیداری سمیت بہت زیادہ خطرات تھے، اس لیے آسان طریقے کو اپناتے ہوئے مسلمانوں پر مسلط طاغوتی ٹولے کو یہ مشن سونپا گیا کہ ان دینی مدارس کے نصاب کو جدید تقاضوں (ڈیموکریٹک اسلام) کے مطابق بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اسلام کے سب سے مضبوط قلعہ جات (دینی مدارس) کو نظریاتی لحاظ سے نیست ونابود کر دیا جائے۔ چنانچہ پاکستان کے حکمرانوں، خفیہ اداروں اور ناپاک فوج نے پوری طاقتِ صرف کی کہ کسی طرح دینی مدارس کو ملیامیٹ کر دیا جائے، چنانچہ مشرف دورِ حکومت میں سان لال مسجد و جامعہ حفصہ اور باجوڑ «ڈمہ ڈولہ» میں مدرسہ پر بمباری اسی سلسلے کی کڑیاں تھیں، مگر جب انہیں اس میں کامیابی نہ ملی تو عوام کی نگاہوں میں مدارس کو بدنام کرنے کی مسلسل کوششیں شروع کر دیں، دہشت گردی کے نام پر مدارس پر چھاپے مارے، اسی دور میں حکومتی سرپرستی میں علمائے کرام کو شہید کرنے کا سلسلہ شروع ہوا، چنانچہ مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا یوسف لدھیانوی، مفتی جمیل صاحب رحمہم اللہ جیسے سینکڑوں مشاہیر علماء کو شہید کیا گیا، بعض مدارس کے طلباء، کرام پر قاتلانہ حملے کروائے گئے، سینکڑوں طلبہ واساتذہ کو گرفتار کیا گیا، انہیں ہراساں کیا گیا، اُس وقت کے حکمرانوں کی طرف سے غیر ملکی طلباء (جو دینی علوم کے لئے کئی دہائیوں سے پاکستان کے دینی مدارس سے استفادے کے لئے دنیا بھر سے آتے رہے ہیں) کے اخراج کا فیصلہ کرنا بھی سونپے ہوئے مشن کا حصہ تھا، الغرض! مختلف الزامات کے ذریعے مدارس کو بدنام کرنے اور ان کی کارکردگی خراب کرنے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ نیو ورلڈ آرڈر کے بانیوں نے سب سے خطرناک حربہ یہ اپنایا کہ اپنی سرپرستی میں اپنے مقامی ایجنٹوں کا رُخ مدارس کی طرف کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ برطانوی وزیر خارجہ (جیک اسٹرا) سمیت متعدد غیر ملکی سفراء اور پاکستانی حکمرانوں نے متعدد مدارس کے دورے کیے، اربابِ مدارس کی تالیفِ قلب کے لیے بعض مدارس کے ساتھ مالی معاونت کی، بعض کے تعلیمی وانتظامی معاملات

کو سراہا، بعض کو عالمی برادری کے ساتھ چلنے پر داد دی، اور حال ہی میں فوج کے سربراہ جاوید قمر باجوہ نے (جی ایچ کیو میں) دینی مدارس کے طلباء، کو عصری تعلیم میں پوزیشن حاصل کرنے پر انعامات سے نوازا، اور ساتھ میں اس عزم کا اظہار بھی کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ دینی مدارس کے طلباء جدید علوم میں قدم رکھ کر ملک کی ترقی میں کالج و یونیورسٹیوں کے سٹوڈنٹس کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر فوج، پولیس اور دیگر اداروں میں کلیدی عہدوں پر فائز ہو جائیں۔

یہ اور ان جیسے تمام تر ہتھکنڈوں کا مقصد اولاً یہ ہے کہ لوگوں کو اس بات پر مجبور کیا جائے کہ اپنی اولادوں کو مدارس میں تعلیم کے لیے نہ بھیجیں، اور اگر اس میں انہیں کامیابی نہ ملے تو ثانیاً مقصد یہ ہے کہ مدارس کے نظم اور نصاب میں ایسی تبدیلیاں لائی جائیں کہ جن کے بعد مدارس کو کنٹرول کرنا آسان ہو جائے، اور انہیں قومی دھارے میں شامل کرنے میں علماء و طلباء اور عوام کی طرف سے زیادہ مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ موجودہ جمہوری دور میں مدارس کو سب سے بڑا خطرہ اس بات سے ہے کہ پاکستانی خفیہ اداروں کے اشاروں پر مدارسِ دینیہ کا نصاب بدل کر ایسا مقرر کیا جائے کہ جس کے پڑھنے سے ایک طالب علم ایک جید عالمِ دین بننے کے بجائے « آدھا تیتر اور آدھا بٹیر » کا مصداق بن کر نہ پورا عالم بنے اور نہ پورا ڈاکٹر، بلکہ « نیم حکیم خطرۂ جان » اور « نیم ملا خطرۂ ایمان » اُس پر صادق آئے۔ (خدانہ کرے) اگر ایسا ہوا تو پاکستان کے طول و عرض میں انفرادی واجتماعی طور پر جو دینی و علمی تبدیلی اور مذہبی وسیاسی بیداری کے آثار نمایاں ہو چکے ہیں ہمیشہ کے لیے اس کا راستہ بند ہو جائے گا۔

کسی بھی مشن کی تکمیل کے لیے نصابِ تعلیم اور تعلیمی سسٹم کی تبدیلی وہ بنیادی اکائی ہے جس پر حسبِ منشا مقاصد کی تکمیل بآسانی ہو سکتی ہے، انگریز نے (برصغیر سمیت) جہاں بھی اپنا تسلط قائم کیا تو وہاں سابقہ تعلیمی سسٹم کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ایسا نصابِ تعلیم مقرر کیا جس سے انہوں نے بڑی سہولت کے ساتھ وہاں کے عوام کی سیاسی ذہنیت کی تبدیلی کو نہ صرف یہ کہ ممکن بنایا بلکہ بہت سوں کو اسلامی تعلیمات سے کورا بنانے کے ساتھ ساتھ ملحدانہ عقائد کا ایسا خوگر بنایا کہ اسلام کے حقیقی عقائد ان کو یقینی غلط نظر آنے لگے، اور انہی کے تعلیمی سسٹم و نصاب کی بدولت آج معاملہ اس حد تک جا چکا ہے کہ مغربی تعلیم یافتہ طبقہ حقیقی اسلام کا نعرہ لگانے والوں کو معاشرے کے لیے ناسور سمجھتے ہوئے صفحہ ہستی سے مٹانے کے درپے ہے، انہیں ایسے ایسے خطابات دیتا ہے کہ جس سے وہ معاشرے میں بدنام ہو کر عوامی حمایت کھو بیٹھیں۔

معزز قارئین! چونکہ مدارس کا تعلق "علم" کے ساتھ ہے، اور علم چاہے تکوینیات سے متعلق ہو یا شرعیات سے، انسانیت کے عروج وزوال کا تعلق اسی سے ہے، جو قومیں علم میں عروج کو پہنچتی ہیں وہ لازماً لوگوں کے دلوں پر حکومت کرتی ہیں، ان کا سکہ کلِ عالم میں رواں ہوتا ہے، ان کا قسمت کا ستارہ ترقی کی راہ پر گامزن رہتا ہے، اس لیے یہ کہنا بے جانہ ہو گا کہ مدرسہ انسانیت کو ترقی کی جانب لیجانے والا بنیادی نقطہ ہے، مدرسہ انسانیت کو ذلت وپستی سے نکالنے کا وہ واحد بے مثال ذریعہ ہے جس کی تاثیر مسلم ہے، لیکن اس کے برعکس جن اقوام نے علم سے روگردانی اختیار کی تو انہیں سوائے غلامی وذلت کے کچھ ہاتھ نہ آیا، وہ اقوامِ غیر کی خادم تو بن گئیں مخدوم نہیں، محکوم تو بن گئیں حاکم نہیں۔

معزز قارئین! مدارس کی خدمات بے شمار ہیں، البتہ قرآن وسنت کی خدمت میں جو کردار مدارس نے ادا کیا ہے وہ ایک ناقابلِ فراموش حقیقت ہے، پاکستان سمیت دنیا بھر میں قرآن وحدیث اور ان کے معاون علوم کی جو خدمت مدارسِ

اسلامیہ نے انجام دی ہے وہ قابلِ رشک وستائش ہے، اس لیے یہ بات مبالغے سے بالکل خالی ہے کہ دنیا بھر میں علومِ قرآن وحدیث کو جو فروغ حاصل ہے وہ مدارسِ اسلامیہ کے وجود کے بغیر ناممکن تھا۔

صرف قرآن وسنت کی روشنی ہی نہیں، بلکہ پاکستان کے ناقص تعلیمی نظام کی وجہ سے دیہات اور دور دراز علاقوں میں جو بچے حقِ تعلیم سے محروم تھے، انہیں مدارسِ دینیہ ہی نے اپنا مشفقانہ کردار ادا کرتے ہوئے مفت تعلیمی سسٹم کی بدولت جہالت کے اندھیروں سے نکال کر علم کی روشنی سے منور کیا، انہیں بہترین اسلامی تہذیب سے آراستہ کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج ہر مذہبی جماعت و ادارے میں غریب عوام کے وہ ہونہار فرزندان محوِ خدمت ہیں جو انہی مدارس دینیہ کے تیار کردہ ہیں۔

پاکستان میں موجود غربت و افلاس، کمزور اقوام کی حق تلفی اور ان جیسے دیگر عوامل کے ساتھ اگر ہزاروں کی تعداد میں دینی مدارس نہ ہوتے تو عین ممکن ہے کہ پاکستانی معاشرہ ایک ایسے بگاڑ کا شکار ہو جاتا کہ اس کا سدھارنا ناممکن ہوتا، مگر (الحمد للہ) دینی مدارس نے اپنا روشن کردار ادا کرتے ہوئے معاشرے کے ہر شعبے کو ایسے مصلحین عطا کیے جنہوں نے دن رات ایک کر کے اپنے اپنے میدانِ عمل میں ناقابلِ فراموش کارنامے سرانجام دیے، اگر صرف ائمہ مساجد کے کردار کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات بخوبی واضح ہے کہ جن علاقوں میں مساجد کے ائمہ دینی مدارس کے تربیت یافتہ فارغ التحصیل علماء ہیں ان علاقوں کے مکینوں کی اخلاقی و تعلیمی آگاہی کی کیفیت بہت بہتر ہوتی ہے، وہاں جرائم کا تناسب بہت کم ہوتا ہے۔ بالمقابل اگر ان علاقوں کا جائزہ لیا جائے جن کی مساجد میں یا تو سرے سے ائمہ ہی نہیں، یا ائمہ تو ہیں مگر وہ دینی مدارس کے پڑھے ہوئے نہیں، تو ایسے علاقوں کی صورتِ حال یقیناً ابتر ہوگی۔ وہاں چوری، ڈکیتی سمیت دیگر جرائم کے اڈے ہوں گے، تعلیمی ماحول ناپید ہوگا، باہمی اختلافات زیادہ ہونے کے ساتھ ساتھ حدودِ اختلاف کا فقدان ہوگا، چنانچہ وہاں معمولی معمولی باتوں پر قتل وغارت تک بات پہنچتی نظر آئے گی، عدمِ برداشت اور حق تلفی عروج پر ہوگی۔

معزز قارئین! اگر پاکستان کے شہروں اور گاؤں میں دینی مدارس نہ ہوتے تو آج اہلیانِ پاکستان کی اکثریت گمراہ کن فتنوں کے دلدل میں ایسے پھنسے ہوتے کہ ان کا نکلنا انتہائی مشکل ہوتا، کیونکہ پاکستان میں آئے دن جو فتنے پروان چڑھتے ہیں اور ان کی سرکاری سطح پر جو پشت پناہی ہوتی ہے اسے دیکھتے ہوئے اس سے کسی کا بھی بچنا مشکل نظر آتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شہیدِ اسلام مولانا یوسف لدھیانوی رحمہ اللہ پاکستان کی حالتِ زار پر بہت افسردہ تھے، چنانچہ آپ اپنی کتاب "آپ کے مسائل اور ان کا حل" جلد:۹ میں لکھتے ہیں:

"مسلمانانِ ہندوستان کی دلی خواہش اور چاہت تھی کہ ایک ایسی آزاد ریاست اور ملک میسر آجائے جہاں مسلمان آزادی سے قرآن و سنت کا آئین نافذ کر سکیں اور انہیں دین اور دینی شعائر کے سلسلے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، چونکہ مسلمانوں کا جذبہ نیک تھا، اس لئے اس میں جوان، بوڑھے، عوام و خواص اور عالم و جاہل سب برابر کے متحرک وفعال تھے۔ بالآخر لاکھوں جانوں اور عورتوں کی قربانی کے بعد ۱۴/ اگست ۱۹۴۷ء کو ایک مسلم ریاست کی حیثیت سے پاکستان معرضِ وجود میں آیا۔ قیامِ پاکستان کا مقصد اسلامی نظامِ حکومت یعنی حکومتِ الٰہیہ کا قیام باور کرایا گیا تھا، جس کا عنوان تھا: "پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الہ الا اللہ!" اور یہ ایسا نعرہ تھا جس کے زیر اثر تمام مسلمان مر مٹنے کے لئے تیار تھے، حتیٰ کہ وہ مسلمان جن کے علاقے تقسیمِ ہند کے بعد ہندوستان کی حدود میں آتے تھے وہ بھی اس کے قیام میں پیش پیش تھے، لیکن:

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ!" مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا

کی!" کے مصداق، آج نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرنے کے باوجود بھی پاکستانی مسلمانوں کو اسلامی نظامِ حکومت نصیب نہیں ہوا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رٰجِعُوْنَ! اُلٹا پاکستان روز بروز مسائلستان بنتا چلا گیا، اس میں مذہبی، سیاسی، روحانی غرض ہر طرح کے فتنے پیدا ہوتے چلے گئے۔"

معزز قارئین! یہ بات تو یقینی ہے کہ ان تمام فتنوں کو اسلام دشمن عناصر (موساد، سی آئی اے وغیرہ) کی پشت پناہی حاصل ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان فتنوں کے پسِ پشت پاکستانی حکومتی اہلکار اور خفیہ ادارے بھی فعال ہیں، کیونکہ جب ان فتنوں کو ختم کرنے کے واسطے عوام غیرت ایمانی سے لبریز ہو کر احتجاجوں کا سلسلہ شروع کرتے ہیں اور فتنہ بازوں کو تختہ دار پر لٹکانے کا مطالبہ کرتے ہیں، تو ان فتنہ پرداز تنظیموں کو بچانے کے لیے پاکستانی حکمران اور خفیہ ادارے سامنے آتے اور مختلف حیلوں بہانوں سے عوام کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، عوام کو مطمئن کرنے اور احتجاج کا سلسلہ ختم کرنے کی غرض سے وقتی طور پر بعض کو جیل تو بھیج دیتے ہیں، لیکن درحقیقت جیل بھیجنے سے بھی ان کی جان بچانا ہی مقصود ہوتا ہے، فتنے کو ختم کرنا نہیں۔

بہر حال پاکستان سمیت دنیا بھر میں جو نئے نئے فتنے سر اُٹھاتے ہیں، ان کے مقابلے میں دینی مدارس سد سکندری کا کردار ادا کر سکتے ہیں، ان فتنوں کو مزید پھیلنے سے روک سکتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ مدارس کے خلاف جاری پروپیگنڈوں سے متاثر ہوئے بغیر ہر پاکستانی اپنی اولاد میں سے کم از کم ایک باصلاحیت بچے کو کسی معیاری دینی درس گاہ میں داخلہ دلوا کر اس کی مسلسل سرپرستی و نگرانی کریں اور ساتھ میں ارباب مدارس یہ کوشش کریں کہ اپنے نظام تعلیم کو بہتر بنانے کے ساتھ ساتھ اپنا کردار ایسا بنائیں کہ عوام خود مدارس کی طرف راغب ہو جائیں، جو سازشیں مدارس کے خلاف ہو رہی ہیں ان کے بارے میں عوام کو آگاہی فراہم کریں، اور مدارس کے منتظم و مہتمم حضرات آپس کی رنجشوں میں پڑھنے کی بجائے حکومت کے مقابلے میں یک جان ہو کر واضح موقف اختیار کریں۔

قارئین کرام! ہر دور میں خصوصاً نواز شریف کے دوسرے دورِ اقتدار کے بعد ارباب اقتدار کے ہاتھوں مدارس اسلامیہ کو مختلف بحرانوں کا سامنا کرنا پڑا، مگر بفضل اللہ تعالی مدارس نہ صرف یہ کہ ان پیدا کردہ بحرانوں اور سازشوں سے بخیر وعافیت نکلے، بلکہ اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کے لیے اپنے سفر کو جاری بھی رکھا، کبھی آہستہ اور کبھی تیز۔

جیسا گزشتہ مضمون میں گزرا کہ عالمی سطح پر مسلمانوں میں جو خواب غفلت سے بیداری کی لہر اُٹھی، اس کے پس پشت بنیادی طور پر دینی مدارس کا کردار انتہائی اہم ہے۔ اسی وجہ سے اسلام سے خطرہ محسوس کرنے اور نیو ورلڈ آرڈر لانے والوں نے لازمی سمجھا کہ اسلامی مدارس کو بدنام کیا جائے، لوگوں کی عقیدت واحترام پر کاری ضرب لگائی جائے، چنانچہ انہوں نے مدارس کے خلاف ہرزہ سرائی شروع کی، کبھی کہا کہ مدارس میں فرقہ واریت کا درس دیا جاتا ہے، تو کبھی کہا کہ مدارس میں دہشت گردی کی تعلیم وتربیت دی جاتی ہے، کبھی کہا کہ مدارس میں پڑھنے والے دقیانوسی خیالات رکھتے ہیں، جدید دور کے تقاضوں سے نابلد ہیں، عصری ٹیکنالوجی سے بے بہرہ ہیں، بنیادی عصری تعلیم سے کورے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

قارئین کرام! یہ اور اس جیسے دیگر منفی پروپیگنڈے اس لیے شروع کیے جاتے ہیں کہ عوام الناس مدارس اسلامیہ اور علمائے کرام سے اتنے بدظن ہو جائیں اور مدارس سے اتنے دور ہو جائیں کہ ان کے ساتھ تعاون بھی چھوڑ کر بے دین ہو جائیں اور بدنامی کے خوف سے اپنے بچوں کو دینی تعلیم دلانا بھی چھوڑ دیں

اگر بات کریں مذہبی فرقہ واریت کی، تو پہلی بات تو یہ ہے

کہ جہاں تک ہمیں معلوم ہے مذہبی فرقہ واریت کے پیچھے پاکستانی خفیہ ایجنسیوں سمیت عالم کفر نے ہر طبقے میں اپنے ایجنٹس داخل کئے ہوئے ہیں، کی ایجنسیز کا بھی ہاتھ ہے، ان بدنام زمانہ ایجنسیوں وہ موقع بموقع کبھی شیعہ سنی اختلافات کو ہوا دیتے ہیں، تو کبھی دیوبندی بریلوی مسالک کے درمیان چھیڑ چھاڑ کروا کر اپنے مذموم مقاصد تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کو تو چھوڑئے ! کیونکہ ان کا باہمی اختلاف عقائد میں ہے، پاکستانی ایجنسیوں کے بعض ایجنٹس تو فقہی فروعی اختلافات کو ایمان و کفر کی حیثیت دے کر لوگوں کو گرمانے اور آپس میں لڑانے کے لیے سر توڑ کوشش کرتے ہیں، عوام ایجنسیوں کے ایسے اہکاروں سے واقفیت حاصل کر کے ہوشیار رہیں، باہمی جنگ وجدال سے اپنے آپ کو بچائیں ۔۔

دوسری بات یہ سمجھنا ضروری ہے کہ فرقہ واریت کسے کہتے ہیں؟ آیا حقیقتاً مدارس کا کردار ایسا ہے جس کی وجہ سے وطن عزیز میں فرقہ واریت کو فروغ مل رہا ہے؟ کیونکہ بعض اوقات ناسمجھ لوگ اس کو بھی فرقہ واریت سمجھتے ہیں کہ کسی گمراہ کن عقیدے پر عام انداز سے عوام الناس کو سمجھایا جائے، اپنے مسلک کو مدلل انداز میں لوگوں کے سامنے رکھا جائے، لوگوں کو اپنے مسلک پر جمنے (تصلب فی الدین) کی ترغیب دی جائے، اپنے محلے کے پرامن ماحول کو بچانے کی غرض سے کوئی مرکز شرک نہ کھلنے دیا جائے، موجودہ فتنوں (غامدی، زید حامد، وغیرہ) کے خلاف علمی و عملی جدوجہد کی جائے۔

میرے بھائیو! مذکورہ بالا کام مدارس اور علماء کی ذمہ داریوں میں داخل ہیں، ان پر عوام کا یہ حق ہے کہ وہ انہیں کج روی سے روکیں، انہیں گمراہ ہونے سے بچائیں، انہیں سیدھی راہ پر لائیں، اسلام دشمن عناصر کے ہاتھوں ایمانی لوٹ مار سے بچائیں، اس لیے گزارش کی جاتی ہے کہ ان کاموں کو فرقہ واریت نہ سمجھا جائے، اور مدارس وعلماء پر فرقہ واریت کا الزام لگا کر معاشرے میں انہیں غیر موثر بنانے کی کوششوں سے گریز کیا جائے، ورنہ یہ اسلام دشمنی تصور ہوگی، ایسا پروپیگنڈا کرنے والے لوگ مسلمانوں کے یہاں غیروں کے ایجنٹ تصور ہوں گے، اور عین ممکن ہے کہ ایسے لوگ اپنے مشن کی تکمیل سے پہلے ہی اپنی جان گنوا دیں۔

اگر بالفرض! ہم مان لیں کہ مدارس میں فرقہ واریت کی تعلیم دی جاتی ہے تو ایک مذہبی فرقہ واریت ہی ہے جو ان کو نظر آتی ہے، جس کی مذمت کے ساتھ ساتھ اسے ختم کرنے کے پروگرام بھی بنائے جاتے ہیں، تمام برائیاں انہیں اسی کے ارد گرد گھومتی نظر آتی ہیں، انہیں سیاسی فرقہ واریت نظر نہیں آتی کہ جس نے پاکستان کے عوام کو بانٹ کر سینکڑوں جماعتوں میں تقسیم کر کے ایک دوسرے کا دشمن بنا رکھا ہے، ہر محلے میں بلکہ ہر گھر میں سیاسی فرقہ واریت کی وجہ سے نفرتیں دن بدن بڑھتی چلی جارہی ہیں، آئے دن کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ان تنظیموں کے کارکنان آپس میں مشت وگریبان نظر آتے ہیں، پاکستان میں سیاسی جھگڑے زوروں پر ہیں، سیاسی فرقہ واریت کی بنا پر اہلیانِ پاکستان کی معاشی صورت حال ابتر ہوتی جارہی ہے۔ سیاسی جلسوں، جلوسوں، دھرنوں اور ہڑتالوں نے عوام کی ناک میں دم کر کے رکھ دیا ہے، اور اگر کوئی سیاسی لیڈر سیاسی فرقہ واریت کا نشانہ بن کر قتل ہو جائے تو پھر تو اس پارٹی کے کارکنان کے لیے عوام کی جان ومال لینا بھی مباح ہو جاتا ہے، حکومت کی طرف سے اس پر ایکشن لینا تو درکنار بلکہ حکومت خود ان کے ساتھ مل کر عوام کے گھروں سے نکلنے پر بھی پابندی لگا دیتی ہے، کوئی بھوک سے مرے یا بیمار ہو کر، حکومت انہیں ان فتنوں سے تحفظ نہیں دیتی۔

قارئین کرام! جن لوگوں کو صرف مذہبی فرقہ واریت نظر آتی ہے اور اس کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں درحقیقت یہ دین

دشمن عناصر ہیں، ان کی ایک عرصے سے یہی کوشش ہے کہ دین کے قلعوں (اسلامی مدارس) کو مذہبی فرقہ واریت اور دہشت گردی کے نام پر اتنا بدنام کر دیا جائے کہ لوگ مدارس سے بدظن ہو کر اسلامی تعلیمات سے بے خبر ہو جائیں اور بے دینی کے سیلاب میں بہہ جائیں، اور عالمی طاغوتی نظام (کو غیر خطرناک سمجھتے ہوئے اس) کا حصہ بن جائیں۔ کیونکہ اسلام دشمن عناصر کو معلوم ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کا خاتمہ بزورِ طاقت ممکن نہیں، کیونکہ اس بابت وہ اپنے ناکام تجربات سے گزر چکے ہیں، اس لیے انہوں نے اس بار یہ منصوبہ بندی کی کہ اگر اپنے مقصد تک پہنچنا ہے تو ایسا طریقہ کار اختیار کرنا پڑے گا کہ مسلمانوں سے ان کی اسلامی روح ختم کر کے انہیں فکری و تہذیبی ارتداد میں دھکیلا جائے، انہیں اسلامی تعلیمات سے دور کر کے اپنے مغربی رنگ میں رنگا جائے۔

در حقیقت فرقہ واریت کا یہ پروپیگنڈا اسی تسلسل کا حصہ ہے جو مشرکینِ مکہ نے سرورِ کونین ﷺ کے خلاف کیا تھا، لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ دین دشمن عناصر اپنے مکروہ عزائم میں نہ پہلے کامیاب ہوئے، اور نہ اب کامیاب ہوں گے۔ (ان شاء اللہ)

رہی بات دینی مدارس میں عصری علوم اور جدید ٹیکنالوجی کی، تو اس کے بارے میں گزارش یہ ہے کہ ہر چیز بنانے کے اپنے مقاصد ہوتے ہیں، تمام ادارے اپنے ماتحتوں کے لیے ایسی تنظیم سازی کرتے ہیں کہ جس کی مدد سے وہ اپنے مقاصد تک آسانی کے ساتھ پہنچیں اور غیر ضروری کاموں میں انہیں وقت برباد نہ کرنا پڑے۔ مثلاً ہر کمپنی میں مینیجر، سوپر وائزر، ورکرز اور چوکیدار وغیرہ میں سے ہر ایک کا اپنا مخصوص کام ہوتا ہے، ہر کام کے اپنے مقرر اوقات ہوتے ہیں، ہر ایک کو اپنی ذمہ داری پوری کرنے اور دوسروں کے کام میں دخل اندازی پر پابندی ہوتی ہے، یعنی آل راؤنڈر بننے کی اجازت کسی کو نہیں ہوتی کہ ایک ورکر مینیجر یا سپر وائزر کی ذمہ داری ادا کرے۔ اسی طرح ہر کمپنی اپنی کوئی مخصوص پروڈکٹ ہی تیار کرتی ہے، ایک کمپنی میں دنیا جہاں کی تمام مصنوعات نہیں تیار کی جاسکتیں، بلکہ ٹیکسٹائل مل کا کام کپڑا تیار کرنا ہوتا ہے اور شوگر مل کا کام چینی بنانا، شوگر مل سے کپڑا بنانے کا مطالبہ کرنا بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں۔ البتہ شوگر مل سے مخصوص شوگر تیار کرنے کا مطالبہ اور ٹیکسٹائل مل سے عمدہ سے عمدہ کپڑا بنانے کی اپیل کی جاسکتی ہے۔

معزز قارئین! یہی حال مدارس کا بھی ہے، کہ اسلامی مدارس خالص علومِ اسلامیہ کے مراکز ہیں، مدارس بنانے کے مقاصد حافظ، قاری، مولوی، مفتی اور اسلامی علوم کے ماہرین پیدا کرنا، طلبہ میں فکرِ آخرت پیدا کرنا، جہل و بے دینی کا خاتمہ کرنا، باطل نظریات کی پہچان کروا کر انہیں ان سے تحفظ فراہم کرنا، معاشرے کو راہِ راست پر لانے کے لیے داعیانِ اسلام تیار کرنا، اسلاف کے کردار سے طلبہ کو روشناس کرا کر ان کے نقشِ قدم پر چلنے کا جذبہ بیدار کرنا اور اسلام کے نڈر سپاہی پیدا کرنا ہے۔

مدارس کی بنیاد اس بات پر رکھی جاتی ہے کہ یہاں پڑھنے پڑھانے والے دنیا طلبی سے کوسوں دور رہ کر فقط اسلامی علوم کو ترویج دیں، انہیں عملی جامہ پہنائیں، ان کے دشمنان کے خلاف علمی انداز میں جدوجہد کریں، الٰہی قانون و نظام پر کیے جانے والے اعتراضات کے مدلل جوابات دیں، جدید مفکرین کے اسلامی احکام کی غلط تشریحات اور اسلام کی بگڑی ہوئی شکل کو واضح کر کے اسلام کو دنیا کے سامنے اپنی حقیقی شکل میں پیش کریں۔

یہ اور اس جیسے دیگر نیک مقاصد تب ہی ممکن ہو سکتے ہیں کہ جب مدارس کو اپنے کام سے جڑا رہنے دیا جائے، انہیں اپنے مقاصد میں پورے انہماک کے ساتھ کام کرنے دیا جائے اور ساتھ میں مدارس کا نصاب و نظام ایسا برقرار رکھا جائے کہ

اساتذہ وطلبہ اور متعلقینِ مدرسہ تعلیمی اوقات میں یکسوئی کے ساتھ دینی علوم کی تعلیم و تعلم اور انتظام میں مشغول رہیں۔

مدارس کو دینی علمی مصروفیت کے علاوہ دیگر مصروفیات (مثلاً جدید تعلیم و ٹیکنالوجی) کی طرف دعوت دینا ترقی کی راہ پر گامزن کرنا نہیں۔ اس قسم کے مشورے اور دعوت دینے والے اسلامی مدارس کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے، بلکہ مدارس کے یقینی بدخواہ و دشمن ہیں۔ مدارس کو جدید تعلیم و ٹیکنالوجی جیسی خوش نما باتوں کے ذریعے اگر اپنے کام (فکرِ آخرت و تحصیلِ دین) سے نکالا گیا تو یہ مدارس کے لیے تباہی و بربادی کا پیش خیمہ ثابت ہو گا۔

گرامی قدر قارئین! مدارس کے قیام کا مقصد اصلی مسلمانوں کی دینی ضرورت کی تکمیل ہے، مدارس کے قیام کا مقصد کبھی بھی یہ نہیں رہا کہ مسلمانوں کو دنیوی فراوانی و خوشحالی کے اسباب مہیا کئے جائیں، انہیں انجینئرز، ڈاکٹر اور سائنس دان بنایا جائے، انہیں جدید معاشیات میں سودی لین دین کے اتار چڑھاؤ سے واقف کیا جائے، انہیں اسٹاک ایکسچینج میں جاری جوئے اور سٹے کے کاروبار میں ماہر بنایا جائے۔ اس لیے جو لوگ مدارس سے اس قسم کی اُمید رکھتے ہیں یا مطالبہ کرتے ہیں وہ مدارس کے قیام کے مقاصد سے ناواقف ہیں، انہوں نے کبھی یہ نہ سوچا کہ

مدارس کے قیام کا مقصدِ اصلی مسلمانوں کی دینی ضرورت کی تکمیل ہے، مدارس کے قیام کا مقصد کبھی بھی یہ نہیں رہا کہ مسلمانوں کو دنیوی فراوانی و خوشحالی کے اسباب مہیا کئے جائیں، انہیں انجینئر، ڈاکٹر یا سائنس دان بنایا جایا، انہیں جدید معاشیات میں سودی لین دین کے اتار چڑھاؤ سے واقف کیا جائے، انہیں سٹاک ایکسچینج میں جاری جوئے اور سٹے کے کاروبار میں ماہر بنایا جائے۔ اس لئے جو لوگ مدارس سے اس قسم کی امیدیں رکھتے ہیں یا مطالبہ کرتے ہیں وہ مدارس کے قیام کے مقاصد سے ناواقف ہیں، انہوں نے کبھی یہ نہ سوچا کہ مدارس کے ساتھ اگر ایسا معاملہ کیا جائے تو مدارس سنگین خطرات سے دوچار ہو سکتے ہیں اور ہماری آنے والی نسل زندگی کے اصل مقصد سے بے بہرہ ہو جائے گی، مشرقی (اسلامی) تہذیب کے بجائے مغربی تہذیب میں رنگ جائے گی، اور مادر پدر آزاد کلچر کو ترقی اور روشن خیالی سمجھ کر اپنائے گی اور اسلامی رسم ورواج اور آداب سے دور ہو جائے گی۔

یہاں ایک سوال ذہنوں میں اُبھرتا ہے کہ آخر دینی مدارس کو عصری تعلیم اور جدید ٹیکنالوجی سے اتنی عداوت کیوں ہے؟ انہیں وہ "شجرۂ ممنوعہ" کیوں سمجھتے ہیں کہ اس بارے میں سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں؟

اس سوال کے حل کے لئے ہم نے سابق میں واضح جوابات دیئے ہیں، مگر ایک انتہائی قابلِ قدر اور ذی استعداد مجاہد ساتھی مجھ سے ملے، انہوں نے مجلہ "طالبان" میں میرا مضمون پڑھا تھا، مجموعی اعتبار سے انہوں نے مضمون کی تائید کی، البتہ مدارس میں عصری تعلیم اور جدید ٹیکنالوجی کے عدم وجود اور عدم دخول سے متعلق میری سابقہ گذارشات سے انہیں تشفی نہ تھی، اس لئے میں نے ضرورت محسوس کی کہ اسے مزید منقّح ومشرّح کیا جائے، تاکہ ان سمیت اوروں کے اشکالات بھی دور ہو جائیں، لہذا اس کے حل کے لیے چند باتیں بطورِ تمہید ضروری ہیں:

پہلی بات تو یہ کہ کسی بھی ادارے پر تبصرہ یا تنقید کرنے سے پہلے یہ دیکھنا لازمی ہے کہ اس ادارے کے مقاصد کیا ہیں اور کن اہداف کے حصول کے لئے اس کا قیام عمل میں لایا گیا ہے؟ دوسری بات یہ کہ اس ادارے کے اہداف ومقاصد کتنی اہمیت کے حامل ہیں اور قوم و ملت کے لئے وہ اہداف کتنے ناگزیر اور سود مند ہیں؟

تیسری یہ کہ اس ادارے کو اپنے مقاصد کے حصول میں کتنی کامیابی ملی اور اس کے قیام سے لیکر اب تک اس کی کارکردگی

کیا رہی؟

یہ وہ اُمور ہیں جو انتہائی اہم وضروری ہیں، انہیں نظر انداز کرکے کسی ادارے پر تبصرہ یا تنقید کرنا میرے خیال میں حقائق سے چشم پوشی کے سوا کچھ نہیں، ان امور کو نظر انداز کرکے تبصرہ یا نقد کرنے والا شخص مبصّر ونقّاد ہونے کے بجائے اس ادارے کا بدخواہ ہی متصور ہو گا۔

گرامی قدر قارئین!

دینی مدارس کے اہداف ومقاصد ہم نے سابقہ مضمون میں تفصیل کے ساتھ بیان کئے ہیں اور اور ان کی اہمیت بھی واضح کی ہے، لیکن مزید وضاحت کے لئے "ماہنامہ الحق اکتوبر ۲۰۱۳ء" کے ایک اقتباس کو (جو تخصّص فی الفقہ الاسلامی سے متعلق ہے) قارئین کے سامنے رکھتا ہوں:

دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں جو دین کے ہر شعبے میں دین متین کی خدمات میں مصروف ہیں اور چونکہ ان کا سِرا جاکر سینہ نبوت سے جاملتا ہے، اس لئے کہ ان کی تمام ذمہ داریوں اور فرائض، تعلیم و تعلّم، تدریس و تصنیف، دعوت و تبلیغ کیلئے بے پناہ صلاحیت و استعداد، اساتذۂ فن کی صحبت و تربیت، طلب علم کی راہ میں جانکاہی، جگر سوزی، تقویٰ و تدیّن، ربط و استناد کی ضرورت ہے، جس کے بغیر یہ فریضۂ وراثت ادا نہیں ہو سکتا۔ مگر ان تمام ذمہ داریوں میں پل صراط پر چلنے جیسی نازک ذمہ داری قضاء وافتاء کی ہے جس کی شرائط وصفات اتنی ہی نازک، حساس اور عمیق ہیں، صرف ذکاوت و ذہانت اور وسعت مطالعہ نہیں بلکہ علماء راسخین کا رسوخ، تبحّرِ علمی، کتاب وسنت کے وسیع متنوع قدیم وجدید ذخیروں پر عبور تغیرات و تبدلات زمانہ سے آگاہی اور ہر لمحہ پیدا ہونے والے تہذیبی، معاشرتی اور سماجی و عرفی حالات اور عہد جدید کے پیدا کردہ مسائل اور چیلنجوں سے واقفیت، پھر سائل اور مستفتی کے سوال اور ماخذ شریعت کے نصوص تک پہنچنے کی صلاحیت لازمی ہے جسے فقہ کی ایک تعریف میں "فہم غرض المتکلم" سے تعبیر کیا گیا ہے اور حدیث میں جسے "خیر" کا ایک عظیم سرمایہ قرار دیا گیا ہے: « من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین » (الحدیث)

گرامی قدر قارئین!

ہمارے اکابر جب دینی مدارس کی بنیاد رکھ رہے تھے تو ان کے یہاں مقصود یہ تھا کہ مدارس کی چہار دیواریوں میں اُمت کے سعادت مند نونہالوں کو اسلامی تعلیم وتربیت سے آراستہ کیا جائے گا، انہیں اس قابل بنادیا جائے کہ وہ "مادیت" کی تیز و تند آندھیوں میں "روحانیت" کے چراغ روشن رکھ سکیں، سادہ اور قناعت کی زندگی اپنا کر دین کی سربلندی اور گلشن محمدی کی آبیاری کے لئے اپنے آپ کو وقف کردیں۔ قیامِ مدارس ہرگز اس لئے عمل میں نہیں لایا گیا تھا کہ اُن سے مادی فوائد حاصل کرکے دنیوی خوشحالی حاصل کی جائے۔ چنانچہ اسی مقصد کو واضح کرتے ہوئے بانیٔ دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ نے فرمایا تھا:

"ہم نے مدرسہ مُلا، مولوی تیار کرنے کے لئے قائم کیا ہے، جدید علوم کے لئے تو اور بہت سے دنیاوی ادارے ہیں"۔

اور حضرت مولانا شیخ سلیم اللہ خان صاحب رحمہ اللہ (سابق صدر وفاق المدارس العربیہ) اس جیسے مطالبے کے وقت فرمایا کرتے تھے: "مجھے خالص ملوانڑے بنانا ہے" ڈاکٹر، انجینئر وغیرہ نہیں۔

قیامِ مدارس کا واضح بنیادی مقصد مسلمانوں کے ایمان وعقیدے کی حفاظت، اسلامی شعائر کا تحفظ، علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت، پیغامِ مصطفیٰ کی دعوت و تبلیغ، مسلمانوں میں رائج بدعات وخرافات کا قلع قمع اور ہر نئے فتنے کا تعاقب کرنا ہے۔ اگر ہم خلاصے کے طور پر دینی مدارس کے قیام کا مقصدِ اصلی بیان کرنا چاہیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ "دینی مدارس کے قیام کا مقصدِ اصلی مسلمانوں کی دینی ضرورت کی تکمیل ہے"۔ اس بنیادی مقصد کی اہمیت وہ لوگ جانتے ہیں جو

اندرونِ سندھ، پنجاب کے دور دراز دیہات، چین اور روس وغیرہ ممالک میں تبلیغی اسفار کر چکے ہوں، جہاں مسلمان کہلانے کے باوجود لوگوں کو کلمہ پڑھنا نہیں آتا، جہاں مسجدیں ویران پڑی ہوتی ہیں، جہاں تبلیغی جماعت والوں سے لوگ مرنے سے پہلے اپنی نمازِ جنازہ پڑھوانے کی درخواست کرتے ہیں کہ وہاں سے جماعت جانے کے بعد کوئی نمازِ جنازہ پڑھانے والا نہیں ملتا۔

لہذا اس بنیادی مقصد کو چھوڑ کر عصری علوم وفنون میں لگنا ایسا ہے جیسے ایک شخص اپنے اہلِ خانہ کے لئے بنیادی ضروریات ٹھیک سے فراہم نہیں کر سکتا، کرایہ نہ ہونے کی وجہ سے پیدل فیکٹری آتا جاتا ہے اور دور بیٹھا شخص اُسے مشورے دیتا ہے کہ فلاں کریم اور لوشن خریدو تاکہ تمہارے چہرے میں نکھار آجائے، تم پیدل فیکٹری آتے جاتے ہو مارکیٹ میں فلاں ماڈل کی بہترین گاڑی آئی ہے اُسے خریدو، وغیرہ وغیرہ۔

بھائی صاحب! ہم بھی سمجھتے ہیں کہ ایسا ہو جائے کہ ایک شخص عالم ہونے کے ساتھ ساتھ بہترین ڈاکٹر ہو، بہترین انجینئر ہو، بہترین بزنس مین ہو، موجودہ سیاسی و قانونی پیچیدگیوں سے واقف ہو، مگر بنیادی مقصد پر سودا کرنا عقلمندی کا کام نہیں، اگر یہ سودا ہو جائے تو میں اسے مدارس کے واسطے « لینے کے دینے پڑنا » تصور کروں گا۔

رہی بات دینی مدارس کی کارکردگی کی کہ کیا رہی ہے؟ اور مقاصد کے حصول میں انہیں کتنی کامیابی ملی ہے؟۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ پوری دنیا کے مقتدر طبقات خصوصاً نیو ورلڈ آرڈر قائم کرنے والوں نے دین ومذہب کا نام مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا ہے، ہر طرف کفر وشرک کے گھٹاٹوپ اندھیرے ہیں، مذہب بیزاری اپنے عروج پر ہے، مگر جہاں جہاں خود مختار دینی مدارس قائم ہیں وہاں انہی کی خدمات کا ثمرہ ہے کہ آپ کو اسلامی تہذیب وثقافت اور دینی رسوم وعبادت کے روشن آثار نظر آئیں گے، عموماً لوگ دینی جذبات واحساسات کے حامل ہوں گے، مسلمانوں میں طاغوتی نظام اور بے دینی کے خلاف انقلاب کی چنگاری سُلگ رہی ہوتی ہے، انہیں فقط رہبر کی ضرورت ہوتی ہے، جس کا مشاہدہ نائن الیون ۲۰۰۱ء کے بعد پاکستان میں سب نے کیا۔

مدارس کو اپنے مقاصد میں حیرت انگیز کامیابی حاصل ہوئی ہے، ان کی چہار دیواریوں سے بہت کم مدت میں لاتعداد مفسّرین ومحدّثین، فقہاء ومفتیان، متکلّمین ومبلّغین اور مناظر حضرات تیار ہو کر نکلے ہیں، جنہوں نے اسلامی تعلیمات کو بستی بستی پہنچایا، ناموسِ رسالت کی حفاظت کی، اسلام دشمن عناصر کے ملحدانہ نظریات کی راہ روکی، برصغیر (پاک وہند) کے مسلمانوں کو سامراج کے پنجوں سے آزادی دلوائی۔

گرامی قدر قارئین! دینی مدارس کی کارکردگی کی بات چل رہی تھی تو اس بارے میں خلاصے کے طور پر کہہ سکتا ہوں کہ دینی مدارس وجامعات نے بچے کی ولادت کے بعد کان میں اذان دینے سے لے کر نماز جنازہ پڑھانے تک اُمت مسلمہ کی دینی وتعلیمی رہنمائی کے لئے ایسی خدمات پیش کیں ہیں کہ کوئی ایک مسلمان بھی ایسا نہیں مل سکتا جو ان خدمات سے محروم رہا ہو۔

قارئین کرام! دینِ اسلام عصری علوم وفنون کو حاصل کرنے سے منع نہیں کرتا، مگر المیہ یہ ہے کہ عصری علوم وفنون کے محصّلین میں ایک بڑی تعداد دین سے بے بہرہ لوگوں کی ہوتی ہے اور ایک معتد بہ تعداد تو ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو دین سے بیزاری کی اس حد تک پہنچی ہوتی ہے کہ تمام تر مشکلات کی وجہ انہیں دین اور دیندار لوگ نظر آتے ہیں، وہ یہی سمجھتے ہیں کہ دین اور دینداروں کے صفائی سے ملک ترقی کی راہ پر گامزن ہو جائے گا، امریکہ کی طرح ہم بھی چاند پر

کمندے ڈالنے کے دعویدار بن جائیں گے۔ اب دین سے یہ بے بہرگی یا دین سے بیزاری کا ذمہ دار کس کو ٹھہرایا جائے؟

نصابِ تعلیم کو یا نظامِ تعلیم کو؟

میں تو سمجھتا ہوں کہ دونوں مساوی درجہ میں اس کے ذمہ دار ہیں، کیونکہ عصری اداروں میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے اس میں صرف غیر شرعی نظریات ہی نہیں بلکہ کفری نظریات بھی شامل ہیں، مثلاً نظریۂ ارتقاء، نظریہ وجودِ کائنات وغیرہ، اور یہ نظریات ایسے ہیں جن کو پڑھ کر ایک شخص حقیقی انسان (یعنی اپنے خالق ومالک کے احکام کی بجاآوری کرنے والا) بننے کی بجائے اپنے آپ کو مستقل بالذات سمجھنے لگتا ہے، وہ حلال وحرام سے صرف نظر کرکے من مانی زندگی گزارنا اپنا حق سمجھتا ہے، وہ اپنی خواہش کو اِلٰہ کا درجہ دے کر اس کی پیروی کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا ہے، اس کی تمام عمر کا حاصل پُر تعیّش وپُر آسائش زندگی ہوتی ہے۔ اسی طرح تقریباً تمام عصری اداروں میں تعلیم جس نظام کے تحت دی جا رہی ہے وہ اُس مغربی دنیا سے درآمد شدہ ہے جو مادیت پرستی میں اپنی نظیر نہیں رکھتا، اس نظام کے تحت پڑھنے والا بقول لارڈ میکالے پاکستانی یا ہندوستانی تو ہوگا مگر اس کی وفاداری انگلستان سے ہوگی، وہ مغرب کا ترجمان ہوگا، وہ فقط نام کا مسلمان ہوگا اس کی ہمدردی بجائے مسلمانوں کے مغرب کے ساتھ ہوگی، اُس کے لئے آئیڈیل دین بیزار لوگ ہوں گے، حتی کہ اس کے چلنے پھرنے اور کھانے پینے کا انداز بھی وہی ہوگا جو اس کے مغربی آقاؤں کا ہوتا ہے۔

گرامی قدر قارئین!

خالص اسلامی تعلیم ہی ہمارے بہترین معاشرے کی ضامن ہے، ہمیں چاہئے کہ اپنے مستقبل کو مغرب کی کھوکھلی اور مادہ پرستانہ تعلیم سے بچائیں، ہمیں اپنی اولاد کو پیسہ کمانے کی مشین بنانے کے بجائے ایسا نابغہ روزگار بنانا چاہئے کہ وہ دنیا میں کسی سے مرعوب نہ ہو اور آخرت میں رفعِ درجات کا موجب ہو، ورنہ ہمیں بھی مغرب کی طرح مادیت پرستی کے خطرناک وسنگین نتائج سے دوچار ہونا پڑے گا، جس کے آثار ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں، چند فیصد کو چھوڑ کر باقی اہلیانِ پاکستان اسبابِ دنیا جمع کرنے کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، یہی لوگ ان دینداروں کو جو دنیا کی طرف پُشت کرکے آخرت کی فکر میں مگن ہیں، طنزیہ انداز میں مخاطب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

قارئینِ کرام! دینی مدارس میں عصری علوم وفنون لانے کے بجائے اگر عصری تعلیمی اداروں میں بھی مذہبی تعلیم کو بنیادی حیثیت دی جائے تو میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جب یہ لوگ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تعلیم پائیں گے، ان کے دل میں بھی دین کی تڑپ پیدا ہو جائے گی تو ایک بہترین معاشرہ تشکیل پائے گا، جب یہ لوگ زندگی کے اصل مقصد سے واقف ہوں گے تو اپنی آنے والی نسل کو بھی اس سے روشناس کرسکیں گے، اور یوں ہم اس قابل ہو سکیں گے کہ ملت اسلامیہ سمیت تمام اقوامِ عالم کی قیادت کرسکیں، پوری دنیا میں شیطان اور اس کے پجاریوں کو زیر کرنے اور اسلام کا بول بالا کرنے کا اعزاز حاصل کرسکیں، ترقی کے اعلیٰ مینار حاصل کرسکیں، پھر ہمیں امریکہ اور ورلڈ بینک وغیرہ سے بھیک اور قرضے مانگنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ وطنِ عزیز کے اربابِ اقتدار کا اولین ہدف وہ دینی ادارے ہیں جن میں امن وآشتی، محبت وبھائی چارے، اسلامی اَقدار اور وطن کی حفاظت کی بے لوث تعلیم دی جاتی ہے، ان (اربابِ اقتدار) کی ہمیشہ یہی کوشش رہتی ہے کہ اپنے مغربی آقاؤں کی خوشنودی کے لئے ایسی پالیسیاں سامنے لائیں جس کی بدولت مدارس وجامعات کو ملک میں قائم مغرب زدہ تعلیمی نظام میں شامل کرنے پر مجبور کیا جائے، یا کم از کم ان کے انتظامی، مالی اور نصاب سے متعلق امور کی نگرانی حکومت کے زیر اثر ہو جائے۔ پھر یہ

لوگ اپنی پالیسی کو معقول ثابت کرنے، لوگوں کو اپنا ہمنوا بنانے اور مدارس کی حیثیت گھٹانے کے لئے کہتے ہیں کہ مدارس میں دہشت گردی کی تعلیم دی جاتی ہے، وطن میں جاری خون ریزی کے پیچھے مدارس اور منتظمینِ مدارس کا ہاتھ ہے، مدارس دہشت گردی کے اڈے ہیں، مدارس سے دہشت گردوں کی مالی پشت پناہی کی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور یہ صرف پروپیگنڈے تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ اکیسویں صدی کی دوسری دھائی میں سب سے زیادہ پاکستانی اسٹیبلشمنٹ نے مدارس میں پڑھنے پڑھانے والوں کو شہید وگرفتار کیا، اور انہیں ڈرایا دھمکایا۔

یہی وجہ ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے بچوں کو مدارس بھیجنا چھوڑ دیا، بعض معاونینِ مدارس نے ان سے تعاون ترک کردیا، اور معاملہ یہاں تک پہنچا کہ بعض اربابِ مدارس نے الزامات سے بچنے اور خود کو روشن خیال ظاہر کرنے کے لئے سابق ڈی جی آئی ایس پی آر میجر جنرل آصف غفور کو اپنے یہاں مدعو کیا، اور پھر اسے وہ پروٹوکول ومحبت دی جس سے اُن مدارس اور اہلیانِ مدارس کے ماتھے پر انتہائی بدنما داغ لگ گیا کہ جو فوج اور خفیہ ادارے آج تک مدارس وجامعات کو وطنِ عزیز کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہوئے ان کے خلاف فوجی آپریشنز کرتے رہے ہیں اُن کا ترجمان اِس قدر معزز ومکرم ہوگیا کہ قال اللہ اور قال الرسول کہنے والے اس کا ماتھا چومنے لگے، اس کے ساتھ سیلفی لینا اپنے لئے اعزاز سمجھنے لگے، مسلمانوں کے چندے سے اسے پُر تکلف ظہرانہ دینے لگے، اس کے ساتھ اپنے اساتذہ و معلمین سے بڑھ کر عقیدت واحترام کے ساتھ پیش آنے لگے

معزز قارئین! جن اربابِ مدارس نے فوجی ترجمان کو اعزاز واکرام سے نوازا، مجھے ان پر انتہائی حیرت وتعجب ہے کہ آیا یہ وہ فوج نہیں جس نے مسجد ومدرسہ کا تقدس پامال کیا؟

جس نے سینکڑوں مدارس ومساجد کو ڈھایا؟

جس نے علماء ومشائخ کو شہید کیا؟

جس نے ہزاروں محبانِ دین ووطن (مجاہدین) کو شہید کیا؟

جس نے لاتعداد اسلام پسند عوام کو اپنے گھروں سے بے دخل کیا؟

جس کی قید میں اب تک ہزاروں اہلیانِ پاکستان ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں؟

جس نے دہشت گردی کے خلاف آپریشن کے نام پر مسلمانانِ پاکستان کی چادر وچاردیواری کی عزت وناموس سے کھیلا؟

جس نے اسلامی تاریخ خاک میں ملاتے ہوئے سینکڑوں مجاہدین سمیت دخترِ وطن ڈاکٹر عافیہ صدیقی کو ڈالروں کے عوض امریکہ کے حوالہ کیا؟

اور سب سے بڑھ کر آیا یہ وہ فوج نہیں جو ہمیشہ اسلامی نظام کے نفاذ میں سب سے بڑی رکاوٹ ثابت ہوئی؟۔

آپ یہ سب کچھ اتنی جلدی کیسے بھول گئے؟

کیا آپکو یاد نہیں کہ اسی فوج نے جامعہ حفصہ اور لال مسجد کے طلبہ وطالبات کو فاسفورس بموں سے جلا کر خاکستر کیا؟

کیا آپکو یاد نہیں کہ اسی فوج نے اِمارت اسلامیہ افغانستان کو گرانے میں فرنٹ لائن اتحادی کا کردار ادا کیا؟

کیا آپکو یاد نہیں کہ اسی فوج نے پاکستان بنتے وقت "ہندو مسلم فسادات" برپا کرنے کی خاطر مسلمانوں کا قتلِ عام کیا؟

کیا آپکو یاد نہیں کہ اسی فوج کے غلط کردار نے مشرقی پاکستان کو ہم سے جدا کیا؟ اور آج ایک بار پھر یہی فوج اسلام پسندوں کے مقابلے میں بھیانک پالیسی پر عمل پیرا ہے، جس نے ایک مرتبہ پھر ملک کو سقوط کے دہانے پر لا کھڑا کردیا ہے۔

کیا آپکو معلوم نہیں کہ اسی فوج کے ہاتھوں ہزاروں مائیں، بہنیں اور بچے فریادی بینر اٹھائے سڑکوں پر سسک رہے ہیں؟

کیا آپکو معلوم نہیں کہ اس فوج نے مظلوم فلسطینی مسلمانوں

پر صرف اس لئے بمبار کی تا کہ اس سے عالمی طاغوت خوش ہو جائے؟

کیا آپکو معلوم یاد نہیں کہ اسی فوج نے عراقی مسلمانوں کے خلاف امریکہ کا ساتھ دیا؟

کیا آپکو معلوم نہیں کہ یہ وہی فوج ہے جو ہمیشہ دینی مدارس اور دینداروں کے درپے رہتی ہے؟

اگر یہ سب معلوم ہونے کے باوجود انہوں نے ایسا کیا تو پھر میں یہی سمجھوں گا کہ ان کی اسلامی غیرت کا جنازہ نکل چکا ہے، ان میں اسلامی حمیت برائے نام بھی موجود نہیں رہی۔ یہ لوگ یا تو اپنی اصلیت و حقیقت سے نکل گئے ہیں یا خوف وڈر کے مارے انہیں سمجھ نہیں آتا کہ کیا کریں؟ اور اگر انسان ہونے کے ناطے بھول یا خطاء کا شکار ہوگئے تو خدارا آئندہ مسلمانوں کے آستین کے سانپوں کو پالنے، انہیں بڑا بنانے، ان کی گرتی ہوئی ساکھ کو بچانے کی ہرگز کوشش نہ کریں، بلکہ مسلمانانِ پاکستان کو ان سے چھٹکارا دلانے کے لئے میدانِ عمل میں کود پڑیں، عوام کے سامنے ان کے مکروہ چہرے سے پردہ اٹھائیں، ان کی اسلام دشمنی لوگوں پر واضح کریں، اور اگر یہ نہ کر سکیں تو خدارا اِن کرائے کے گدھوں سے کم از کم خود کو دور رکھیں، تا کہ لوگ مغالطے میں نہ پڑیں، لوگ ان پر اسلامی فوج کا گمان نہ کریں، لوگ انہیں اسلام کے محافظ نہ گردانیں، لوگ انہیں شہادت کے تمغوں سے نہ نوازیں۔

قارئین کرام! مدارس کو درپیش خطرات میں سے سب سے بڑا خطرہ پاکستان پر مسلط حکمران طبقہ ہے، اس طبقے کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی ہے کہ مدارس کو بدنام کیا جائے، مدارس پر ایسے لیبلز لگائے جائیں کہ لوگ مدارس کا رُخ نہ کریں اور مدارس کے ساتھ تعاون چھوڑ دیں، لیکن "پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا" یہ طبقہ مدارس کے خلاف عوامی ذہن سازی کے لئے اربابِ مدارس یا طالبانِ مدارس کی ادنی سی غلطی کو بھی بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے، حکمران طبقہ ان کی معمولی بدنظمی کو شہ سرخی کے طور پر پیش کرتا ہے، حالانکہ حکمران طبقہ اِس پر تو کبھی توجہ نہیں دیتا کہ اِن کے نظم ونظام کے تحت جو تعلیمی اِدارے قائم ہیں ان میں نوعمر بچے بچیوں کو ثقافت وآرٹ کے نام پر ناچ گانے اور عریانی وفحاشی کی تربیت زوروں پر ہے، جس کے نتیجے میں اب تک وطنِ عزیز کے اسکولوں میں معصوم کمسن بچیوں کی ایک بڑی تعداد زیادتی کا نشانہ بن چکی ہیں، انہی عصری تعلیمی اداروں میں اسلامی دستور کے خلاف اسلامی اَقدار واَحکام کا مذاق اُڑانا معمول بنتا جارہا ہے، (جس کے کئی کیسز ردعمل آنے کے باعث ریکارڈ پر ہیں) جبکہ ان اداروں پر حکومت کروڑوں وہ روپے خرچ ہوتے ہیں جو غریب عوام سے ٹیکس، کسٹم، فیس، کرایہ وغیرہ کی صورت میں وصول کئے جاتے ہیں۔

حکمران طبقے نے کبھی بھی ان اداروں کے انتظامی ونصابی اُمور کی بخوبی نگرانی اور اصلاح نہیں کی، ان کے مغربی کلچر وسسٹم کو نہیں بدلا، ان میں وہ استہزاء بند نہیں کیا جو اسلامی اَقدار واَحکام کے خلاف ہو رہا ہے، البتہ مسلسل اُن دینی مدارس کے پیچھے پڑے رہے جہاں اسلامی اخلاق واقدار کا درس دیا جاتا ہے، جہاں امن وآشتی، محبت وبھائی چارے کی فضا قائم ہے، جہاں چھوٹے بڑوں کی عزت کرتے ہیں، جہاں اسلامی وطن سے محبت کی تعلیم دی جاتی ہے، جہاں آداب سکھائے جاتے ہیں، جہاں بداخلاقی وبدتمیزی کا قلع قمع کیا جاتا ہے، جہاں بہترین معاشرہ تشکیل دینے کے اصول سکھائے جاتے ہیں، قصۂ مختصر جہاں انسانیت سکھائی جاتی ہے۔

گرامی قدر قارئین!

مدارس کو ہر میدان میں کام کرنے کی ضرورت ہے، جدید آلات ومشینری سے فقہی مسائل کی وابستگی روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں، اس میدان میں وسیع پیمانے پر کام کی اشد ضرورت ہے، معیشت وتجارت کے میدان میں نت

نئے طریقے ایجاد ہو رہے ہیں، ان میں مدارس کے اہلِ علم حضرت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس بات کی نشان دہی کریں کہ فلاں طریقہ اسلام کے ساتھ متصادم ہے اسے چھوڑا جائے، فلاں طریقے میں یوں یوں تبدیلی کی جائے تو شریعت کے موافق ہو جائے گا، فلاں طریقہ جائز ہے، اسے اختیار کیا جا سکتا ہے، وغیرہ وغیرہ، اسی طرح جدید مغرب زدہ تعلیم اور آزاد میڈیا کے باعث فکری، نظریاتی اوراعتقادی لحاظ سے جو انحرافات، فسادات اور تبدیلیاں ہماری نئی نسل میں آرہی ہیں انہیں دقیق نگاہ سے مطالعہ کرنا اور ان کے حکمت بھرے جوابات دینا مدارس اور فضلائے مدارس کے لئے بہت بڑے چیلنجز ہیں، کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ پوری دنیا میں دین ومذہب سے آزادی کے لئے ہر سطح پر کام ہو رہا ہے، میڈیا پر بچوں کے لئے بنائے جانے والے کارٹونز سے لے کر اخباری مضامین تک سب عالمی حقوقِ آزادیٔ بیان اور آزادیٔ اظہار رائے کی آڑ لیتے ہوئے مذہب سے آزادی کا پرچار کرتے نظر آتے ہیں۔ دیندار اور مذہبی لوگوں کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنا ان کا نصب العین بن چکا ہے، روشن خیالی کی توصیف اور دین ومذہب کی پابندی کی تقبیح ہر عالمی (اور ملکی) پروگرام میں واضح نظر آتی ہے۔ جس کے باعث مسلمانوں کی نئی نسل صرف عملی بے راہ رَوی کی شکار نہیں بلکہ اعتقادی لحاظ سے دین بے زار ہے، صرف اسلامی عقائد سے بے خبر ہی نہیں بلکہ انہیں طفل کہانیاں سمجھتی ہے۔ فکری، نظریاتی اور اعتقادی لحاظ سے جو بگاڑ ہمارے معاشرے میں پھیل رہا ہے اس سے متعلق مفکرِ اسلام سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی تقریر "ذہنی اور اعتقادی ارتداد، ایک اہم مسئلہ فوری توجہ کا حامل" ملاحظہ کریں جو انہوں نے کئی دہائیاں قبل کی تھی۔

مفکر اسلام فرماتے ہیں:

حضرات! اِسلام کی تاریخ میں اِرتداد کے متعدّد واقعات پیش آئے ہیں، سب سے بڑا اور سخت سانحۂ اِرتداد عرب قبائل کا اِرتداد تھا، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے معاً بعد پیش آیا، یعنی وہ زبردست باغی تحریک جس کو ابو بکر صدیق نے اپنے بے نظیر عزم وایمان سے سر اُٹھاتے ہی کچل دیا تھا۔ دوسرا بڑا اِرتدادی واقعہ نصرانیت اختیار کر لینے کی وبا تھی، جو ہسپانیہ سے مسلمانوں کے اِخراج کے بعد پھیلی اور بعض اُن دوسرے ملکوں میں بھی جو مسیحی مغربی طاقتوں کے زیر نگین تھے اور عیسائی پادری اور مشنری وہاں اس مقصد کے لئے سرگرمِ عمل تھے۔ اِن معتد بہ واقعات کے علاوہ اِکا دُکا واقعات اور بھی ہیں، مثلاً ہندوستان میں کسی خفیف العقل اور پست طبیعت فرد نے اِسلام کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کر لیا، لیکن ایسے واقعات شاذ ونادر ہی ہوئے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اگر بد نصیب ہسپانیہ کے فتنۂ نصرانیت کو ارتداد کہنا صحیح ہے تو اس کو مستثنیٰ کر کے کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں کی تاریخ کسی عام ارتداد سے آشنا نہیں ہوئی۔ جیسا کہ مؤرخینِ مذاہب کا اعتراف ہے۔ یہ واقعات جب کبھی پیش آئے، ان پر ہمیشہ دو اثرات مرتب ہوئے:

۱.) مسلمانوں کی طرف سے سخت ناراضگی اور ناپسندیدگی۔

۲.) اسلامی سوسائٹی سے قطع تعلق۔

یعنی جو کوئی اپنے دین سے منحرف ہوتا تھا وہ مسلمانوں کے سخت غیض وغضب کا نشانہ بنتا تھا اور اس اسلامی معاشرے سے خود بخود منقطع ہو جاتا تھا، جس میں اس کی بود وباش ہوتی۔ مجرّد ارتداد سے اس کے اور اس کے اہلِ قرابت کے درمیان تمام رشتے اور تعلقات کٹ جاتے تھے، اور ارتداد کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ آدمی گویا ایک دوسرے معاشرے اور ایک دوسری دنیا میں منتقل ہو گیا۔ مرتد کا خاندان اس کا بالکلیہ بائیکاٹ کر دیتا تھا۔ اب نہ رشتہ رہتا تھا، نہ اخوت نہ وراثت۔

ارتداد کی اگر کوئی لہر کبھی اٹھتی تھی تو اس سے بین الادیانی

کشمکش برپا ہوتی اور مسلمانوں میں مقاومت اور اسلام کے دفاع کی روح بیدار ہو جاتی تھی، جس اسلامی ملک میں ایسے واقعات پیش آجاتے تھے وہاں کے علماء و داعیانِ اسلام اور اہلِ قلم پُر جوش طریقے سے ان کے خلاف صف آراء ہو جاتے، ان کے اسباب کی کھوج لگاتے اور اسلام کے محاسن وفضائل کو سامنے لاتے تھے۔ اس مسلمان معاشرے کا یہ حال ہو جاتا جیسے قلق واضطراب اور غیظ وغضب کی ایک موج آکر سب کو تہ وبالا کر گئی ہو۔ یہ حوادث مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے، اور کیا خواص؟ کیا عوام؟ سب کے لئے ایک ہی بات اور ایک ہی فکر ہوتی تھی۔ یہ ہوتا تھا کہ اسلامی سوسائٹی پر واقعات ارتداد کا ردّ عمل اور ان کی لازمی خصوصیت، حالاں کہ نہ یہ کسی وسیع پیمانے پر پیش آتے تھے اور نہ زندگی پر ان کے کچھ اثرات ہی پڑتے۔

لیکن اب کچھ عرصے سے دنیائے اِسلام کو ایک ایسے اِرتداد سے سابقہ پیش آیا ہے جس نے اس کے اِس سرے سے اُس سرے تک ایک لہر پیدا کر دی ہے۔ یہ اپنی شدت وقوّت اور وُسعت وعمق (گہرائی) میں اب تک کی تمام اِرتدادی تحریکوں سے بازی لے گیا ہے، کوئی ملک ایسا نہیں ہے جو اس کی غارت گری سے بچا ہوا ہو، بلکہ ملک تو ملک خاندانوں میں ایسے مشکل ہی سے تھوڑے بہت ہوں گے جو اس کی دستِ بُرد سے محفوظ ہوں۔ یہ وہ اِرتداد ہے جو شرقِ اسلامی پر یورپ کی سیاسی اور تہذیبی تاخت کے پیچھے پیچھے آیا ہے۔ یہ سب سے عظیم اِرتداد ہے جو عہدِ رسالت سے لے کر آج تک کی اِسلامی تاریخ میں رونما ہوا ہے۔ شریعتِ اسلامی کی اصطلاح میں "ارتداد" کے کیا معنی ہیں؟ ایک دین کی جگہ دوسرا دین اور ایک عقیدے کے بجائے دوسرا عقیدہ اختیار کرنا، رسول جو تعلیمات لے کر آیا، جو کچھ اس سے تواتراً منقول ہے اور جو کچھ اسلام میں قطعی طور پر ثابت ہے اس سے انکار کرنا۔

اور ایک مرتد کیا رویہ اختیار کرتا تھا؟ رسالت محمدی۔ عَلٰی صَاحِبِہَا الصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ۔ کا انکار کرتا تھا اور مسیحیت، یہودیت یا ہندو مذہب کی طرف منتقل ہو جاتا تھا یا اِلحاد کی راہ اختیار کرتا اور وحی ورسالت اور آخرت سے منکر ہوتا تھا۔

یہ ارتداد کے وہ معنی ہیں جن سے پرانی دنیا یا پرانی سوسائٹی واقف تھی، ہر وہ شخص جو اپنا دین چھوڑتا تھا، اگر مثال کے طور پر نصرانی بن جاتا تو کلیسا میں داخل ہوتا یا اگر ہندو مذہب اختیار کرتا تو بُت خانے کی راہ لیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ یہ ارتداد سب پر روشن ہو جاتا تھا اور مرتد دُور سے پہچان لیا جاتا تھا، اس کی طرف اُنگلیاں اٹھتی تھیں اور مسلمان اس شخص سے تمام اُمیدیں منقطع کر لیتے تھے۔ الحاصل: عام طور پر کسی کا ارتداد کوئی راز نہیں ہوا کرتا تھا۔ یورپ نے مشرق میں وہ فلسفے پہنچائے جو دین کی بنیادوں کے انکار پر مبنی تھے، جن کی بنیاد اِس عالم میں کار فرما (متصرّف) قوّت کے اِنکار پر تھی، وہ باشعور قوّت جو اِس دنیا کو عدم سے وجود میں لائی اور جس کے دستِ تصرّف میں کائنات کی زمامِ کار ہے۔ ﴿اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ﴾ (خبردار! اسی نے تخلیق کی اور اسی کا حکم چلتا ہے) وہ فلسفے جو عالمِ غیب، وحی، نبوت، شرائعِ سماویہ اور روحانی واخلاقی قدروں کے انکار پر مبنی تھے۔ یہ تھی مغرب کے لائے ہوئے تمام فلسفوں کی مشترک بنیاد، جن میں کوئی علم النفس تھا اور کسی کا موضوع بحث سیاست واقتصاد، فلسفے اپنے موضوعات میں خواہ باہم کتنے ہی مختلف تھے، تاہم اس نقطے پر سب ملتے تھے کہ انسان کائنات کو محض بادی نظر سے دیکھیں اور ان دونوں کے ظاہری احوال وافعال کی مادی توجیہ کریں۔

یہ فلسفے مشرقی اسلامی معاشرے پر حملہ آور ہوئے اور اس کے وطن تک گھس گئے۔ یہ فلسفے سب سے بڑا دین تھے جو تاریخ میں اِسلام کے بعد پیدا ہوئے، سب سے بڑا دین اپنی وسعت اشاعت کے لحاظ سے، سب سے گہرا دین اپنی جڑوں

کے لحاظ سے اور سب سے طاقتور دین دلوں اور دماغوں کو مُسخَّر کرنے کے لحاظ سے، اسلامی ملکوں کا وہ طبقہ جو علم و فہم کے لحاظ سے ممتاز تھا اس دین پر فریفتہ ہو گیا۔ اس نے اسے نہایت خوشگواری کے ساتھ حلق سے اتارا اور اطمینان کے ساتھ ہضم کر لیا، وہ اس دین کا ٹھیک اسی طرح پیروکار بن گیا جس طرح ایک مسلمان اسلام کا اور ایک مسیحی مسیحیت کا، حتیٰ کہ وہ اس پر جان دیتا ہے، اس کے شعائر کی عزت کرتا ہے، اس کے رہنماؤں اور داعیوں کی عظمت کا کلمہ پڑھتا ہے، اپنے ادب اور تالیفات میں اس دین کی دعوت دیتا ہے اور جو دین، جو نظام اور جو طرز فکر اس کے معارض ہوتا اس کی تحقیر کرتا ہے۔ اس دین کے ہر پیروکار سے وہ اخوت کا رشتہ استوار کرتا ہے اور اس طرح یہ تمام افراد ایک اُمت، ایک خاندان اور ایک گروہ بن گئے ہیں۔

یہ نیا دین اگرچہ اس کے پیروکار اس کو "دین" کا نام دینے سے اِنکار کرتے ہوں۔ کیا ہے؟ کائنات کو وجود میں لانے والی اس علیم و خبیر ہستی کا اِنکار جو مالکِ تقدیر بھی ہے اور رہنمائے حیات بھی ﴿اَلَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی﴾ حیات بعد الموت، حشر، جنت و دوزخ، ثواب و عذاب کا انکار، نبوت و رسالت کا اِنکار، شرائعِ سماویہ اور حدودِ شرعیہ کا اِنکار اور اس حقیقت کا اِنکار کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق پر اپنے برگزیدہ رسول (خاتم الرسل) کی اِطاعت فرض کی ہے اور ہدایت و سعادت کو اس کی پیروی میں منحصر کر دیا ہے اور اس بات کا اِنکار کہ اِسلام وہ آخری اور دائمی پیغام ہے جو دین و دنیا کی تمام سعادتوں کا کفیل ہے اور زندگی کا ایک نظام ہے جو سب سے اَعلیٰ اور اَفضل ہے اور وہی وہ دین ہے جس کے علاوہ کوئی دین اللہ کے یہاں مقبول نہیں۔ اور جس کے بغیر دنیا کی فلاح و سعادت کا کوئی اِمکان نہیں اور اس کا اِنکار کہ دنیا انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے اور انسان اللہ کے لئے۔

آج جس طبقے کے ہاتھ میں اکثر ممالکِ اِسلامیہ کی زمامِ حیات ہے، اس کے اَفراد کی ایک بڑی تعداد اِسی دین کی پیروکار ہے، اگرچہ یہ سب پختگیٔ اِیمان اور سرگرمیٔ عمل میں ایک درجے کے نہ ہوں، بحمد اللہ! اس طبقے میں خاصی تعداد میں ایسے اَفراد بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اسلام کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر اس طبقے کا وہ وصف جو افسوس ہے کہ اس پر غالب ہو گیا ہے اور اس کے بہت سے مقتدر اَفراد کا دین یہی مادہ پرستی اور زندگی کا مغربی فلسفہ ہے جو اِلحاد پر مبنی ہے۔ میں پھر کہتا ہوں کہ یہ وہ ارتداد ہے جس نے عالم اسلامی کو اِس سرے سے اُس سرے تک تاراج کیا ہے، گھر گھر اور خاندان خاندان پر اس کا حملہ ہوا ہے۔ یونیورسٹیوں، کالجوں اور اداروں سب پر اس دین کا کوئی پیروکار، پرستار اور عقیدت گزار نہ ہو۔ آپ جب ذرا اس سے تنہائی میں باتیں کریں گے، کچھ چھیڑیں گے اور اندر کی بات اُگلوائیں گے تو دیکھیں گے کہ وہ ایمان باللہ سے محروم ہو گا، یا ایمان بالآخرۃ سے خالی ہو گا، یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ رکھتا ہو گا، یا قرآن کو ایک معجزہ و اَبدی کتاب اور دستورِ حیات نہ مانتا ہو گا، اور ان میں سب سے غنیمت وہ ہو گا جو کہے گا کہ میں اس قسم کے مسائل پر غور نہیں کرتا اور ان کو کوئی بڑی اہمیت نہیں دیتا۔

بلا شبہ یہ ارتداد ہے، لیکن وہ مسلمانوں کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کر سکا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اِس اِرتداد کا مارا ہوا کلیسا یا ہیکل میں نہیں جاتا اور نہ اپنے ارتداد اور تبدیلیٔ مذہب کا اعلان کرتا ہے۔ نہ معاشرہ اس پر چونکتا ہے کہ احتساب و عتاب کی صورت پیش آئے اور فصل و انقطاع کا معاملہ درپیش ہو، پس وہ بدستور اسی سوسائٹی اور معاشرے میں رہتا ہے۔ اپنے تمام حقوق حاصل کرتا ہے، بلکہ معاشرے پر حاوی ہونے تک کا موقع اس کو مل جاتا ہے۔ یہ عالمِ اسلامی کا نہایت اہم مسئلہ اور بڑا قابلِ فکر معاملہ ہے۔

ارتداد پھیلتا ہے، اسلامی معاشرے پر حملہ آور ہوتا ہے اور کوئی اس پر چونکتا تک نہیں۔ علمائے اُمت اور رِجالِ دین اس سے کوئی پریشانی اور بے چینی محسوس نہیں کرتے۔ پہلے جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آتا تھا تو لوگ اُس کو حل کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یاد کیا کرتے تھے:

"قَضِيَّةٌ وَلَا أَبَا حَسَنٍ لَها" یعنی ایک پیچیدہ فقہی مسئلہ درپیش ہے لیکن کوئی نہیں جو اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذہانت کے ساتھ حل کرے۔

اِس ارتداد کے موقع پر بے ساختہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شانِ عزیمت یاد آتی ہے اور کہنا پڑتا ہے:

"قَضِيَّةٌ وَلَا أَبَا بَكْرٍ لَها" یعنی ارتداد کی آگ پھیل رہی ہے، لیکن کوئی نہیں جو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قوتِ ایمانی اور شانِ عزیمت کے ساتھ اس پر قابو پائے۔ (خطبات علی میاں، ج:۳، ص:۳۳۵ تا ۳۳۹۔ دار الاشاعت، کراچی)

فکری ارتداد کی یہ حالت کئی دہائیاں قبل کی ہے، اب تو اس میں ترقی اپنے عروج کو پہنچنے والی ہے۔ (اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو اس سے بچائے، آمین۔) مسجد و مندر کا فرق مٹتا جارہا ہے، جن لوگوں کے آباء واَجداد مسجد کے معمار تھے وہ مندر کی تعمیر میں مصروف ہیں، جن کے آباء واَجداد صلیبیوں کے ساتھ برسرِ پیکار تھے وہ آج صلیبیوں کے فرنٹ لائن اتحادی بنے ہوئے ہیں، بلکہ اسلام دشمنی میں صلیبیوں سے دو ہاتھ آگے ہیں۔

قارئین کرام!

تمام مسلمانوں اور خصوصاً مدارس کی ذمہ داری ہے کہ اس فکری ارتداد کے سامنے بند باندھیں، اس کی پیش قدمی روکیں اور مسلمان نسل کو اس فکری ارتداد سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کریں۔

وصلى اللّٰه على خير خلقه محمد وآله وصحبه أجمعين برحمتك يا أرحم الراحمين

بقیہ صفحہ نمبر:۱۵۷

گیا۔ نتیجتاً ہزاروں شہداء کا خون رائیگاں جاتا نظر آنے لگا، مایوسی پھیل گئی، ملک کھنڈرات میں تبدیل ہوگیا اور لاکھوں لوگ نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔ اللہ کا کرنا تھا کہ ظلمت میں چاند نکلا اور امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کی صورت میں ایک عادل و منصف سربراہ نے لشکر تیار کرکے اتحاد و اتفاق کی دعوت دی اور امارت اسلامیہ افغانستان کا قیام کرکے پوری دنیا کو دکھادیا کہ اگر کچھ کرنا ہے تو پہلے اختلافات اور تنظیمیں ختم کرکے صف ایک کرنا ہوگی۔ اب نتیجہ سب کے سامنے ہے۔

بہرحال، درجنوں آیات، دسیوں احادیث، سینکڑوں واقعات اور اتنی بڑی تاریخ میں کہیں سے بھی یہ معلوم نہیں پڑ رہا کہ مسلمان اور خصوصا مجاہدین بٹے رہیں۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ سب امارت اسلامیہ کی بیعت میں ہیں لہذا متحد ہیں تو اس کا جواب یہی ہے کہ امارت کا تو یہ طریقہ ہے کہ وہ ایک ملک میں ایک ہی صف تھے تو کیوں اس کا طریقہ اختیار نہ کیا جائے؟۔ موجودہ دور، جس میں ممالک کی حدود تسلیم کرنا مسلمانوں کی مجبوری ہے، میں کم از کم ایک ملک کے مجاہدین کا الگ الگ رہنا بہرصورت صورت سمجھ سے بالاتر ہے۔

پاکستان میں تحریک طالبان پاکستان ہی کی قیادت میں جہاد کی ضرورت کیوں ہے؟

مولانا خالد قریشی حفظہ اللہ

پہلی قسط:

اتحاد و اتفاق پر آیات و احادیث ہم روز سنتے اور دیکھ رہے ہوتے ہیں، اسی طرح دنیا بھر میں مجاہدین کا اپنی اپنی حد اور استطاعت میں رہ کر جہاد کرنے کا مسئلہ بھی اب سب کو سمجھ آ جانا چاہیے اور اس پر اکثر میں یہی بات کرتا ہوں کہ اب ایک مجبوری اور ضرورت بن چکی ہے کہ مجاہدین جس ملک کے ہیں اسی ملک میں فعالیت کریں تو اس میں جہاد اور مجاہدین کا فائدہ ہے اور یہ تقلیل الاعداء کیلئے بھی یہ ایک اہم مسئلہ ہے۔ اب چونکہ ہم ملک پاکستان اور تحریک طالبان پاکستان سے جڑے ہیں تو اسی حوالے سے اتحاد و اتفاق کے ایک پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔

ہم سب جانتے ہیں کہ پاکستان کے مجاہدین کو « تحریک طالبان پاکستان » یا « ٹی ٹی پی » ہی کے نام سے ہی جانا جاتا ہے اور خاص طور پر مجاہدین کے نزدیک تحریک طالبان پاکستان ہی ایک مسلّم تنظیم ہے۔ ملک بھر میں جہاد کے حوالے سے اس کی تاریخ بھی ہے اور اگر مجاہدین کوئی توقع رکھتے ہیں تو وہ بھی اسی نام سے جڑی ہے، اسی طرح ان کی طاقت و وسعت کو دیکھتے ہوئے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ دشمن کیخلاف اگر کوئی بڑا منصوبہ بنا سکتا ہے تو وہ بھی تحریک طالبان پاکستان ہی ہے۔ اس بات کی دلیل میں یہی دے سکتا ہوں کہ آپ مجاہدین سے باخبر سمجھدار لوگوں کی کسی بھی مجلس میں اس بات کا تذکرہ کرکے دیکھ لیں آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔ اب جبکہ ایک ملک میں اس نوعیت کی تنظیم موجود ہے، جہاں الحمدللہ عسکری و انتظامی اور دعوتی ڈھانچہ بنا ہوا ہے تو ایسے میں الگ تھلگ ہو کر جہاد کرنے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ اور اس کا تجربہ بھی کیا جا چکا مگر حقیقت یہی نکل آئی کہ اسی تنظیم سے جڑ کر کام کیا جائے۔ یہ کہنا شاید مناسب نہ ہو کہ وہ جہاد جہاد ہی نہیں ہو سکتا بلکہ یہ کہنا مقصود ہے کہ جب وحدت نہ ہو تو جہاد پر مثبت نتائج کا مرتب ہونا غیر منطقی لگتا ہے۔ یہاں یہ نہ بھولیے گا کہ تحریک طالبان پاکستان کے اصول، طرز دعوت اور لوائح بلاشبہ مجاہدین کیلئے قابل تقلید بن چکا ہے، جس کا مشاہدہ ہم اولا تو اس طرح کرتے ہیں کہ کافی مجاہدین اس کے ساتھ ضم ہوگئے ہیں اور اسی طرح تحریک سے باہر کے مجاہدین کی دعوت میں تحریکی اصطلاحات کا استعمال اور خصوصا میڈیا کے میدان میں تحریک کا طرزِ عمل اپنانا بھی اس بات کی گواہی دیتا ہے۔ ان چیزوں کی مثالیں دینا شاید طول پکڑ جائے، بہتر ہو گا کہ آپ خود ہی ان کا مطالعہ کریں۔

ایک جماعت کی موجودگی میں دوسری جماعت کا بننے کی مذمت کی مثالیں ہم کئی فقہی مسائل میں دیکھتے ہیں۔ مثلا بیک وقت مسجد میں دو جماعتوں کی ممانعت، ایک علاقے میں ایک رائج سنت طریقے کو مٹا کر لوگوں میں دوسرا طریقہ رائج کرنے کی کوشش کرنا، ایک علاقے میں ایک مسلک کے رائج ہوتے ہوئے دوسرے کی ترویج کیلئے کام کرنا وغیرہ۔۔۔ تو یہاں آپ دیکھ لیں کہ دوسرا بندہ کوئی کافر نہیں ہوتا مگر اتحاد و اتفاق کو برقرار رکھنے کیلئے اسے شریعت نے منع کر رکھا ہے۔

میری باتوں کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ دنیا میں اب کوئی تحریک طالبان پاکستان سے ہٹ کر جہاد نہ کرے یا اس کا جہاد قابل قبول نہیں ہو گا، بلکہ ملکی سطح پر جہاد کو جاری رکھنے کیلئے ایک ہونے کے فائدے کو قطعا مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ اب یہاں سوال ہو گا کہ صرف تحریک طالبان پاکستان ہی کیوں؟ تو

جواب یہی ہے کہ جیسا کہ میں نے اوپر کہا کہ مجاہدین کی جماعتیں بامر مجبوری اپنے اپنے ملک کی حد میں رہتے ہوئے جہاد کر رہے ہیں تو وہاں تحریک طالبان پاکستان پاکستان کی سطح پر سب سے بڑی اور عند المجاہدین برحق اور مسلّم جماعت ہے اور اس بنا پر وہ « سواد اعظم » کا مصداق بنتی ہے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں کہ « میری امت کسی گمراہی پر جمع (متفق) نہیں ہو گی بس جب تم (لوگوں میں) اختلاف دیکھو تو سواد اعظم (بڑی جماعت) کو لازم پکڑ لو (یعنی اس کی اتباع کرو) »
(سنن ابن_ماجہ: کتاب الفتن، باب السواد الاعظم)

دوسری قسط:

ہم نے اس موضوع پر لکھے گئے اپنے نوعیت کے پہلے مضمون میں یہ کہا تھا کہ اب مجاہدین اپنے اپنے ملک کی حدود میں جہاد کرنے پر مجبور ہیں، لہذا ایک ملک کے اندر ہی رہ کر ایک پرچم تلے جہاد کو جاری رکھا جائے تو اسی سے وحدت اور اتفاق کی روایات پر عمل ہو جائے گا۔ اسی طرح ہم نے یہ بھی کہا کہ تحریک طالبان پاکستان، پاکستان کی بڑی اور عند الاکثر مسلّم جہادی جماعت ہے، لہذا اس پر سواد اعظم کا اطلاق ہو سکتا ہے تو اس مسئلے کو دیکھتے ہوئے بھی تحریک طالبان پاکستان ہی کے تحت جہادی سلسلے کو آگے بڑھایا جائے۔

اس قسط میں ہم چند مثالیں دیکر ثابت کرنے کی کوشش کریں گے کہ ایک ملک میں ایک ہی جماعت کامیاب ہو سکتی ہے۔

ایک واضح اور اظہر من الشمس مثال امارت اسلامیہ افغانستان کی ہے۔ جس نے انتہائی کم وسائل اور قلیل افرادی قوت کے ساتھ بڑے بڑے جبابرہ کو افغانستان سے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا کہ وحدت امارت اسلامیہ کا دوسرا نام رہا۔

ایسا نہیں تھا کہ امارت اسلامیہ افغانستان نے اس حوالے سے چیلنجز کا سامنا نہیں کیا، بلکہ امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ کی وفات کے بعد وہاں کچھ گروپس نے سر اٹھانے کی کوشش کی، مگر امارت اسلامیہ کی سیاست اور کاوشوں نے غلبہ پایا اور صف ٹوٹنے سے بچ گئی۔ دشمنان اسلام نے بھی « حقانی نیٹ ورک » « قندھار-خوست » اور دیگر کئی نام استعمال کر کے صف میں دراڑ پیدا کرنے کی کوششیں کیں مگر بے سود ثابت ہوئیں اور پھر سب نے دیکھا کہ ایک طرف تو فتح سے ہمکنار ہوئے اور دوسری طرف قندھار کی بہت بڑی شخصیت گورنر بلخ حاجی یوسف وفا اور گورنر ہلمند مولوی طالب نے خلیفہ سراج الدین حقانی حفظہ اللہ کا ماتھا اور ہاتھ چومے۔ دوسری جانب حقانی کے نام سے مشہور جماعت نے بھی اطاعت اور فرمانبرداری کی خوبصورت رنگین تصویر پیش کی۔ اور پھر انس حقانی نے یہ کہہ کر کہ « میں حقانی نیٹ ورک کے نام سے کچھ نہیں جانتا » دشمن کو خوب رسوا کیا۔

اسی طرح شام کی فتح میں بھی ہمارے لیے سبق ہے۔ جہاں کئی ممالک کے انصار و مہاجرین نے ملک کی سطح پر ایک صف بن کر ۵۰ سالہ ظلم و بربریت کی تاریخ کی کتاب بند کر دی اور ظالمانہ نظام کو چلتا کر دیا۔

صومالیہ میں برسرپیکار مجاہدین بھی ہمارے سامنے ہیں جو صومالیہ کی سطح پر بنیان مرصوص کی طرح دشمن کو زیر کیے ہوئے ہیں اور آئے روز فتح کے قریب ہوتے جا رہے ہیں۔

کیونکہ یہ سب جانتے ہیں کہ:

« ایک ہو جائیں تو بن سکتے ہیں خورشید مبیں
ورنہ ان بکھرے ہوئے تاروں سے کیا کام بنے »

قرآن مجید میں بار بار مختلف واقعات کا تذکرہ ہوتا ہے، جس کے بعد اس سے سبق حاصل کرنے یا اس سے عبرت حاصل کرنے کا سبق دیا جاتا ہے۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعات سے درس نہ لینا کفار کی عادت خبیثہ ہے اور اسی وجہ سے ان کی مذمت بھی کی گئی ہے۔ تو پھر ایسی زندہ مثالوں سے

سبق حاصل کرنے سے ہمیں کون روک رہا ہے؟۔
ہم کیوں کتاب و سنت کی رو سے قبل مذمت بنیں؟
ہم کیوں خود کو « اولوالالباب » اور « اولوالابصار » ثابت نہ کریں؟
ہم کیوں اتنی آیات، روایات، عبارات اور واقعات سے روگردانی کریں؟۔
سو تمام مجاہدین پاکستان کو اس بات پر غور و حوض سے کام لینا چاہیے اور ایک صف، ایک امیر، ایک پرچم اور ایک قیادت کے تحت جہاد جاری رکھنا چاہیے تاکہ وہ جہاد نتیجہ خیز اور مفید ہو، نہ کہ صرف شہادتوں، قید و بند اور تکالیف و مصائب کی داستان۔

تیسری قسط:

گزشتہ دو قسطوں میں ہم نے مجاہدین کی موجودہ زمینی حقیقی صورتحال، تحریک طالبان پاکستان کی حیثیت و اہمیت اور دیگر جہادی جماعتوں کے جہاد، افغانستان میں امارت اسلامیہ افغانستان کی فتح اور شام کی مثالوں سمیت دیگر پہلوؤں کا تذکرہ کیا۔ اس آخری قسط میں ہم وحدت صف نہ ہونے کے باعث چند تاریخی واقعات کا تذکرہ کریں گے، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو نقصان اٹھانا پڑا اور جس میں ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ ہم اس عمل سے بچ کے وحدت اختیار کریں۔
تاریخ اسلام نے جہاں ہمیں فتوحات سے آشنا یا کرایا ہے، وہاں ہمیں کچھ واقعات سے سبق حاصل کرنے کو بھی دیا ہے۔ ایسے ہی چند واقعات آپ کے سامنے رکھتا ہوں جن میں یہ دیکھنے کو ملے گا کہ جب مسلمانوں کی صفیں ایک نہ رہیں تو انہیں کیسی منفی صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سلسلے میں سب سے بڑا واقعہ غزوۂ احد کا ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جبلِ رماۃ پر مقرر کیا تھا اور سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔ لیکن مالِ غنیمت دیکھ کر انہوں نے فتح سمجھی اور ایک تعداد صحابہ اپنی جگہ چھوڑ گئے۔ اس صف میں خلل کے نتیجے میں خالد بن ولید رضی اللہ عنہ (جو اس وقت مشرف بہ اسلام نہ تھے) پیچھے سے حملہ آور ہوئے، جس سے مسلمانوں کی ترتیب ٹوٹ گئی اور جنگ کا پانسہ پلٹ گیا، جہاں ایک ہی دن میں ستر صحابہ شہید ہوئے۔ حالانکہ یہ صحابہ صف سے مکمل طور پر نکلے بھی نہ تھے مگر اس ایک خلل سے کتنا نقصان ہوا؟۔
اسی طرح جنگ صفین، جس میں بنابر اختلاف اقوال ہزاروں صحابہ و تابعین شہید ہوئے اور یہاں سے خوارج کو بھی پنپنے کا موقع ملا۔)یاد رہے کہ یہ مسئلہ مشاورت صحابہ میں سے ہے جس کی تفصیل میں جانے سے علمائے کرام نے منع فرمایا ہے(۔ اور تاتاریوں کے حملے کے وقت مسلم حکمران آپس میں منقسم تھے۔ خلیفہ مستعصم نے نہ تیاری کی اور نہ وقت پر مدد حاصل کی۔ نتیجتاً، تاتاریوں نے بغداد پر حملہ کیا، لاکھوں مسلمان شہید ہوئے اور عباسی خلافت کا خاتمہ ہو گیا۔
اندلس کا بھی طویل و شہید قصہ ہے، جہاں مسلمان تقریباً آٹھ سو سال تک حکمران رہے۔ لیکن جب سلطنت چھوٹے چھوٹے طوائف الملوکی میں تقسیم ہوئی اور ہر حکمران دوسرے سے برسرپیکار ہو گیا تو عیسائی قوتوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا اور بالآخر ۱۴۹۲ء میں غرناطہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ شام و عراق کے واقعات بھی ہمارے سامنے ہیں، جہاں ماضی قریب میں اسلامی حکمرانی کا ایک بہت بڑا موقع ہاتھ سے جانے دیا گیا۔
ماضی قریب میں دیکھیں تو دیکھنے کو ملے گا کہ روس کے خلاف جہاد میں فتح کے بعد جب مجاہدین حاکم بنے تو اتحاد کی بجائے اقتدار کے لیے جنگ شروع ہو گئی۔ تنظیموں کی بھرمار ہو گئی، آپسی جنگیں ہوئیں اور ہر کوئی اپنی اپنی « پھاٹک » لگا کر بیٹھ

بقیہ صفحہ نمبر: ۱۵۴

پاکستانی فوج کب، کیسے اور کس مقصد کے لیے وجود میں آئی؟

انجینئر سعد میمن

پاکستانی فوج کب اور کیسے بنی، اس کا جواب اتنا آسان اور سادہ نہیں کہ ہم آپ کو اس کی ایک متعین تاریخ بتادیں تو اس کا جواب ہو جائے، بلکہ اس کا اپنا ایک پسِ منظر اور تاریخ ہے، اس کے لیے بہت سی باتوں کا جاننا ضروری ہے۔

سب سے پہلی چیز جسے سمجھنے کی ضرورت ہے وہ ہے "ایسٹ انڈیا کمپنی"

ایسٹ انڈیا کمپنی:

ایسٹ انڈیا کمپنی، ایک برطانوی جوائنٹ اسٹاک کمپنی تھی، جو کہ ۱۶۰۰ء میں قائم ہوئی اور ۱۸۷۴ء میں ختم کر دی گئی ۔ اسے برصغیر کے ساحلی علاقوں میں تجارت کی غرض سے قائم کیا گیا تھا، اس تجارتی کمپنی نے برصغیر میں سب سے پہلے تجارت کی غرض سے ۱۶۰۱ء میں ہندوستان کے حاکم مغل بادشاہ کی اجازت سے، ہندوستان میں اپنا قدم رکھا اور یہاں اپنی تجارت کا آغاز کیا۔ یہ بہت کامیاب تجارتی کمپنی تھی، سترہویں صدی کے وسط اور اٹھارویں صدی کے اوائل میں یہ کمپنی دنیا کی آدھی تجارت کی مالک تھی۔ اس کی بنیادی تجارت کاٹن، ریشم، افیون، چینی، نمک، مرچ مصالحے، چائے وغیرہ میں تھی۔

پھر رفتہ رفتہ اس کمپنی نے وہاں اپنا اثر و رسوخ بڑھانا شروع کر دیا، اس وقت اس کا ظاہری مقصد صرف تجارت تھا، ہندوستانی اشیاء خرید کر یورپ لے جانا اور یورپی اشیاء ہندوستان لا کر بیچنا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حکومت کی اجازت سے تاجروں، کسانوں، خدمت گاروں اور دیگر مختلف بہانوں سے یہ لوگ اپنی افرادی قوت بڑھانے لگے ۔ پھر انہوں نے ہندوستان میں حکومت کی اجازت سے اپنی مستقل رہائش اختیار کرلی اور جائیدادیں خرید کر یہاں اپنی کالونیاں بنالیں، اپنے بیوی بچوں کو بلا کر وہاں آباد کیا، بچوں کے لیے تعلیمی ادارے قائم کیے، اپنے ہسپتال، عبادت خانے اور عدالتیں قائم کیں۔ پھر اپنے تعلیمی اداروں میں بعض مقامی لوگوں کو بھی داخلے دینے شروع کر دیے، جس سے ان کو مستقبل کے فوجی افسر، سیاست دان، جج اور دوسرے اداروں میں غلام ذہنیت کے خدام میسر ہوئے۔

اس کے بعد اپنی سیکیورٹی کے بہانے حکومتی اجازت سے اپنے فوجیوں کو بھی بلانا شروع کیا، اور رفتہ رفتہ اپنی فوج کی تعداد بڑھاتے رہے، پھر وقت کے ساتھ اپنے سیکیورٹی اداروں میں مقامی لوگوں کو بھی، یا یوں کہیں کہ اپنی خدمت کے لیے غلاموں کو بھی تنخواہوں اور مراعات کی لالچ میں بھرتی کرنا شروع کر دیا، حتی کہ انگریزوں اور مقامی لوگوں کی اِس فوج کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ یہیں سے شاہی ہندی آرمی کی شروعات ہوتی ہے جو کہ وقت کے ساتھ ترقی کرتی گئی۔

وکیپیڈیا کے اعداد و شمار کے مطابق ایک وقت میں انگریز کی اس غلام شاہی ہندی فوج کی تعداد دو لاکھ ساٹھ ہزار تک پہنچ گئی تھی، جو کہ برطانیہ کی اپنی فوج سے دوگنی تھی۔ چناں چہ اپنی اِسی غلام فوج کے ذریعے کمپنی نے ہندستان پر قبضے کی بنیاد رکھی اور ہندستان کو اپنی نو آبادی میں شامل کر کے یہاں کے لوگوں کو غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا برصغیر میں باقاعدہ حکومت کا آغاز ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ کے بعد سے شروع ہوتا ہے، پلاسی بنگال کا ایک صوبہ ہے جہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز اور مقامی فوجیوں سے سراج الدولہ رحمہ اللہ کی جنگ ہوئی تھی، جس میں میر جعفر جو کہ سراج الدولہ کی فوج کا سربراہ

(چیف آف آرمی) تھا، کی غداری کی وجہ سے مسلمانوں کو شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ اِس کمپنی کا یہ حکومتی راج ۱۸۵۸ء تک رہا۔

۱۸۵۸ء میں برطانیہ نے ایک قانونی فیصلے کے ذریعے ایسٹ انڈیا کمپنی کو تحلیل کر دیا اور ہندستان کو اپنی تحویل میں لے کر اُسے اپنی نو آبادی میں شامل کر لیا، اس طرح ہندوستان برطانوی راج میں شامل ہو گیا اور برطانیہ کی باقاعدہ نو آبادی شمار ہونے لگا۔

۱۸۵۸ء سے لیکر ۱۹۴۷ء تک برطانیہ نے اپنی اسی غلام ہندی فوج کو استعمال کرتے ہوئے ہندوستان پر مضبوط حکومت کی ۔ اسی ہندی فوج کو استعمال کرتے ہوئے انگریز نے ہزاروں مسلمانوں کو شہید کیا، اسلامی نظام کو ختم کر کے برصغیر میں یورپ سے برآمدہ جمہوری نظام نافذ کیا، برصغیر کی دولت لوٹ کر یورپ کا اقتصاد مضبوط کیا، مسلمانوں کی خلافت، خلافتِ عثمانیہ کو تار تار کیا، جنگِ عظیم میں اپنی اس کرائے کی فوج کے ذریعے عظیم فتوحات حاصل کیں اور اسلامی علاقوں پر اپنے قبضے جمائے۔ غرض یہ کہ اسلام اور مسلمانوں سے خیانتوں اور غداری کی ایک لمبی تاریخ اور دکھ بھری داستان ہے جو انگریز کی غلامی میں شاہی ہندی فوج نے اپنے ماتھے پر لکھ رکھی ہے۔

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کے دن انگریز نے برصغیر کو تقسیم کیا اور ہندوستان اور پاکستان کو الگ الگ حیثیت دیتے ہوئے دونوں کو آزادی کے نام پر الگ الگ ملک قرار دے دیا۔ تقسیمِ ہند کے بعد، اور ہندوستان و پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد ایک بڑا مسئلہ دونوں ملکوں میں وسائل اور اداروں کی تقسیم کا تھا، چناں چہ انگریز نے اس بارے میں یہ فیصلہ کیا کہ وسائل اور ادارے رقبے کے تناسب سے تقسیم کیے جائیں گے۔ قصہ مختصر یہ کہ مقبوضہ ہند کے دیگر اداروں کی طرح فوج کے ادارے کی تقسیم بھی اسی معیار پر کی گئی۔ فوج کے ادارے کی اس تقسیم کے بعد پاکستانی فوج کو کتنے فوجی ملے اور کتنے نہیں، کتنے ٹینک اور جہاز ملے اور کتنے نہیں، کتنے بحری بیڑے اور آبدوزیں ملیں اور کتنی نہیں، یہ ہمارا مقصودِ بیاں نہیں ہے، بلکہ جس بات کی طرف ہم آپ کی توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ شاہی ہندی فوج جو کہ انگریز کی ایک غلام اور تنخواہ دار فوج تھی، جس نے انگریز کے لیے، اُس کے ”گریٹ برٹن“ کے لیے اپنی جانیں قربان کی تھیں، انگریز کے لیے لاکھوں مسلمانوں کو شہید کیا تھا، جنگِ عظیم میں برطانیہ کو فتوحات دلوائیں تھیں، اسلامی خطوں میں اسلامی نظام کو ختم کر کے وہاں برطانوی جمہوری نظام نافذ کیا تھا، لیکن پھر صرف ایک ہی دن میں آزادی کے نام پر صرف ایک ہی دستخط کے بعد وہ فوج پاک فوج بن گئی، اسلامی فوج بن گئی، اسلام اور مسلمانوں کی فوج بن گئی، اسلام اور مسلمانوں کی محافظ فوج بن گئی، کیا کوئی عقلِ سلیم اس بات کو قبول کر سکتی ہے؟۔

جس فوج کو انگریز نے اپنے مکروہ اور اسلام دشمن مقاصد کے لیے بنایا ہو، اُسی کے لیے تیار کیا ہو، اُسی کی تربیت دی ہو، اور پھر دو سو سال سے زیادہ جس فوج نے انگریز کی غلامی کی ہو، اس کے لیے جنگیں لڑی ہوں، اس کی خدمت میں اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے ہوں، اور پھر وہ اپنے اِن جرائم پر فخر بھی کرتے ہوں، انگریز کے لیے مرنے والوں کو شہید کہتے ہوں، تو کیا صرف ایک دستخط کے بعد فوج کی تقسیم کے ذریعے اُس کی ذہنیت، مقاصد، اہداف سب بدل گئے؟ کیا صرف ایک تقسیم کے ذریعے فوج کا سافٹ ویئر ایسا اپڈیٹ ہو گیا کہ کل تک وہ انگریز کی غلامی میں مسلمانوں کو کاٹ رہے تھے، اسلامی خطے انگریز کو فتح کر کر کے دے رہے تھے، اور آج اسلام اور مسلمانوں کے ایسے محافظ بن گئے کہ اُن کا شعار ”ایمان، تقویٰ، جہاد فی سبیل اللہ“ بن گیا۔ کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے؟

ایسٹ انڈیا کمپنی اور شاہی ہندی فوج کی اس مختصر داستان جاننے کے بعد یقیناً آپ کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہو گیا ہو گا کہ پاکستانی فوج کب، کیسے اور کس مقصد کے لیے وجود میں آئی تھی، اور اسے پاکستانی فوج کا لقب کب ملا تھا؟۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ فوج کل بھی انگریز کی غلام تھی اور آج بھی اُسی کی وفادار ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے اس نے انگریز کی کمان میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عظیم خیانتوں کا ارتکاب کیا تھا، پاکستان بننے کے بعد بھی اس کے ہاتھ مسلمانوں کے خون سے رنگین رہے ہیں۔

پاکستان بننے کے بعد پاکستانی فوج، انگریز کے اشاروں پر اور اُسے خوش کرنے کے لیے، اب تک ہزاروں پاکستانی مسلمانوں کو شہید کر چکی ہے، قبائلی علاقہ جات، ملاکنڈ ڈویژن اور بلوچستان سمیت دیگر علاقوں میں ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو "مسنگ پرسنز" بنا چکی ہے، ہزاروں کو شہید کر چکی ہے، ہزاروں گھر بمبار کر چکی ہے، سینکڑوں مساجد و مدارس بمبار کر کے مسمار کر چکی ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ کل بھی اسلامی فوج نہیں تھی اور آج بھی مسلمانوں کی محافظ نہیں ہے۔ نہ اس کی بنیاد اسلام کی حفاظت کے لیے رکھی گئی تھی اور نہ اس نے توبہ کر کے انگریز سے برأت اور اسلام سے وفاداری کا اظہار کیا ہے۔

پچھلی قسط میں ہم نے پاکستانی فوج کی کچھ تاریخ بیان کی تھی کہ یہ پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج تھی، پھر برطانیہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو ختم کر کے اس کی فوج کو برطانیہ کی فوج میں شامل کر لیا اور اسے شاہی ہندی فوج "رائل انڈین آرمی" کہا جانے لگا، پھر تقسیمِ ہند کے ساتھ برطانیہ نے اپنی وفادار شاہی ہندی فوج کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور اس کا ایک حصہ پاکستان کو دے دیا جسے آج دنیا "پاکستان نیشنل آرمی" کے نام سے جانتی ہے۔

ہم اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہیں اور کچھ مزید ایسے حقائق آپ کے سامنے رکھتے ہیں کہ جس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ اس فوج کا اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت و ترقی سے دور دور کا بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس لیے اس سے اس بات کی امید لگانا کہ یہ اسلام اور مسلمانوں کو تحفظ فراہم کرے گی اور اس سے عالمِ اسلام کو عزت ملے گی، ایک غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں۔

پاکستانی فوج کی رجمنٹس کی تاریخ:

قیامِ پاکستان تک پاکستان آرمی کے آباء یعنی شاہی ہندی فوج برطانوی فوج کے رجمنٹل اور کلچرل سسٹم پر چلتی تھی، اس لیے آج بھی پاکستانی فوج میں وہی رجمنٹل سسٹم رائج ہے، البتہ اب یہ فوج امریکی فوج کے سسٹم پر چلنا زیادہ پسند کرتی ہے، جیسا کہ پہلے اس کا فوجی لباس برطانوی فوجی طرز کا ہوتا تھا لیکن اب یہ لوگ امریکی فوجی طرز کا لباس پہننا پسند کرتے ہیں۔

موجودہ پاکستانی فوج میں چھے (۶) رجمنٹس ہیں، ان میں سے پنجاب رجمنٹ، بلوچ رجمنٹ اور فرنٹیئر فورس رجمنٹ سب سے پرانی اور (عالم کفر کے لیے) اپنی خدمات کے لحاظ سے بہت مشہور ہیں۔ ان رجمنٹس کی تاریخ اور خدمات جاننے سے بھی ان کی اسلام اور مسلمانوں سے وفاداری کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہم پاکستانی فوج کی ان رجمنٹس کی مختصر تاریخ اور احوال آپ کے سامنے بیان کریں گے۔

فرنٹیئر فورس رجمنٹ

فرنٹیئر فورس رجمنٹ کو پِفَر بھی کہا جاتا ہے۔ اس ریجمنٹ کی بنیاد ایسٹ انڈیا کمپنی کے زمانے میں ۱۸۴۳ء میں رکھی گئی تھی۔ اس زمانے میں یہ ایک سکھ رجمنٹ تھی، جسے "PIF (Punjab Irregular Force))" کہا جاتا تھا، پھر بعد میں اسے "PIFFER" کہا جانے لگا۔ اس میں اُنسٹھ (۵۹) بٹیلین ہیں۔ آج اس کا مرکز ایبٹ آباد میں ہے۔

"پِفَر" کے اس مرکز میں اٹھائیس (۲۸) فٹ لمبی سیمنٹ اور

ماربل سے بنی ایک تختی ہے جسے "یادگارِ شہداء" کہا جاتا ہے۔ یہ تختی ۲۳ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں اس وقت کے انگریز فیلڈ مارشل "وِلیَم بَرڈوُڈ" نے کوہاٹ میں لگائی تھی۔ اُس نے اِس تختی پر اپنے اُن وفادار فوجیوں کے نام لکھے تھے جو جنگِ عظیم میں برطانیہ کی طرف سے مسلمانوں کی خلافتِ عثمانیہ کے خلاف لڑتے ہوئے مارے گئے تھے۔ پھر ۱۹۶۴ء میں پاکستان کے اُس وقت کے آرمی چیف جنرل موسیٰ نے اس تختی کو ایبٹ آباد منتقل کرادیا تھا۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اسے "یادگارِ شہداء" کا نام دیا جاتا ہے اور ہر سال مختلف قومی دنوں پر یہاں پروگرامز منعقد ہوتے ہیں اور برطانیہ کی وفاداری میں مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہوئے مارے گئے برائے نام شہداء کو "پِفَر" کی طرف سے خراجِ تحسین پیش کیا جاتا ہے۔ ایک اور غور طلب بات اس کے بارے میں یہ ہے کہ اِس برائے نام شہداء کی لسٹ میں ہندو اور سکھوں کے بھی کئی نام شامل ہیں۔

فرنٹیئر فورس رجمنٹ کے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپریشنز اور جنگیں:

پاکستانی فوج کی دیگر رجمنٹس کی طرح فرنٹیئر فورس رجمنٹ کی تاریخ بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خیانتوں سے بھری پڑی ہے:

۱۸۵۷ء میں انگریز کی شکست کو فتح میں بدلنا

۱۸۵۷ء میں ہندی فوجیوں کے انگریز کے خلاف کامیاب جہادی آپریشن کو کچلنے میں فرنٹیئر فورس رجمنٹ نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا۔ اس واقعہ کو انگریز اپنی کتابوں میں "۱۸۵۷ء کا غدر" کے نام سے ذکر کرتے ہیں۔ یہ ایک تفصیلی اور ایمان افروز واقعہ ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ شاہی ہندی فوج میں شامل بعض مسلمان فوجیوں اور آفیسروں نے کئی سال کی دعوت اور منصوبہ بندی کے بعد ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے خلاف جہاد کی شروعات کردی، اس میں ہزاروں انگریز فوجی بشمول سینکڑوں آفیسروں کے قتل کردیئے گئے، مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو امیر مقرر کر کے مسلمانوں نے اُن کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔ مجاہدین نے ہندوستان کے کئی علاقوں سے انگریزوں کو بے دخل کردیا تھا، انگریز فوج سکوت کے دھانے پر پہنچ چکی تھی اور قریب تھا کہ برصغیر ہند سے اپنی واپسی کا اعلان کردیتی، لیکن اس نازک موقع پر انگریز نے اپنی وفادار شاہی ہندی فوج کو میدان میں اتاردیا۔ شاہی ہندی فوج کی پنجاب اور فرنٹیئر فورس رجمنٹس نے مسلمان مجاہدین سے اتنا سخت مقابلہ کیا کہ جس سے انگریز بھی حیران رہ گیا۔ اس رجمنٹ نے شاہی ہندی فوج میں شامل ہزاروں مجاہدین کو شہید کردیا اور قابض انگریز سے چھڑائے گئے تمام علاقے پھر سے انگریز کو فتح کر کے دیئے۔ یہ تقریبا ایک سال پر محیط جہاد تھا جو اپنے اندر بے شمار ایمان افروز واقعات سموئے ہوئے ہے، لیکن افسوس ہے کہ

آج ہماری قوم اس مبارک جہاد کو "۱۸۵۷ء کے غدر" کے نام سے جانتی ہے۔

برطانیہ کی قیادت میں افغانستان پر حملے

جس طرح انگریز نے برصغیر ہند کو اپنی نو آبادی بنایا ہوا تھا، اسی طرح افغانستان کو بھی اپنی نو آبادی میں شامل کرنا چاہتا تھا، اور اس کے لیے اس نے افغانستان پر تین بڑے حملے کئے تھے، لیکن برطانیہ ایک دفعہ بھی وہاں اپنے پیر جمانے کے قابل نہ ہوسکا۔ برطانیہ کے افغانستان پر تین حملوں میں سے دوسرے اور تیسرے حملے میں انگریزوں کے ساتھ شاہی ہندی فوج کی فرنٹیئر فورس رجمنٹ بھی شامل تھی۔ ان تمام حملوں میں برطانیہ کو سخت شکست اور نقصان کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ظاہر ہے یہ بھی فرنٹیئر فورس رجمنٹ کا مسلمانوں کے خلاف ایک قبیح جرم تھا۔ تاریخ میں ان حملوں کو "اینگلو افغان وار" کے نام سے ذکر کیا جاتا ہے۔

انگریز کی قیادت میں قبائلی علاقہ جات پر حملے

ہند پر اپنی حکومت کے زمانے میں برطانیہ نے قبائلی علاقہ جات پر بھی متعدد حملے کئے، جن میں اسے اکثر حملوں میں اسے شکست کا سامنا رہا، ان میں سے بہت سے حملوں میں فرنٹیئر فورس رجمنٹ بھی برطانوی انگریزوں کے ساتھ قبائلی مسلمانوں کے خلاف ان آپریشنوں میں شریک رہی۔ ان میں سے تیرا آپریشن بہت مشہور ہے۔ یہ بھی فرنٹیئر فورس رجمنٹ کا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک سنگین جرم تھا۔

انگریز کی قیادت میں صومالیہ پر حملہ

صومالیہ پر برطانوی قبضے کی کوششوں میں مسلمانوں کے قتل عام میں بھی فرنٹیئر فورس رجمنٹ برطانوی انگریزوں کے ساتھ نہ صرف شریک رہی بلکہ اُن کی خدمت میں مسلمانوں کے قتلِ عام میں بھی پیش پیش رہی تھی۔

جنگ عظیم میں خلافتِ عثمانیہ سے جنگیں

جنگِ عظیم اول اور دوم میں برطانیہ کی قیادت میں خلافتِ عثمانیہ کی فوجوں کے خلاف جنگوں میں بھی فرنٹیئر فورس رجمنٹ نے برطانیہ کے لیے ایسے کارنامے انجام دیئے تھے جس پر انگریز بھی حیران رہ گئے تھے۔ ان جنگوں میں شاہی ہندی فوج نے بہت سے اسلامی علاقے خلافت عثمانیہ سے چھین کر انگریز کی جھولی میں ڈالے تھے۔ شاہی ہندی فوج کی یہ خدمات اور قربانیاں دیکھ کر انگریز افسر یہ کہنے پر مجبور ہوگئے تھے کہ اگر ہندی فوجی نہ ہوتے تو ہم جنگ عظیم نہ جیت سکتے اور خلافتِ عثمانیہ کو شکست نہ دے پاتے۔

یاد رہے کہ فلسطین کو خلافت عثمانیہ سے چھین کر انگریز کی جھولی میں ڈالنے اور وہاں انتہا پسند یہود کی ریاست "اسرائیل" کا قیام بھی پاکستانی فوج کی اسی رجمنٹ کی خدمات اور قربانیوں کی بدولت ممکن ہوسکا تھا۔

بنگلہ دیش میں مسلمانوں کا قتلِ عام

پاکستانی فوج کی یہ فرنٹیئر فورس رجمنٹ ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش میں ہزاروں مسلمانوں کے قتلِ عام اور ہزاروں پاکدامن مسلمان بنگلہ دیشی بہنوں کی آبروریزی میں بھی شریک رہی ہے۔

یہ تو ہم نے اس رجمنٹ کے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف چند بڑے بڑے جرائم کے صرف عنوانات ذکر کئے ہیں، ان تمام واقعات کی تصدیق و تفصیل پاکستانی فوج کی اپنی ویب سائٹس اور وکیپیڈیا وغیرہ سے باآسانی حاصل کی جاسکتی ہے۔ ان موضوعات پر مختلف کتابیں اور ڈوکیومنٹریز بھی نیٹ پر موجود ہیں۔ ان واقعات کے مطالعے سے آپ کو پتہ چلے گا کہ پاکستانی فوج اور اس کی رجمنٹ کی تاریخ کس حد تک اسلام اور مسلمانوں کے خلاف خیانتوں سے بھری پڑی ہے۔

ایک اشکال کا جواب

یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ یہ جرائم تو پاکستانی فوج اور اس کی رجمنٹس کے سابقہ فوجیوں نے کئے تھے، اور تقسیمِ ہند کے بعد اب تو یہ پاکستانی فوج ہے، ایک اسلامی فوج ہے، تو ان کے آباء کے گناہ اُن کے جانشینوں پر ڈالنے کی کیا ضرورت ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ موجودہ پاکستانی فوج اپنے آباء یعنی شاہی ہندی فوج کے گناہوں میں اس لیے برابر کی شریک ہے، کیوں کہ یہ اُن کے جرائم اور خیانتوں پر اب بھی فخر کرتے ہیں، اسلام کے خلاف لڑتے ہوئے مارے گئے ہندی فوجیوں کو شہید کہتے ہیں، ہر سال ان کی یاد میں پروگرامز منعقد کرتے ہیں، انہیں خراج تحسین پیش کرتے ہیں، فوجی مراکز میں ان کی تصاویر اور نام آویزاں کرتے ہیں، فوجی تعلیمی مراکز میں شاہی ہندی فوج کی سیاہ تاریخ فخریہ انداز میں پڑھائی جاتی ہے۔ غرض یہ کہ موجودہ پاکستانی فوج اپنے آباء شاہی ہندی فوج سے برأت ظاہر نہیں کرتی، اس لیے یہ اُن کے تمام جرائم میں برابر کی شریک ہے۔ اگر آج یہ ان کے تمام جرائم سے برائت ظاہر کرکے اعلانیہ توبہ کرلیں تو یہ ان کے گناہوں سے بری الذمہ ہوسکتے ہیں۔

ڈیورنڈ لائن تک پہنچنے کیلئے فوج نے قبائل میں کیا کیا؟

علی محسود

پاکستان اور افغانستان کے درمیان سرحدی علاقے میں آباد پشتون قبائل صدیوں سے اپنے آباء واجداد کے رسم و رواج اور اسلامی اقدار پر سختی سے قائم رہے ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ آج تک کوئی بیرونی حملہ آور اس خطے کو اپنی تسلط میں نہیں لا سکا۔ آزاد فطرت، محنتی وجفاکش، غیرت و بہادری کے پیکر ان آزاد قبائل کو فرنگیوں کے افغانستان پر قبضہ کی روک تھام کی فکر میں افغان بادشاہ امیر عبدالرحمٰن نے ڈیورنڈ معاہدے کے تحت قبائل کو دو حصوں میں تقسیم کیا، حالانکہ افغانستان کی سرحد دریائے سندھ کے کناروں تک تھی مگر پھر بھی یہ معاہدہ قبائلی خطے کے وسط میں خط کھینچ کر کیا گیا اور اس سلسلے میں قبائل سے مشاورت بھی نہیں کی گئی تھی۔ یوں ان قبائل نے کئی دہائیوں تک معاہدے کو تسلیم نہ کرتے ہوئے فرنگیوں کے خلاف جنگیں لڑیں لیکن بالآخر قبائل دو حصوں میں تقسیم ہو گئے، ایک حصہ افغانستان اور دوسرا حصہ فرنگی ہندوستان کی طرف آ گیا۔ یہ معاہدہ سو سال کیلئے ہوا تھا جو کب کا پورا ہو چکا ہے۔

فرنگیوں نے ان قبائل کی مسلسل جنگوں سے تنگ آ کر ان کی آزاد حیثیت کو تسلیم کیا اور فیصلہ یہ ہوا کہ آزاد قبائلی خطے کے لوگ دو ممالک افغانستان اور ہندوستان میں آزاد ہونگے۔ اور یہ لائن چونکہ بین الاقوامی سرحد نہیں اس لئے دونوں ممالک کے پاس اس سرحد کے بند کرنے کا اختیار نہیں ہو گا اور یہ لوگ بغیر ویزے پاسپورٹ کے دونوں ممالک میں صحت، تعلیم اور روزگار کے لئے آ جا سکیں گے۔ محمد علی جناح نے بھی پاکستان کی پہلے قانون ساز اسمبلی میں اعلان کرتے ہوئے ان کی اس آزاد حیثیت کو تسلیم کیا تھا۔

قبائلی علاقوں میں دہشت گردی کے خلاف نام نہاد جنگوں اور فوجی یلغاروں میں ریاست پاکستان ایک تو صف اول کی اتحادی بنی اور دوم اس بہانے امریکہ سے ڈالرز کے حصول کے سلسلے میں ایک اور راستہ کھل گیا لیکن ایک دیرینہ اور اہم ہدف "ڈیورنڈ لائن تک رسائی" کیلئے بھی راہ ہموار ہو گئی۔ ان فوجی یلغاروں کے دوران جس میں پاکستان کا اہم مقصد اس لائن تک رسائی تھی، لاکھوں لوگ بے گھر اور ہزاروں شہید و معذور اور لاتعداد گرفتار اور لاپتہ ہوئے۔ ان لاپتہ اور قیدیوں کو وقتاً فوقتاً جعلی مقابلوں میں بھی شہید کیا جاتا رہا اور شدید ظلم و وحشیانہ تشدد کے دوران عقوبت خانوں میں بھی شہید ہوئے۔

بیرونی ایماؤں اور غیر کو خوش کرنے کی خاطر ہوئے ان آپریشنز میں قبائلی معاشرت درہم برہم اور معیشت تباہ و برباد کر دی گئی، گھروں میں سے قیمتی سامان لوٹ کر انہیں جلایا اور مسمار کیا گیا، قدرتی دولت سے مالا مال اس خطے کے نادر معدنیات پر قبضہ کر لیا گیا، قیمتی جنگلات کو توپ خانوں، مارٹر اور بمباری کر کے راکھ کر دیا گیا، قیمتی درختوں کی لکڑیوں سے بھرے ٹرک پنجاب سمگل کر کے وہاں جرنیلوں اور کرنلوں کے گھروں کی فرنیچر بنائے گئے۔ یہ سب کچھ کرتے وقت میڈیا پر یہاں آنے کی پابندی لگائی گئی اور روزانہ کی بنیاد پر جٹ طیارے مساجد و مدارس اور عام شہریوں کے خالی گھروں پر بمباری کرتے، بعض گھروں میں ابھی لوگ موجود ہوتے کہ بمباری کر دیتے، ملبے میں دبے بچوں، عورتوں اور بوڑھوں کی لاشیں نکلتیں لیکن ہر رپورٹ میں درجنوں "دہشت گردوں" کے مارے جانے کا دعوا ہوتا حالانکہ ان میں ایک بھی مجاہد موجود نہ ہوتا۔

آپ کے علم میں ہونا چاہئے کہ پاکستان کے تمام شہری اور

دیہی علاقوں حتیٰ کہ اسلام آباد جیسے شہر تک میں اسلحہ موجود ہے، مگر یہاں قبائل میں فوج نے اپنے خوف کو دور کرنے اور ناجائز اطمئنان حاصل کرنے کیلئے تمام قبائلیوں سے اسلحہ چھین لیا اور یہ وہ اسلحہ تھا جسے قبائل کھانے پینے کے بعد اپنی زندگی کا سب سے لازمی جز اور ضروری زیور سمجھتے ہیں، گویا کہ فوج نے ان سے زندہ رہنے کا حق چھین اور یہ سب صرف اپنی رٹ قائم کرنے، بے جا دباؤ بڑھانے اور اسلئے کہ قبائل میں کسی بھی قسم کی مزاحمت کی سکت اور رد عمل کی گنجائش باقی نہ رہے۔ یلغاروں کے دوران جس بھی پہاڑی چوٹی یا علاقے پر قابض افواج کا قبضہ ہوتا تو وہاں فوراً پاکستانی پرچم لہراتے اور ہر دیوار پینٹ کراتے رہے جو اس بات کا واضح ثبوت دیتا رہا کہ کسی غیر کے علاقے پہ قبضہ جما کر اسے پاکستان کا حصہ بنایا جا رہا ہے، جب ان کی پہنچ ڈیورنڈ لائن تک ہوئی تو جان بوجھ کر افغانستان کے ساتھ سرحد پر کشیدگی بڑھائی، سرحد بند کرنے کا جواز بنایا اور پھر منافقت کی اسی پالیسی کے تحت سرحد پار کرنے کو ویزے اور پاسپورٹ سے مشروط کیا گیا اور سرحد پر باڑ لگا کر "تکمیل پاکستان" کے اس مرحلے پہ خود کو دھوکہ دیا۔ چونکہ افواج پاکستان، پاکستان کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں اور خود کو پاکستان کا اصل ذمہ دار سمجھتے ہیں اس لئے پاکستان کی اس نامکمل ریاست کی تکمیل کی ذمہ داری بھی انہوں نے اپنے اوپر ڈالی ہے۔ یقیناً کچھ کفار کے مقاصد ہیں جنہیں افواج ظاہراً اپنے مقاصد بتاتے ہیں، درحقیقت تکمیل پاکستان اور ڈیورنڈ لائن تک پہنچنا انکا بنیادی مقصد تھا اور یہ ایک مشکل مرحلہ تھا جسے پاکستانی فوج کے ذریعے پار کرایا گیا۔

قبائلی علاقوں کے توسط سے پاکستانی فوج نے کئی طرح کے تجارت کئے اور مشرف تا قمر باجوہ ہر آرمی چیف کا اس میں اپنا قابل ذکر حصہ رہا، چونکہ قبائل کے خلاف آپریشنز کا حکم امریکی دیتے اور ساتھ ہی ان آپریشنز پر ہونے والے عسکری خرچے کی ذمہ داری بھی وہی ادا کرتے، کبھی کیری لوگل بل اور کبھی دیگر ناموں سے افواج نے بھاری مقدار میں ڈالرز وصول کئے، قبائلیوں کی بے دخلی پر وصولی کی، متاثرین کے ساتھ امداد کے نام پر پھر سے ڈالرز آنے لگے اور آخری مرحلے میں قبائلی علاقوں کی دوبارہ آبادکاری کے نام پر بھاری مقدار میں پاکستانی حکمرانوں اور خصوصاً افواج نے ڈالرز سے تجوریاں بھر لیں جس کا سلسلہ تاحال جاری ہے۔

اب قبائلی علاقوں کی موجودہ صورتحال پر نظر ڈالیں تو چونکہ افواجِ پاکستان نے علاقے کو مجاہدین سے کلیئر کرنے کا دعویٰ کر رکھا ہے اور عوام کو اپنے اپنے علاقوں میں واپس لانے کا سلسلہ شروع کیا، اس دوران پورے قبائلی خطے کو اپنے ناجائز اور ظالمانہ کنٹرول میں رکھتے ہوئے ان کو ایک مشکل مرحلے سے گزارتے ہوئے شناختی کارڈ کے باوجود وطن کارڈ کے نام پر ایک اور کارڈ تھما دیا، انہیں ہر طرح سے پابندیوں میں جکڑ لیا گیا، فوج گھر کے افراد کی لسٹ لیتی ہے اور بار بار معلومات کرنے پہنچ جاتی ہے کہ کسی کے گھر کوئی مہمان تو نہیں آیا؟ اگر کوئی مہمان آنا چاہتا ہے تو فوج کو اسکی اطلاع دینا لازم ہوتی ہے، طالبان اور فوج کے درمیان جنگ کے دوران فوج نے اپنی پروٹیکشن کے لئے انکے مورچوں کی طرف جانے والے تمام راستوں میں پریشر مائن پلانٹ کئے یوں اکثر علاقے لینڈ مائنز سے بھرے پڑے ہیں اور اب انہیں یونہی چھوڑ دیا گیا جس سے آئے روز خواتین، بچے، بوڑھے، جوان اور مویشی معذور ہو رہے ہیں۔

قبائل کی دوبارہ آبادکاری کے پر فوج نے ایک آدھ پارک، چند سنگل روڈز اور انہی کے ہاتھوں تباہ شدہ چند سکولوں کی عمارتیں خود ہی ٹھیکہ دار بن کر لوٹ لئے، عوام شدید ذہنی دباؤ اور اپنے گھروں میں محصور ہو کر زندگی گزار رہے ہیں۔ فوج نے اس دوران عوام کی آنکھوں میں کئی مرتبہ یہ دھول

جھونکنے کی کوشش کی "دہشتگردوں کا صفایا ہو چکا ہے" دہشتگردوں کی کمر ٹوٹ چکی ہے ""علاقہ کلیئر ہے ""حالات کنٹرول میں ہیں "لیکن طالبان نے اللہ رب العزۃ کے حکم کہ (اگر تم پر جنگ مسلط کر دی جائے تو تم بھی لڑو اور اللہ تمہارے مدد پہ قادر ہے) اور اس کی مدد سے اس قابض اور قاتل و ظالم فوج کو آج تک مسلسل اپنے نشانے پہ رکھا ہوا ہے اور بڑی نزاکت کے ساتھ ان سے قبائلی علاقوں سمیت ملک بھر میں پچھلے اور حالیہ ظلم کا انتقام لے رہے ہیں۔

خود کو بچانے کیلئے فوج نے ان دس سالوں میں مختلف ہتھکنڈے استعمال کئے، آپریشنز کے دوران اندھا دھند بمباری کر کے، لوگوں کو گرفتار اور لاپتہ کر کے، دباؤ بڑھا کر خود کو مستحکم ثابت کر کے، کچھ لوگوں کو ورغلا کر امن لشکر کا قیام کر کے اور میڈیا کو استعمال کر کے، لیکن بحمد اللہ جتنی کوشش انہوں نے خود کو صاف کرنے کیلئے کی، اتنے ہی یہ عوام کی نظروں میں گرتے رہے اور وہی میڈیا جو ان کیلئے استعمال ہوتا تھا آج ان میں سے بھی کچھ ان کے خلاف بولنے لگے ہیں اور یہ سب ان کا اپنے منفی رویے کی وجہ سے ہوا ہے۔ لیکن یہ سلطنت کے نشے میں اتنے آگے جا چکے ہیں کہ آج بھی مجاہدین کے کسی حملے کے بعد بلا تفریق نوجوانوں کو گرفتار کر کے تشدد کرتے ہیں اور علاقے کو سیل کر دیتے ہیں جو دنیا کے کسی بھی قانون میں ہے لیکن ان کا خود کو منوانے کا نشہ نہیں اترا اور یہی وجہ ہے کہ تمام قبائلی ان کے خلاف ہیں اور دوسری جانب مجاہدینِ تحریک طالبان پاکستان بھی ان کے خلاف کسی بھی منفی پروپیگنڈے کے متاثر نہیں اور وہ آخری دم تک انہیں ان کے انجام بد تک پہنچانے کیلئے کوشاں رہیں گے۔ ان شاءاللہ

اللہ مجاہدین کا حامی و ناصر ہو اور اللہ قبائلی علاقوں سمیت تمام مسلمانوں پر جاری ظلم کا سدِ باب کرے اور ہمیں ملک پاکستان میں شرعی نظام کی بہاریں دکھائے۔ آمین۔

فوج اور مقبوضہ ریاستی زمین

مولانا منصور اسیر الاسلام صاحب

دور حاضر میں پاکستانی فوج بحیثیت ایک "گروپ" کسی بھی دوسرے سرکاری ادارے سے زیادہ زمین رکھتی ہے۔ یہ فوج تقریباً ۱۱٫۵۸ ملین ایکڑ زمین پر قابض ہے جو کہ تمام ریاستی زمین کا تقریباً ۱۲٪ بنتا ہے۔ دوسرے پاکستانی ادارے جیسا کہ پاکستان ریلوے، وزارت داخلہ و خارجہ وغیرہ بھی سرکاری زمینیں استعمال کرتے ہیں، لیکن یہاں ایک تو اعداد و شمار کے لحاظ سے بہت بڑا فرق ہے اور دوسرا یہ کہ دیگر ادارے زمنیں صرف سرکاری استعمال کیلئے کرتے ہیں مگر فوج کو یہ اختیار ہے کہ وہ انفرادی طور پر بھی زمین استعمال کرے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ "فوجی بھائی چارے" کے طور پر بھی زمین تقسیم کرتا ہے۔ فوجی افسران کے درمیان آپریشنل مقاصد کیلئے اس نوعیت کی تقسیم نے جنرل ضیاء الحق کے دور میں عروج پایا۔

زمین اور اسے متعلقہ ذرائع کا اس طرح کا استعمال اگر ایک طرف افراد اور اداروں کی مالی حیثیت مستحکم کرتی ہے تو دوسری طرف معاشی اور سیاسی قد میں بھی اضافہ ہوتا ہے اور فوج نے بھی یہی کیا، کہ ان ذرائع کو سیاسی مقاصد کیلئے بے دریغ استعمال کیا جس کی وجہ سے ملک کے شرافیہ کے ساتھ ان کا بہت مضبوط تعلق بنا ہوا ہے۔

آیئے، ہم فوج کی زیر قبضہ زمینوں کا ذرا سا جائزہ لیتے ہیں:

فوج اور دیہاتی زمین:

فوج زرعی زمینوں میں ایک اہم اسٹیک ہولڈر کی حیثیت رکھتی ہے، فوج کے ۱۱٫۵۸ ملین ایکڑ رقبے کا تقریباً ۵۹٪ یعنی ۶٫۹ ملین ایکڑ زمین دیہات میں ہے جس کی تقسیم کچھ یوں ہے۔

(۱) آپریشنل مقاصد کیلئے:

یہ بلا واسطہ فوج کے کنٹرول اور استعمال میں ہوتی ہے، جیسے کیمپ گراونڈز، فوج اور جانوروں کیلئے غلہ، چارہ اگانا اور ڈیری فارمنگ وغیرہ... جو کہ لگ بھگ ۷۰۰۰ ایکڑ زمین پر مشتمل ہے۔

(۲) فوج کی ذیلی تنظیموں کے زیر کنٹرول:

جیسے آرمی ویلفیئر ٹرسٹ (AWF) فوجی فاؤنڈیشن (FF) بحریہ فاؤنڈیشن (BF) وغیرہ... یہ زمین تقریباً ۳۵۰۰۰ ایکڑ ہے۔

فوج کے انفرادی ممبران کی ملکیت:

یہ ۶٫۸ ملین ایکڑ زمین ہے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ کوئی بھی سرکاری ادارہ یہ اختیار نہیں رکھتا کہ ریاستی سرکاری زمین کو اپنے افسران کے ذاتی مفاد کی خاطر آپس میں بانٹ لیں مگر فوج اس کے برعکس کرتی آرہی ہے۔

زرعی زمین، آپریشنل مقاصد کیلئے:

فوج تقریباً ۷۰۰۰ ایکڑ زمین آپریشنل مقاصد کیلئے استعمال کرتی ہے جیسے غلہ و چارہ، اس زمین کا ۶۰۰۰ ایکڑ پنجاب میں ہے جس میں سے ۳۵۵۰۸ ایکڑ رقبے پر غلہ و چارہ اگایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ آج بھی فوج پنجاب کی سرکاری ۶۸۰۰۰ ایکڑ زمین کا تقریباً ۳۸ فیصد رقبہ اپنے کنٹرول میں رکھتا ہے۔ عام طور پر فوج ان معاملات کو بلکل بھی پبلک نہیں کرتی اور بی بی سی کے ایک رپورٹر کو معلومات طلب کرنے پر خبردار کرکے منع کر دیا گیا تھا۔ (مگر اب بہت کچھ پبلک ہو چکا ہے۔) فوج کے اثر و رسوخ کی وجہ سے وفاقی اور صوبائی حکومتیں عموماً خاموش رہتی ہیں، باوجودیکہ ان کے علم میں یہ بات

ہوتی ہے کہ فوج زمین کے استعمال اور قیمتوں کو تبدیل کرتی یا چند چنیدہ افراد کے فائدے میں لاتی ہے۔ مثلاً ۲۰۰۶ء میں آڈیٹر جنرل ڈپارٹمنٹ نے اس بات کی نشاندہی کی کہ پنجاب حکومت نے قانون کی خلاف ورزی کی ہے، کہ فوج کو جہلم میں گالف کورس بنانے کیلئے ۱۳۰ ایکڑ کی زمین ۲۷ ملین روپے (تقریباً ۲۴ء۱ ملین ڈالر) میں دے دی، حالانکہ مارکیٹ ریٹ اس سے کئی گنا زیادہ تھی۔ شعبہ زراعت میں فوج کا براہ راست ملوث ہونا اور گاؤں کی زمینوں پر قبضہ کرنا تب تک ظاہر نہیں تھا جب تک ۲۰۰۱ء میں پنجاب کے شہر اوکاڑہ میں فوج اور بے زمین و بے روزگار کاشتکاروں کے درمیان تنازعہ رونما نہ ہوا، اس کی تفصیل کسی اور موقع کیلئے چھوڑ دیتے ہیں۔

سنہ ۱۹۶۵ء سے ۲۰۰۳ء تک پنجاب اور خیبر پختونخوا کے ۱۲ اضلاع کی تقریباً ۱۹۰۰۰۰ ایکڑ زمین فوج میں تقسیم کی جاچکی ہے۔ روزنامہ ڈان کی رپورٹ کے مطابق ۱۹۸۱ء میں ۵۰ روپے (۸۶ء۰ ڈالر) فی ایکڑ کی رعایتی قیمت اور ۱۹۹۴ء میں بڑھ کر روپی فی ایکڑ ۶۰ تھی۔

پنجاب اور کے پی کے بشمول سندھ کی فوج کو دی گئی زمین کی قیمت اور ریاست کو اس کا منافع ذرا ملاحظہ کیجیے

کل زمین: ۱۲۳۰۳۷۰۷ ایکڑ

فی ایکڑ قیمت: ۵۰ روپے

مجموعی رقم: ۱۸ء۱۳۵ ملین روپے

مساوی: ۳۳ء۲ ملین ڈالر

یہ وہ رقم ہے جو ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۴ء تک ریاست کو ملی لیکن اگر اوسطاً مارکیٹ میں الاکھ فی ایکڑ لگائی جائے تو ملاحظہ کیجیے:

مجموعی رقم: ۷۳ء۱۲۷۰ ارب روپے

مساوی: ۵ء۴۶۶۱ ملین ڈالر

کیا یہ فرق ہوش اڑانے کیلئے کافی نہیں ہے؟۔

آج تک جتنی بھی زمینیں فوج نے صوبائی و وفاقی حکومتوں سے ہتھیائی ہیں تو اس میں یہ تاثر دینے سے بچنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے کہ یہ ایک غاصبانہ قبضہ ہے۔

زرعی زمینیں بالخصوص صوبائی حکومتوں سے فوج کو مسلسل منتقل ہورہی ہیں، ابھی حال میں پنجاب کی نگران حکومت نے فوج کو ہزاروں ایکڑ زمین لیز پر دے دی جس کے خلاف لاہور ہائیکورٹ کا فیصلہ بھی آیا کہ نگران حکومت ایک غیر منتخب ادارہ ہے اور اس کے خلاف اتنا اختیار نہیں ہے، لیکن فوج سی پیک کے نام پر ایک زرعی منصوبہ چین کیساتھ تشکیل دے رہا ہے، سو یہاں ہائیکورٹ کا فیصلہ بھی صدا بصحرا ثابت ہوگا۔ جو زمین فوج کے پاس جاتی ہے وہ پھر تینوں سروسز یعنی آرمی، ایئر فورس اور نیوی میں تقسیم ہوجاتی ہے، پھر یہ ادارہ دوبارہ ان زمینوں کو اپنے افراد میں بانٹ لیتی ہے۔

برطانوی راج سے فوج کو جو زمین وراثت میں ملی، ایوب دور میں ۹ ملین ایکڑ رقبے پر ڈیمز بنائے گئے، جبکہ ایک ملین ایکڑ زمین سینئر جرنلز نے آپس میں بانٹ لیں۔ جنرل ایوب خان کو ۲۴۷ ایکڑ، جنرل موسیٰ خان کو ۲۵۰ ایکڑ اور جنرل امراؤ خان کو ۲۴۶ ایکڑ زمین ملی، اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ایک عام فوجی کے مقابلے میں سینئر افسران زیادہ مستفید ہوتے ہیں، افسران کے تعداد بڑھنے کے ساتھ ساتھ زمین کے مقدار کم ہوتی گئی، لیکن اب بھی میجر جنرل اور اس سے اوپر افسران کو ۵۰ ایکڑ زمین ملتی ہے۔ اس کے علاوہ بہادری کے تمغوں کے نام پر بھی زمینیں ملتی ہیں، فوجی اعزازات کے ذریعے زمین کی انتہائی زیادہ تقسیم نے زمینداروں کی ایک نئی قسم ایجاد کردی "فوجی زمیندار"۔ مضمون کی اگلی قسط میں یہ لکھا جائے گا کہ فوج یہ زمینیں کن تین وجوہات کی بنا پر اپنی برادری میں تقسیم کرتی ہے؟۔ ان شاءاللہ۔

فوج ان زمینوں کو اپنی برادری میں بانٹنے کی تین وجوہات بیان کرتی ہے:

پہلی وجہ یہ کہ سرحدی علاقوں میں فوج کو زمین ملے گی تو یہ زمین کے ساتھ ساتھ سرحد کی بھی حفاظت کریں گے اور ملک دشمن عناصر کیخلاف حاضر سروس فوجیوں کا ساتھ دیں گے، مگر معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ کسی بھی فوجی نے یہ زمین آباد نہیں کی بلکہ سپاہی و افسر سب نے یہ زمینیں بیچ ڈالی ہیں۔

دوسری وجہ یہ کہ فوج میں زمین تقسیم کرکے جاگیردارانہ نظام کو ضرب لگائی جائے کہ ایک نیا متوسط دیہاتی طبقہ ابھرے گا جو جاگیردار کی جگہ لے گا مگر یہ بھی لاحاصل رہا۔ تیسری وجہ یہ بتاتے ہیں کہ فوج یہاں مشینری استعمال کرکے ملک کو معاشی ترقی سے نوازیں گے، مگر اب تک ایسے کوئی شواہد نہیں مل سکے کہ فوج نے پسماندہ علاقوں میں زرعی مشینی انقلاب برپا کیا ہو، بلکہ فوجی طبقہ الاٹ شدہ زمینیں مقامی وڈیروں اور جاگیرداروں کو فروخت کرتا ہی پایا گیا ہے۔ اس عمل سے نہ صرف مقامی جاگیردار مضبوط ہوتا رہا بلکہ فوج اور جاگیرداروں میں مضبوط اتحاد بنتا گیا اور اس طرح فوج جاگیردارانہ نظام کا حصہ اور آلہ بن گئی۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ زمین کی تقسیم کا بڑا فائدہ سینئر جنرلز کو ہوتا ہے جو صرف جائیدادوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ ملک کی ترقی کے نام پر مختلف رعایتیں، ٹیکنیکل اور مالی امداد، پانی تک رسائی اور مارکیٹ تک سڑکوں کی تعمیر بھی کروائی جاتی ہے۔ ۱۹۵۰–۱۹۶۰ کے دوران فوجی و معاشی مد میں جو غیر ملکی امداد موصول ہوئی تو اسے فوج کو الاٹ شدہ زمینوں کی طرف پھیر دیا گیا۔ اس موقع پر جب پنجاب کے فائننس منسٹر نواب افتخار حسین سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے معاشی مد میں جو غیر ملکی امداد موصول ہوئی تو اسے فوج کو الاٹ شدہ زمینوں کی طرف پھیر دیا گیا۔ اس موقع پر جب پنجاب کے فائننس منسٹر نواب افتخار حسین سے استفسار کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ «غیر ملکی امداد فوج ہی کی ہوتی ہے»۔ پرویز مشرف، جنرل زیدی اور نیول چیف ایڈمرل عبدالعزیز مرزا جیسے سینئرز کی زمینوں کی تحقیقات کیلئے جب پے در پے دورے کیے گئے تو معلوم ہوا کہ ان زمینوں پر حاضر سروس فوجی بحیثیت چوکیدار و دہقان کام کر رہے تھے جس نے سولہویں اور سترہویں صدی کے یورپی KNIGHTS اور BORNS یعنی روس کی زرعی غلامی کی یاد دلائی۔ ایک اہم بات یہ ہے کہ مذکورہ سینئر افسران پانی اور مارکیٹوں تک روڈ کے حصول کیلئے اپنا اثر ورسوخ استعمال کرتے ہیں (وردی بیچتے ہیں) جو اس افسر اور ظالم جاگیردار کے درمیان کے فرق کو ختم کر دیتی ہے کہ اپنے ذاتی مالی مفادات کی خاطر اثر ورسوخ کا ظالمانہ استعمال کیا جائے۔ اس کے علاوہ انہیں زراعت کیلئے کھاد، مشینری اور تخم وغیرہ بھی انتہائی رعایتی قیمتوں پر فوجی گاڑیوں میں لاد کر پہنچائی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ یہ تذکرہ صرف دیہاتوں سے متعلق تھا، شہری زمینوں کا طرز استعمال اور اس کی تفصیلات اس سے ہٹ کر ہیں۔

فوج کو الاٹ کی جانے والی زمین:

میجر جنرل اور اس سے اوپر: ۱۲۴۰ ایکڑ

بریگیڈیئر اور کرنل: ۱۱۵۰ ایکڑ

لیفٹننٹ کرنل: ۱۲۴ ایکڑ

لیفٹننٹ اور میجر: ۱۰۰ ایکڑ

صوبیدار اور نائب صوبیدار: ۶۴ ایکڑ

نائیک اور حوالدار: ۳۲ ایکڑ

ایک نظر عمر میڈیا پر

مولانا خالد قریشی

تحریک طالبان پاکستان تمام اداروں کو مد نظر رکھتے ہوئے بہتر سے بہترین نظم و ضبط پیش کرنے والی اپنی نوعیت کی جنوبی ایشیاء کی منظم ترین جہادی جماعت ہے۔

جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ جہاد صرف قتال کا نام نہیں ہے بلکہ قتال کی تقویت کے لئے اور اسے منظم انداز میں آگے بڑھانے کے لئے مختلف ادارہ جات کی تشکیل بھی ضروری ہے، یہ بھی آپ کو معلوم ہو گا کہ تحریک طالبان پاکستان رہبری شوریٰ سے لیکر اعلامی کمیشن تک ہر چیز پر نظر رکھی ہوئی ہے اور ہر ادارے کو حسب استطاعت وسائل فراہم کرکے اسے جہاد پاکستان میں اپنی صلاحیت بروئے کار لانے کے مواقع فراہم کر رہی ہے۔ اس سلسلے میں تحریک طالبان پاکستان (کے اطلاعات و نشریات) کا ادارہ "عمر میڈیا" بھی دیگر شعبہ جات کی طرح خوب فعال ہے اور پچھلے اداور کی بنسبت زیادہ منظم اور فعال ہے۔

عمر میڈیا کا سب سے اہم کام تحریک طالبان پاکستان کا موقف پیش کرنا ہے۔ حالات کے تناظر میں کسی واقعے کی تحقیق یا تردید کرنی ہو، کسی واقعے کے بارے میں ضروری وضاحت دینی ہو یا کسی کی تعزیت یا ہمدردی ہو تو اعلامی کمیشن کی زیرِ نگرانی عمر میڈیا اسے نشر کرتا ہے اور اسی طرح بواسطہ ترجمان اسے صحافی برادری کو بھی بروقت ارسال کرتا ہے۔ دیکھا جائے تو اس حوالے سے تحریک کا اعلامی کمیشن بہت ہی بیدار رہا ہے اور کوئی بھی ایسا واقعہ یا سانحہ نہیں رہتا جس پر بولنے کی ضرورت ہو اور وہ خاموش رہا ہو۔

عمر میڈیا کا شعبہ ویڈیو بھی بہت ہی فعال اور تحریک طالبان پاکستان کی فعالیت کے بارے میں آگاہی دینے کے ساتھ ساتھ دشمن کے مظالم اور زیادتیوں سے بھی پردہ فاش کرنے کا کام بخوبی سرانجام دے رہا ہے۔ اس کیلئے عمر میڈیا شعبہ ویڈیو نے درج ذیل الگ الگ سلسلے قائم کر رکھے ہیں۔

۱۔ ابطال امت:

اس سلسلے میں تحریک طالبان پاکستان کے شہید قائدین کی سوانحِ حیات پر مبنی ویڈیوز شائع ہوتی ہیں۔

۲۔ جنگی ویڈیوز (آپریشن کے نام سے منسوب):

اس سلسلے میں تحریک طالبان پاکستان کے مجاہدین کی عملیات کی ویڈیوز دکھائی جاتی ہیں۔ اس نوعیت کے سلسلے اس سے پہلے "الکرارون، معرکے ہیں تیز تر، یہ غازی یہ تیرے پراسرار بندے" وغیرہ کے نام سے تھے۔

۳۔ تربیتی ویڈیوز:

اس سلسلے میں تحریک طالبان پاکستان کے معسکرات کی تربیتی ویڈیوز دکھائی جاتی ہیں۔ یہ سلسلہ "المعدون للقتال، تیار ہیں ہم اور یقاظ" کے نام سے چلتا رہا ہے۔

۴۔ زیر نظر (سیاسی):

اس سلسلے میں پاکستانی حکومت کے کرپشنز و عدالتی مظالم اور عوامِ پاکستان کے ساتھ کی جانے والی تمام زیادتیوں سے پردہ اٹھایا جاتا ہے۔

۵۔ مظالم ویڈیوز (اب نہیں تو کب اٹھیں گے؟):

اس سلسلے میں خصوصی طور پر پاکستانی ظالم و جابر سیکیورٹی اداروں کے مظالم دکھائے جاتے ہیں۔

۶۔ میں جہاد کا مسافر:

یہ ایک تفریحی ویڈیو سلسلہ ہے جس میں مجاہدین کے اسفار، عبادات اور خوراک وغیرہ کے مناظر دکھائے جاتے ہیں۔

۷۔ کفالۃ الیتیم:

یہ ایک درد بھرا سلسلہ ہے جس میں آپ یہ تو دیکھیں گے

کہ تحریک طالبان پاکستان کا فلاحی ادارہ یتیموں کے ساتھ مدد کرتا ہے مگر دوسری طرف یتیموں کے پھٹے ہونٹ، پھٹے پرانے کپڑے اور غم زدہ چہرے آپ کو غمگین کر دیں گے۔

۸۔ دعوت جہاد:

اس سلسلے میں مجاہدین علمائے کرام کے بیانات شائع ہوتے ہیں۔

۹۔ رسم محبت:

یہ سلسلہ عام مجاہدین شہداء (خو مرکزی قیادت میں شامل نہیں ہیں) کی ویڈیوز پر مبنی ہے۔

۱۰۔ شاہین جوان:

اس سلسلے میں استشہادی عملیات کی تفصیلات اور استشہادی مجاہدین کی ویڈیوز شائع کی جائیں گی۔

تحریک طالبان پاکستان کی میڈیا میں ایک اہم چیز مجلہ یا رسالہ ہے۔ یہ مجلہ "طالبان کے نام سے ہے جو آپ کے سامنے ہے، اس کے بارہ شمارے شائع ہو چکے ہیں، مزید شمارے بھی ماہانہ / سہ ماہی شائع ہو رہے ہیں۔ اس میں مجاہدین علمائے کرام کے مضامین اور مجاہدین کی کارروائیوں کی تفصیلات جاری جاتی ہیں۔ شعبہ مجلات « مجلہ طالبان اردو » « مجلہ صدای طالبان پشتو » « مجلہ بنات خدیجۃ الکبری اردو خاص برائے خواتین » اور « خصوصی ایڈیشنز » چلاتا ہے۔

عمر میڈیا کی سوشل میڈیا ٹیم بھی ہے جو ٹویٹر سپیسز، ایف ایم پروگرامز تیار کرنے کے ساتھ ساتھ اعلامی کمیشن کو ٹرینڈز سے آگاہ کرتی ہے اور کسی بھی نئے واقعے کے بارے میں بروقت اطلاع دیتی ہے۔ یہ ٹیم تحریک طالبان پاکستان کیخلاف کیے جانے والے پروپیگنڈوں کا جواب بھی دیتی ہے اور ساتھ ساتھ تحریک کے حامی سوشل میڈیا صارفین کو اعلامی کمیشن کی ہدایات سے بھی آگاہ کرتی ہے۔

عمر ریڈیو بھی تحریک طالبان پاکستان کا ایک اہم دعوتی شعبہ ہے، جو براہ راست اور آنلائن جہادی و دعوتی پروگرامز اور حالات حاضرہ کے حوالے سے رپورٹس اور انٹرویوز وغیرہ شائع کرتا ہے۔ اسی طرح تحریک طالبان پاکستان کی روزانہ کی کارروائیوں اور دیگر قابل توجہ خبروں کیلئے روزانہ کی بنیاد پر آنلائن « منزل » نامی اخبار بھی شائع کیا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ بھی تحریک طالبان پاکستان کا عمر میڈیا وقتاً فوقتاً حالات حاضرہ کی مناسبت سے ویڈیوز، انفوگرافکس اور دیگر مواد شائع کرتا ہے۔

یہ بات یاد رہے کہ تحریک طالبان پاکستان کا عمر میڈیا اکیلے ہی پاکستان میں فوج کے ماتحت تمام ڈیجیٹل، سوشل اور پرنٹ میڈیا سمیت کئی ہزار چینلز پر ہونے والے پروپیگنڈوں کا مقابلہ کر رہا ہے۔ یوں کہیں تو مناسب ہو گا کہ عمر میڈیا، دجالی میڈیا کے ایک مہلک سیلاب میں مضبوط اور تناور درخت کی مانند مستقیم کھڑا ہے۔ اسی طرح ملک بھر کے تمام مزاحمتی سوشل میڈیا چینلز بھی کہیں نہ کہیں عمر میڈیا کی تقلید کرتے نظر آتے ہیں، جس کی وجہ عمر میڈیا کے پیچھے ملک کی سب سے بڑی، متحد اور نظریاتی، فکری اور علمی سوچ ہے۔

اللہ تعالی عمر میڈیا میں کام کرنے والے مجاہدین اور اس کی قیادت کو دن دگنی رات چگنی ترقی نصیب فرمائے اور اللہ ان کی کاوشوں کو اپنے دربار عالیہ میں قبول و منظور فرمائے۔ آمین۔

بابا جان « آئی مس یو »

تحریک طالبان پاکستان کے ایک مجاہد کی ہمسفر کی رلا دینے والی کہانی

رات کے نو بج رہے تھے۔ عام روٹین سے دن گزرا تھا۔ بچے آج بہت خوش تھے کہ آج ان کے لیے ان کے بابا تجویدی سپاروں کا سیٹ لائے تھے۔ رات کا کھانا تیار تھا۔ سر تاج صاحب تھکے ماندے کچھ دیر پہلے گھر آئے تھے۔ اچانک گھر کا دروازہ دھڑ ادھڑ کوئی کھٹکھٹانے لگا۔ کسی انہونی کے خیال سے دل یک دم مٹھی میں آگیا۔ سر تاج نے دروازہ کھولا اور سات آٹھ آدمی اندر گھس آئے۔ میں ایک کمرے میں بیٹھ گئی اور ان لوگوں نے گھر کی تلاشی لینی شروع کر دی۔ ایک ایک الماری کھول کے سامان باہر پھینکنا شروع کیا پھر ایک چادر بچھا کر اس پر ہماری کتابیں پھینکی۔ کیش پیسے بھی اٹھا لیے۔ چادر سمیٹی سر تاج کو ہتھکڑی لگائی اور اپنے ساتھ لے گئے۔

کیا آپ تصور کر سکتے ہیں اس عورت کی حالت کہ جس کی زندگی کا واحد سہارا اس کا شوہر ہو۔ جس کا نہ بھائی ہو، نہ باپ نہ کوئی بیٹا۔۔۔

جس نے کبھی اکیلے گھر سے باہر قدم نہ نکالا ہو۔ جس نے پچھلے سات سال سے کبھی کوئی رات اکیلے نہ گزاری ہو۔ میں کبھی امی کو فون کر رہی کبھی ساس سسر کو۔ کبھی روتی ہوئی تین سالہ بچی کو اٹھاتی جس کو بس یہ دکھ ہو رہا تھا کہ بابا مجھے ساتھ لے کے نہیں گئے۔

کبھی پانچ سالہ بچی کے سوالات کے جواب دے رہی۔

آخر بھیگی آنکھوں سے نماز ادا کی اور رب کو حال دل سنایا اور مدد مانگی۔ بچوں کا بستر اپنے کمرے میں لگایا اور خود سونے کی کوشش کرنے لگی۔ ایک نظر پر سکون سوئے بچوں لیکن پڑی دل میں خدشات کی لہر اٹھی۔ ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ نیند کی شدت غالب آگئی۔

رات کا نہ جانے کونسا پہر تھا کہ ایک دم آنکھ کھلی، دل اتنا تیز دھڑک رہا تھا کہ یوں لگا باہر نکل آئے گا۔ آج بھی اس لمحے کو سوچوں تو کانپ جاتی ہوں! یہ بھی خیال آتا ہے کہ اس لمحے جو خوف کی کیفیت مجھ پر گزری، شاید اس کے بدلے پچھلے سب گناہ معاف ہو جائیں۔ بس پھر نہایت شدت سے اللہ سے مدد مانگی، اپنے شوہر کی بحفاظت واپسی اور سب کی سلامتی کی دعاء۔ اپنے سکون قلب کی دعاء۔

ألا بذكر الله تطمئن القلوب

بس اس کے بعد الحمدللہ دوبارہ کبھی خوف محسوس نہ ہوا۔ یہاں تک کہ بعد کے دو سال میں بے شمار ایسے مواقع آئے کہ اب میں خود بھی سوچوں تو حیران رہ جاتی ہوں کہ میں تو اتنی کمزور ہوں اس سب سے کیسے گزر گئی؟۔

ایک بار سسر جی نے فون پر پوچھا کہ بیٹی آپ کو رات کو نیند کیسے آجاتی ہے؟ میں نے بتایا کہ میں اللہ سے مانگتی ہوں کہ اللہ میرے دل کو ویسے ہی مضبوط و مربوط کر دے جیسے موسی علیہ السلام کی والدہ کے دل کو کیا تھا۔

وہ کہنے لگے بیٹا یہ دعا میرے لیے بھی کر دیا کرو۔

یقین کریں میرے رحیم رب نے اس دعا کو اتنا پیارا قبول کیا کہ کتنے ہی موقعوں پر میں خود بول اٹھی کہ۔۔۔

لولا أن ربطنا على قلبها

میں نے لوگوں کی نظروں اور رویوں میں تمسخر دیکھا، حقارت دیکھی، اپنوں کے طنز برداشت کیے۔ زندگی گویا ایک سو اسی ڈگری پر پلٹ گئی۔ کھانے پینے کا بھی ہوش نہ رہا۔ دو کمسن بچے اور پہاڑ سی زندگی۔ مگر ہر ہر لمحے پر ایسے لگا جیسے اللہ تعالیٰ ہاتھ پکڑ کر چلا رہے ہوں۔ پھر مجھے بھی عادت ہو گئی اللہ کے اس ساتھ کی۔ ہر نئے فیصلے اور کام سے پہلے حتی کہ سبزی خریدنے سے پہلے بھی بار بار استخارہ کرتی اور اللہ کی مدد سے

کام آسان ہو جاتا۔ ایسے ایسے معجزات ہوتے دیکھے کہ اس راستے کے حقانیت کا یقین ہر روز مزید بڑھ جاتا۔

آنکھ کے آنسو اور دل کے غم پر تو البتہ کوئی اختیار نہ تھا۔ ایک دن بچوں کی الماری کی صفائی کرتے ہوئے مڑا تڑا ایک کاغذ ملا۔ کوڑے میں پھینکنے سے قبل کھول کر دیکھا تو کچی پنسل سے آڑھی ترچھی لکھائی میں لکھا تھا « بابا میں پریپ میں ہو گئی ہوں۔ «I miss you

ایک دم بلا ارادہ ہی آنکھیں بھریں اور بھر کر برس گئیں۔۔۔

کئی بار کوئی سخت کام کرتے ہوئے یاد آتا کہ ایک بار پیاز کاٹتے ہوئے ہاتھ پر ہلکا سا کٹ لگ گیا تو سر تاج نے منع کر دیا کہ آئندہ تم نے پیاز نہیں کاٹنا۔

کئی بار لگا کہ کہیں میں ڈپریشن میں نہ چلی جاؤں مگر پھر بچوں کی طرف دیکھ کر سوچتی کہ ان کے لیے تو اس وقت میں ہی ماں اور میں ہی باپ ہوں۔ کئی بار اپنی کیفیت سے سورہ احزاب کی آیت یاد آئی "**و زلزلوا زلزال شدیدا**" اور اس کا مطلب بھی اچھی طرح سمجھ آیا۔

مگر میرا رب اتنا رحیم اور ودود ہے وہ اپنے راستے پر چلنے والوں کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑتا۔ جس دن میں زیادہ غمگین ہوتی اسی رات اللہ تعالیٰ کوئی بہت اچھا خواب دکھا دیتے کہ دل پھر مضبوط ہو جاتا۔

ایک کام یہ کیا کہ جو بھی حال دل تھا وہ صرف اللہ سے کہا۔ کسی قریبی سے قریبی بھی انسان کے آگے کچھ نہ کہا۔ بالکل خاموشی اختیار کی۔ جب رونے کو دل کیا اکیلے میں اللہ کے آگے رو لیا۔

ایک شاید نفسیاتی سا مسئلہ یا اس کو جو بھی کہہ لیں، ہوا یوں کہ میرے سے شوہر کی گرفتاری اور اس سارے معاملے پر کوئی بات کسی سے نہ کی جاتی تھی۔ بات کرتے ہوئے عجیب سی حالت ہو جاتی تھی۔ کوئی شخص اس بارے میں کچھ پوچھتا تو مجھ سے کچھ بتایا ہی نہ جاتا۔ کچھ لوگوں کو بھی بس لذت کے لیے اس طرح کے سوالات بار بار پوچھنے کی عادت ہوتی ہے۔ میں نے ہر اس شخص سے بات کرنا ہی چھوڑ دیا جس کے بارے میں مجھے لگتا کہ یہ شوہر کے بارے میں استفسار کریں گے۔

کچھ لوگوں نے ذہنی اذیت یوں دی کہ گھر والوں کو کہا جاتا کہ بس ایک ہفتے میں یہ بندہ واپس آجائے گا۔ میں سارے گھر کی صفائی کرتی۔ سر تاج کی پسندیدہ چیزیں پکانے کا سامان منگوا کر رکھتی۔ سوٹ استری کر کے لٹکاتی اور پھر ایک دو تین ہفتے اور مہینے گزر جاتے اور سر تاج کا کچھ پتا نہ چلتا۔

یہ بھی اللہ ہی کی مہربانی تھی کہ کچھ لوگوں کے دلوں کو اللہ نے نرم کر دیا اور ان کی وجہ سے بے حد آسانیاں ہوئیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ انہیں اجر عظیم سے نوازیں ان کی لغزشوں سے درگذر کریں اور نیکی میں مزید آگے بڑھنے کی توفیق دیں۔

ایک رات خواب دیکھا کہ میں درد زہ کے ساتھ ہسپتال گئی ہوں۔ ہسپتال بھی دیکھا کہ یہ والا ہے اور دو قابل لیڈی ڈاکٹرز بھی جن کو میں جانتی تھی دیکھی کہ وہ میرا چیک اپ کر رہی ہیں۔ دل کو بہت تسلی ہوئی کہ ان شا اللہ اچھا خواب ہے۔ صبح اٹھ کہ بڑی بیٹی کہتی ماما میں نے خواب دیکھا کہ ہمارے گھر ایک بے بی آیا ہے اور وہ بے بی کوئی اور نہیں بلکہ ہم دونوں بہنوں کا بھائی ہے! مطلب اسی رات اللہ نے یہ خواب بچی کو دکھایا تاکہ دل مزید پختہ ہو جائے۔ اور تو اور کچھ دن بعد ایسا ہی خواب امی نے بھی مجھے سنایا۔

اس کے علاوہ بھی کئی بار خواب دیکھا کہ سر تاج واپس آگئے ہیں تو بس دل کو یقین تھا کہ ضرور آئیں گے۔

مگر زندگی اتنی مشکل تھی کہ کئی بار دل پکار اٹھتا کہ « متی نصر اللہ؟ »۔ پھر ایسے لگتا کہیں قریب سے ہی جواب آیا کہ «**ألا ان نصر اللّٰہ قریب**۔»

ایک بار گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سورہ آل عمران کی تلاوت

لگائی ہوئی تھی کہ آیت کانوں میں پڑی

« اور کتنے ہی نبی ایسے گزرے جن کے ساتھ مل کر اللہ والے (اللہ کے دشمنوں سے) لڑے۔ تو جو مصیبتیں ان پر اللہ کے راستے میں آئیں ان کی وجہ سے نہ تو انہوں نے ہمت ہاری نہ کمزور پڑے اور نہ کافروں سے ڈرے اور اللہ صبر کرنے والوں سے محبت کرتے ہیں »

مجھے تو ایسا ہی لگا کہ یہ آیت میں نے پہلی بار سنی ہے، حالانکہ ہزاروں بار پڑھی اور سنی تھی مگر کبھی اس طرح غور ہی نہ کیا۔

ایک بار کسی کا قول پڑھا کہیں کہ جو دعا آپ کو تہجد کے لیے نہ اٹھا سکے، اس دعا میں آپ کی تڑپ سچی نہیں۔ بات دل کو لگی اور باقاعدہ تہجد شروع کر دی۔

ایک بار یوسف علیہ السلام کے قصے میں غور کیا کہ یعقوب علیہ السلام نے کتنے سال کیسا خوبصورت صبر کیا۔ پھر رونے لگ گئی کہ یا اللہ وہ تو نبی تھے، میں تو ایک ادنی کمزور عورت ہوں۔ میری اتنی ہمت نہیں۔

یہ چیز بھی محسوس کی کہ اللہ سے محبت اور تعلق بہت زیادہ بڑھ گیا۔ آج بھی بہت سے معاملات کو اسی کریم اور مقتدر کے حوالے کر کے بے فکر ہو جاتی ہوں یہ سوچ کر کہ اس کڑے وقت میں بھی تو اللہ نے کیسے کیسے مدد کی تھی۔

پھر اس سب آزمائش میں اللہ تعالیٰ کی رحمت خوب جوش میں آئی۔

ایک صبح حسب معمول گھر کے کام سے فارغ ہو کر بچوں کو سکول چھوڑا۔ آج دل کچھ زیادہ ہی اداس اور تنگ ہو رہا تھا۔ طبیعت بھی ٹھیک نہ تھی، کام سب خود کرنے تھے، پھر دل ہی دل میں اللہ کو پکارا اور مدد مانگی۔ دوپہر میں مصروف تھی کہ سسر ابو کی کال آئی۔ کہتے بیٹا ایک بڑی خبر سناؤں تو سہہ لو گی؟ میرے منہ سے پہلا جملہ یہ ہی ادا ہوا کہ

« آ گئے وہ؟ »

اور پھر انہوں نے فون سر تاج کو پکڑا دیا۔ اس آواز کو تو میں لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ پھر یہ کائنات دو سال پیچھے چلی گئی اور آسمان تک سات رنگوں میں ڈوب گئی۔ بادل برسے اور ہر چیز نکھر کر خوبصورت ہو گئی۔

میرا رحیم رب۔ میرا کریم رب۔

اس کو پتا تھا کہ اس کی بندی کی کہاں تک ہمت ہے۔ بس اس سے آگے نہیں آزمایا۔ میری اوقات سے بڑھ کے مجھے دیا۔

اور وہ دردزہ والا خواب۔۔۔

وہ بھی پھر پورا ہوا، ہو بہو۔ اسی ہسپتال میں ان ہی ڈاکٹرز کے ہاتھوں میں۔ میں اپنے بیٹے کے بارے میں یہی کہتی ہوں کہ یہ تو میرے خواب کی تعبیر ہے۔

اللہ سے یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ساری آزمائش کا اجر آخرت میں دیں اور تمام مظلومین پر اپنا کرم فرمائیں۔ ہر وہ بہن جو میرے جیسے حالات سے گزر رہی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے بے شمار آسانیاں کر دیں۔ آمین۔

یہ تحریر ایک ایسے صبر، توکل اور قرب الٰہی کی گواہی ہے جو آزمائشوں کے کٹھن ترین لمحوں میں کسی بندۂ مومن کو میسر آتا ہے۔ درد، بے بسی، اکیلا پن اور خوف کے لمحات میں جس طرح اللہ کو پکارا، اسی طرح اللہ نے بھی ہاتھ تھاما، دل کو تسلی دی، اور اپنے وعدے کے مطابق نصرت عطا فرمائی۔

یہ داستان۔۔۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق کی ایک زندہ مثال ہے

ماں کی ہمت اور قربانی کی گواہی ہے

شوہر سے محبت کی لطیف جھلک اور

دعا کے معجزانہ اثرات کا بیان ہے۔

جس خوبصورتی اور روانی سے جذبات کو قلمبند کیا گیا ہے، وہ قاری کے دل تک اترتی ہے اور بے اختیار آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔ سب سے حسین بات یہ ہے کہ دکھ اور تنہائی میں کسی انسان کے بجائے صرف اللہ سے رجوع کیا گیا، جو سب سے بڑا سہارا ہے۔

شیخ اسامہ شہید رحمہ اللہ کے تحریک طالبان پاکستان کے بارے میں تاریخی الفاظ

شیخ اسامہ رحمہ اللہ نے فرمایا:

ہم یعنی تنظیم القاعدہ کے ساتھی اللہ کو گواہ بنا کر کہتے ہیں کہ ہم مولانا عبد الرشید غازیؒ اور اُن کے ساتھیوں کا بدلہ پرویز اور اُس کے ساتھیوں سے ضرور لیں گے۔ اسی طرح ہم ہر اُس طاہرہ و پاکیزہ خون کا بدلہ لے کر رہیں گے جو ان ظالموں کے ہاتھوں بہا، جن میں سرِ فہرست ابطالِ اسلام کا وہ لہو ہے جو وزیرستان میں بہایا گیا، خواہ شمالی وزیرستان میں ہو یا جنوبی وزیرستان میں۔ اور اسی پاکیزہ لہو میں دو محترم قائدینِ جہاد، کمانڈر نیک محمد اور عبد اللہ محسود رحمہ اللہ کے خون بھی شامل ہیں۔

یقیناً وزیرستان کے قبائل نے عالمی کفر، یعنی امریکہ اور اُس کے حلیفوں، اور اُن کے آلہ کاروں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر استقامت کے ساتھ ایک تاریخی کردار ادا کیا۔ یہ ایک ایسا کردار ہے جو بڑے بڑے ممالک بھی ادا کرنے سے عاجز رہے۔ ان کی اس ثابت قدمی کا اصل سبب ان کا اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اسی پر توکل ہے۔

انہوں نے اللہ ہی کی خاطر عظیم مالی اور جانی قربانیاں دیں۔ میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اس راہ میں جو کچھ بھی اُن سے چھین لیا گیا، اللہ تعالیٰ انہیں اس سے بہتر نعم البدل عطا فرمائے۔

مسلمان کبھی بھی اہلِ وزیرستان کے اس کردار کو نہیں بھولیں گے، نہ علماءِ اسلام، قائدینِ امت اور ابناءِ امت کا یہ خون یونہی رائیگاں جانے دیا جائے گا۔ جب تک ہمارے جسم و جان میں خون کا آخری قطرہ بھی موجود ہے، ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں یہ عہد پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اے اللہ! اے ہمارے رب! ہمارے جو بہن بھائی قتل کر دیے گئے، اُن کی شہادتیں قبول فرما، اور زخمیوں کو اپنے خصوصی کرم سے شفا عطا فرما۔

اے اللہ! اُن کی قبروں کو اُن پر کشادہ فرما، اُن کے اہل و عیال میں اُن کا خلیفہ بن جا، اور علیین میں اُن کے درجات بلند فرما۔

اے اللہ! بلاشبہ پرویز، اُس کے وزراء، اُس کے علماء اور اُس کی افواج نے پاکستان اور افغانستان میں تیرے اولیاء سے دشمنی کی، اور خصوصاً وزیرستان، سوات، باجوڑ اور لال مسجد میں تو دشمنی کی انتہا کر دی۔

اے اللہ! بس تو ان کی کمر توڑ دے، ان کی جماعت کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے، ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر دے۔

اے اللہ! ان سے ان کے عزیز و اقارب چھین لے، جیسے انہوں نے ہم سے ہمارے عزیز و اقارب چھین لیے۔

اے اللہ! ہم ان کے شر سے تیری پناہ مانگتے ہیں اور تجھے ان کی گردنوں پر مسلط کرتے ہیں۔

اے اللہ! ان کی تدبیروں کو انہی کی تباہی کا سبب بنا دے۔

اے اللہ! تو جیسے بھی چاہے، ان کے مقابلے میں ہمارے لیے کافی ہو جا۔

اے اللہ! تو انہیں اپنی گرفت میں لے لے، کیونکہ بلاشبہ وہ تجھے عاجز نہیں کر سکتے۔

اے اللہ! تو ان کو ایک ایک کر کے گن لے، ان کو قتل کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال، اور ان میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑ۔

اے اللہ! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما، اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔